س - 86
جملہ حقوق محفوظ ہیں
3900
ذخیرہ ... احمد شرقپوری نقشبندی ... لاہور پاکستان

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۳۲

سیر الصحابہؓ کے حصۂ مہاجرین کی دوسری جلد

مہاجرینؓ

حصۂ اول

جس مین

بقیہ حضرات عشرہ مبشرہؓ واکابر بنی ہاشم وقریش، اور اُن حضرات صحابہؓ کے حالات، سوانح، اخلاق وفضائل، اور اُن کے مذہبی، علمی، سیاسی مجاہدات اور کارنامے ہین جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، شروع مین ایک مقدمہ ہے جسمین قریش کی تاریخ اور قبائلِ مہاجرینؓ کی تفصیل ہے

از

مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم سابق رفیق دار المصنفین

باہتمام مولانا مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ مین چھپی

طبع ثانی

۱۹۵۱ء

~~89655~~

87155

Marfat.com

3907

فہرست مضامین

مہاجرین حصۂ اول

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
دیباچہ	۱	**ایام قریش**	۱۷
مقدمہ			
اسلام سے پہلے مہاجرینؓ کے خاندان	۱	یوم فجار اول	۱۸
دور اول	۲	یوم فجار ثانی	〃
دور دوم		واقعۂ فیل	۱۹
قبائل عدنان	۶	ایک جنگ	۲۰
عدنان کی حکومتیں	۱۰	حرب ذات نکیف	〃
عدنان کی تجارت	۱۱	[illegible]	[illegible]
آل عدنان کا مذہب	۱۲	**قریش کی سیاسی خود مختاری**	〃
ایام عدنان	۱۳		
آل عدنان کی لڑائیاں دوسری نسل والوں کے ساتھ	〃	قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع	۲۲
عدنانیوں کی خانہ جنگیاں	۱۴	**قریش کا تمدن**	۲۳
ایام بکر و تغلب	〃		
ایام عبس و ذبیان	〃	نظام عسکری	۲۴
ایام ربیعہ و مضر	۱۵	عدالتی نظام	〃
ایام بنو عامر	〃	نظام مذہبی	〃
دیگر ایام مشہورہ	〃	ندوہ	۲۵
دور سوم		مشورہ	〃
قریش	۱۵	حلف فضول	۲۶
قبائل قریش اور ان کے مشاہیر	〃	قریش کا مذہب	〃

Marfat.com

مضمون	صفحہ
لوازمِ تمدن	۳۱
تجارت	۳۱
علوم وفنون	۳۴
رفاہِ عام کے کام	؍؍
اسلام کا ظہور	۳۵
پہلی ہجرت یا مہاجرین کی پہلی جماعت ۴۱-۴۵	
حبشہ کی پہلی ہجرت	۴۱
حبشہ سے مسلمانون کے اخراج کی کوشش	۴۲
نجاشی کا جواب	۴۳
حضرت جعفرؓ کی تقریر	؍؍
نجاشی کا آیاتِ قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف،	۴۴
وفدِ مشرکین کی ایک چال، اور اس مین ناکامی،	؍؍
مہاجرینِ حبش کی واپسی	۴۵
دوسری ہجرت	۴۵-۵۸
حبشہ کی دوسری ہجرت	۴۵
حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال	۴۸
قریش کی ایذا رسانی	؍؍
تبلیغِ اسلام اور طائف کا سفر	۴۹
مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان	؍؍
مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغِ اسلام،	۵۰
تبلیغ کا اثر قبائل پر	؍؍
قبیلۂ دوس کی خواہش	۵۷
اہلِ مدینہ کا قبولِ اسلام،	؍؍
انصار کی پہلی بیعت	۵۸
انصار کی دوسری بیعت	؍؍
عام ہجرت	؍؍
ہجرت کا سلسلہ فتحِ مکہ تک قائم رہا اور اس کے اسباب،	۶۰
مہاجرین کے فضائل ومناقب	
کلام اللہ اور مہاجرین	۶۱
احادیثِ نبویؐ	۶۴
مہاجرین منافق نہ تھے،	۶۷

Marfat.com

3900

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب کتاب)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	حضرت زبیر بن العوامؓ	۷۴	۱۴	حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ	۲۹۰
۲	حضرت طلحہؓ	۹۳	۱۵	حضرت عمار بن یاسرؓ	۳۲۲
۳	حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ	۱۰۷	۱۶	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	۳۲۶
۴	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۱۲۲	۱۷	حضرت صہیب بن سنانؓ	۳۴۴
۵	حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ	۱۴۷	۱۸	حضرت مصعب بن عمیرؓ	۳۴۵
۶	حضرت سعید بن زیدؓ	۱۶۳	۱۹	حضرت عثمان بن مظعونؓ	۳۵۸
۷	سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ	۱۶۹	۲۰	حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ	۳۶۴
۸	حضرت عباس بن عبد المطلبؓ	۱۷۷	۲۱	حضرت مقداد بن عمروؓ	۳۶۷
۹	حضرت بلال بن رباحؓ	۱۸۶	۲۲	حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ	۳۷۳
۱۰	حضرت جعفر طیارؓ	۱۹۵	۲۳	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	۳۷۶
۱۱	حضرت زید بن حارثہؓ	۲۰۱	۲۴	حضرت عبداللہ بن سہیلؓ	۳۸۲
۱۲	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۱۲	۲۵	حضرت عتبہ بن غزوانؓ	۳۸۴
۱۳	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۲۵۳	۲۶	حضرت عامر بن فہیرہؓ	۳۸۸

Marfat.com

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۲۷	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	۳۹۱	۳۳	حضرت شماس بن عثمانؓ	۴۰۹
۲۸	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۳۹۴	۳۴	حضرت شجاع بن وہبؓ	۴۱۱
۲۹	حضرت عکاشہ بن محصنؓ	۳۹۸	۳۵	حضرت محرز بن نضلہؓ	۴۱۳
۳۰	حضرت ابوحذیفہؓ	۴۰۰	۳۶	حضرت شقران صالحؓ	۴۱۵
۳۱	حضرت سالم مولی ابی حذیفہؓ	۴۰۳	۳۷	حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ	۴۱۶
۳۲	حضرت عبیدہ بن الحارثؓ	۴۰۷	۳۸	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۴۱۸

Marfat.com

اسمائے مہاجرین

(بہ ترتیب حروفِ تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
	الف			ط	
۱	حضرت ابوحذیفہؓ	۴۰	۱۹	حضرت طلحہؓ	۹۳
۲	حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ	۳۹۱		ع	
۳	حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ	۳۶۴	۲۰	حضرت عامر بن ربیعہؓ	۴۱۸
۴	حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ	۱۴۷	۲۱	حضرت عامر بن فہیرہؓ	۳۸۸
۵	حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ	۲۹۰	۲۲	حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ	۱۷۷
	ب		۲۳	حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ	۳۷۳
۶	حضرت بلال بن رباحؓ	۱۸۶	۲۴	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۱۰۷
	ج		۲۵	حضرت عبداللہ بن جحشؓ	۳۹۶
۷	حضرت جعفر طیارؓ	۱۹۵	۲۶	حضرت عبداللہ بن سہیلؓ	۳۸۲
	ح		۲۷	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۱۲
۸	حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ	۳۷۲	۲۸	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ	۳۳۶
	حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ	۱۶۹	۲۹	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	۲۶۳
	ز		۳۰	حضرت عبیدہ بن الحارثؓ	۴۰۶
۱۰	حضرت زبیر بن العوامؓ	۷۴	۳۱	حضرت عتبہ بن غزوانؓ	۳۸۷
۱۱	حضرت زید بن حارثہؓ	۲۰۱	۳۲	حضرت عثمان بن مظعونؓ	۳۹۸
	س		۳۳	حضرت عکاشہ بن محصنؓ	۳۹۸
۱۲	حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ	۴۰۳	۳۴	حضرت عمار بن یاسرؓ	۳۲۲
۱۳	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	۱۲۲	۳۵	حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ	۴۱۶
۱۴	حضرت سعید بن زیدؓ	۱۲۳		م	
	ش		۳۶	حضرت محرز بن نضلہؓ	۴۱۴
۱۵	حضرت شجاع بن وہبؓ	۴۱۱	۳۷	حضرت مصعب بن عمیرؓ	۳۴۹
۱۶	حضرت شقران صالحؓ	۴۱۵	۳۸	حضرت مقداد بن عمروؓ	۳۶۷
۱۷	حضرت شماس بن عثمانؓ	۴۰۹			
	ص				
۱۸	حضرت صہیب بن سنانؓ	۳۴۴			

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ جلد ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں ہے، جو فتح مکہ کے پہلے اسلام لائے، چونکہ اسلام میں ان بزرگوں کی حیثیت بہت بڑی ہے، اس لیے ان کو سب سے اول جگہ دی گئی، اور ان میں بھی چاروں خلفائے راشدین کو، جن کے حالات میں ایک مستقل جلد چھپ چکی ہے، عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ بزرگوار اس جلد میں مذکور ہیں، اور ان کو تمام مہاجرین میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے،

یہ جلد بھی ہمارے رفیق عزیز مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی کی تالیف ہے، مقداد اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے فضل و کمال و اخلاق کا حصہ ان کے ہمنام اور ہم مدرسہ مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی رفیقِ دار المصنفین نے لکھا ہے، اس حصہ کا تمام فضل و کمال ان ہی کا ہوگا،

کتاب میں دو فہرستیں لگائی گئی ہیں، ایک میں کتاب کی ترتیب کے مطابق ناموں کی فہرست ہے اور دوسری میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے نام لکھے گئے ہیں، تاکہ تلاش و مراجعت میں لوگوں کو آسانی ہو،

سید سلیمان ندوی، ناظم دار المصنفین

۲۳ر اکتوبر ۱۹۲۸ء

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

اسلام سے پہلے مہاجرین کے خانوادے

مورخینِ اسلام اور علمائے انساب نے عرب کی تین قسمیں قرار دی ہیں، بائدہ، عاربہ اور مستعربہ بعض صرف دو پر اکتفا کرتے ہیں، عاربہ اور مستعربہ،

عرب بائدہ عرب کے وہ قبائل ہیں جن کا زمانہ اس قدر قدیم ہے کہ تاریخوں میں ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتہ عرب کے اشعار میں جا بجا ان کا ذکر آجاتا ہے یا الہامی کتابوں میں کہیں کہیں حالات مل جاتے ہیں، یہ قبائل عاد، ثمود، طسم جدیس وغیرہ ہیں، عرب عاربہ وہ قحطانی قبائل ہیں، جو یمن اور اس کے قرب وجوار میں آباد ہوئے، ان میں سے حمیر کہلان بنی عمرو وغیرہ مشہور ہیں، ان کے حالات کثرت سے ملتے ہیں اور ان کی عظیم الشان یادگاریں ابھی تک سرزمین عرب میں موجود ہیں،

تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے اور یہی ہمارا موضوعِ بحث ہے کہ اسی سے سلسلہ اسمٰعیلی کی ابتدا ہوئی، جس میں مہاجرین کے اکثر خاندان داخل ہیں، حضرت ابراہیم ؑ نے جب اپنے بیٹے اسمٰعیل اور اپنی بیوی ہاجرہ کو "وادیِ غیرذی زرع" میں بسایا، تو وہاں اس وقت جرہمی قبائل آباد تھے، ان میں حضرت اسمٰعیل ؑ نے شادی

Marfat.com

کی اور ان سے جو نسل چلی وہ عرب مستعربہ کے نام سے موسوم ہوئی حضرت اسمٰعیلؑ کے گیارہ اولادیں ہوئیں جن میں ایک کا نام قیدار تھا، قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان گذرا ہے قریش کے تمام قبائل اور مہاجرین کے اکثر قبیلوں کا سلسلۂ نسب عدنان ہی تک آکر منتہی ہوجاتا ہے اس طرح یہ سلسلہ تاریخ کے تین دوروں پر منقسم ہوجاتا ہے ایک حضرت اسمٰعیلؑ سے عدنان تک، دوسرا عدنان سے فہر تک، اور تیسرا فہر سے آخر تک مہاجرین کے حالات میں اگرچہ پہلے اور دوسرے دوروں کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں ہے اور صرف قریش کے حالات کا لکھ دینا کافی ہے مگر اس خیال سے کہ اس سلسلہ کی تمام کڑیاں سامنے آجائیں پہلے دور کا اجمالی اور دوسرے دور کا کسی قدر تفصیلی اور تیسرے دور کا نہایت مفصل طور پر تذکرہ کرتے ہیں،

دور اوّل

حضرت اسمٰعیلؑ کی گیارہ اولادوں میں نابت اور قیدار نے نہایت جاہ و جلال اور دنیاوی اعزاز حاصل کیا، مورخین اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ عدنان آل نابت سے تھا یا آل قیدار سے بعض عدنان کو نابت کی اولاد بتلاتے ہیں، اور بعض قیدار کی مگر اکثریت اسی طرف ہے کہ عدنان کا سلسلۂ نسب قیدار سے ملتا ہے چنانچہ مورخ ابوالفداء نے اس اختلاف کو لکھ کر اسی قول کو ترجیح دی ہے[1] قیدار اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ ممتاز اور نامآور تھا، اور اسی کی نسل سے مشہور قبائل اور اشخاص پیدا ہوئے حتی کہ دنیا کو سب سے بڑا انسان یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی نسل میں پیدا ہوئے الہامی صحائف میں قیدار کا نام ایک صاحب سطوت شخص اور اس کی اولاد کا تذکرہ ایک جری و بہادر قوم کی حیثیت سے آیا ہے چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی، اور تیراندازوں کے جو باقی رہے، قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند

[1] ابوالفداء جلد ا ص ۱۰۶

اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا،، (یسعیاہ باب ۲۱ آیۃ ۱۶، ۱۷)

اس عظمت و شجاعت کے علاوہ تعداد کی کثرت کے اعتبار سے بھی ان کی بستیاں آباد تھیں، چنانچہ یسعیاہ نبی فرماتے ہیں "قیدار کی آباد بستیاں اپنی آواز بلند کریں گی،، (یسعیاہ باب ۴۲ آیۃ ۱۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام بدویوں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے، بلکہ ان کی بستیاں منظم اور ان کی معاشرت اجتماعی تھی، اجتماعی زندگی کے لئے ایک نظام اور ناظم کی سخت ضرورت ہے، جو لوگوں کو منظم اور منضبط رکھ سکے ورنہ اجتماعی زندگی نہیں پیدا ہو سکتی، چنانچہ آل اسمعیل میں بھی اگرچہ باقاعدہ حکومت نہ تھی تاہم وہ ایک سردار کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے، اور بنو اسمعیل کے علاوہ ان کے پڑوسی قبائل بھی اس سردار کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ بنو جرہم ہمیشہ آل اسمعیل کے اطاعت گذار رہے[1] آل قیدار کی زندگی اگرچہ بدویانہ تھی، اور ان کا تمدن سادہ تھا، تاہم بالکل بدوی نہ تھے، بلکہ تمدن کے کچھ آثار بھی ان میں پائے جاتے تھے، اور تنہا بھیڑ بکریوں کی کھال اور دودھ پر ان کی زندگی کا دارومدار نہ تھا، اس سے ترقی کرکے وہ تجارت بھی کرتے تھے، چنانچہ خرقیال نبی فرماتے ہیں "عرب اور قیدار کے سب امیر تجارت کی راہ میں تیرے علاقہ مند تھے، وہ برے اور مینڈھے اور بکریاں لے کے تیرے ساتھ تجارت کرتے تھے (حزقیال باب ۲۷ آیۃ ۲۱) اسمعیلی قبائل نے تجارت کو اسقدر فروغ دیا کہ وہ تجارتی اشیاء لے کر ملکوں ملکوں پھرتے تھے، چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسف ع کو کنوئیں سے نکالا تھا، اسمعیلی تھا، اور بغرض تجارت مصر جا رہا تھا، چنانچہ توراۃ میں ہے کہ "جب حضرت یوسف نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ اسمعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مر اونٹوں پر لادے ہوئے ہے کہ انھیں مصر کو لیجائے (پیدائش باب ۳۷ آیۃ ۲۵) اس تجارتی ترقی کا نتیجہ تمول اور تمول کا نتیجہ تمدن تھا، چنانچہ ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول کے ساتھ ان میں تمدن بھی آچلا تھا، توراۃ میں ایک موقع پر ان زیورات کا ذکر آیا ہے، "جدعون نے انھیں

---

[1] یعقوبی جلد ۱ ص ۲۵۴

Marfat.com

کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے لوٹ کے کرن پھول مجھے دے دے کہ ان کے کرن پھول سونے کے تھے اس لئے کہ وہ اسمٰعیلی تھے" (قضاۃ باب ۸ آیہ ۲۴)

ان مذکورہ بالا شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اسمٰعیلی قبائل بداوت کے ابتدائی دور میں نہ تھے بلکہ اس سے نکل کر تمدنی شاہراہ اختیار کر لی تھی یعنی ان میں دنیاوی شان و شوکت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی پھیلی ہوئی تھی معاشرت بھی اجتماعی اور منتظم تھی، ان کی عورتیں سونے کے زیورات استعمال کرتی تھیں،

یہ تو بنی اسرائیل کے صحیفوں کی شہادتیں ہیں، ہماری تاریخوں میں بھی کثرت سے ان کے حالات ملتے ہیں، اور ان سے بھی ان کی عزت و احترام کا پتہ چلتا ہے بنو اسمٰعیل کی ابتدائی تاریخ خانہ کعبہ سے وابستہ ہے اس لئے ہم بھی خانہ کعبہ ہی کی روشنی میں ان کے حالات تلاش کرتے ہیں، خانہ کعبہ کی تولیت آل اسمٰعیل میں بڑی عزت کی چیز تھی کعبہ کا متولی ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت رکھتا تھا، تمام قبائل اس کا احترام کرتے تھے، دوسرے لفظوں میں کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف قیدار کو حاصل ہوا، مگر حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہو گیا کیونکہ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں نفوس کی کثرت ہوئی، اور ارض حرم میں اتنی گنجائش باقی نہ رہی، کہ وہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹ سکے تو وہ لوگ حرم سے نکل کر اس کے اطراف و جوانب میں پھیل گئے اور صرف چند اشخاص حرم کی پاسبانی کے لئے رہ گئے، مگر یہ سب صغیر السن تھے، اور اس صغر سنی کی وجہ سے تولیت کعبہ کے فرائض نہیں ادا کر سکتے تھے حضرت اسمٰعیلؑ کے سسرالی قبیلہ جرہم میں یہ عہدہ منتقل ہو گیا، اور مضاض جرہمی اس پر فائز ہوا، چنانچہ حارث جرہمی کہتا ہے[1]؎

وکنا ولاۃ البیت من بعد نابت　　　نطوف بذاک البیت والامر ظاہر

بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھ کر سمیدع بن ہوبر عمالقی کو رشک ہوا، اور مضاض جرہمی سے آمادۂ جنگ

---

[1] ابوالفدا، جلد ا صفحہ ۱۰۵،

ہو گی، مگر شکست کھائی اور جرہم یمن کی پشتون تک یہ منصب قائم رہا، مگر انھون نے اپنی حکومت کے زعم مین ظلم وستم اور فسق و فجور کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا، اور سب سے زیادہ نفرت انگیز و قابل مذمت حرکت یہ کی کہ حرمت کعبہ کا بھی خیال نہ رکھا، اور حجاج پر زیادتیان کرنے لگے، حرم کا چڑھاوا کھا جاتے لوگون کو طرح طرح سے ستاتے، غرضکہ ہر طرح خلق اللہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، آل اسمٰعیل ان کی ناروا حرکتون کو دیکھتے تھے، مگر اوّل تو عزیزداری کے پاس سے کچھ نہین بولتے تھے، دوسرے حرم مین کشت و خون کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے اخراج مین خونریزی کا ہونا یقینی تھا، آخرکار حرم کی توہین اور خلق اللہ کے مصائب کو دیکھکر بنو بکر اور غبشان نے سختی سے اس کا تدارک کیا یہان تک کہ جنگ کی نوبت آئی اور ایک خونریز جنگ کے بعد بنو جرہم کو یمن کی طرف بھگا کر حرم کو ہمیشہ کے لئے ان کی نجاستون سے پاک کر دیا، یہ شکست خوردہ تو تھے ہی، انھون نے چلتے چلتے حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہ زمزم مین پھینک کر کوئین کو پاٹ دیا،[1]

اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آل اسمٰعیل مین لوٹ آئی اور چند پشتون کے بعد عدنان تک پہنچی، ابھی عدنان کا دور تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، جس سے عربون کی قوتین ٹوٹ گئین، سارا عرب ویران ہو گیا، اور تمام ملک مین خاک اڑنے لگی عدنان اسی حملہ مین مارا گیا، مگر اس کے لڑکے معد کو ارمیانبی نے بچا لیا، جس سے آئندہ نسل پھیلی،[2]

دور دوم

پہلے دور مین حضرت اسمٰعیل ؑ سے لیکر عدنان تک کے مختصر حالات لکھے گئے ہین، دوسرے دور مین عدنان سے فہر تک کسی قدر تفصیل ہو گی کیونکہ مہاجرین کا سلسلۂ نسب اسی تک منتہی ہوتا ہے، عدنان کا سلسلۂ نسب

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۴، ۶۵، [2] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۳۹، ۲۹۹،

Marfat.com

باتفاق نسابین حضرت اسمٰعیلؑ تک پہونچتا ہے لیکن درمیانی پشتون کی تعداد اور ان کے نامون مین اختلاف ہے اس اختلاف کی وجہ تو یہ ہے کہ وہ عبری سے عربی مین منتقل ہوئے ہین اور جب ایک زبان کے نام دوسری زبان مین جاتے ہین تو لامحالہ کچھ لب و لہجہ کے اختلاف اور کچھ حروف کے تغیرات سے ان کی اصل صورت باقی نہین رہتی اس لئے یہ اختلاف قابل توجہ نہین ہے البتہ درمیانی کڑیون کی تعداد کا اختلاف ضرور قابلِ لحاظ ہے بعض عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ دس پشتین بتلاتے ہین اور بعضون کے نزدیک ان کی تعداد چالیس تک پہونچ جاتی ہے اور یہی آخری قول صحیح ہے کیونکہ اگر صرف نو دس پشتین مانی جائین تو عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان زمانہ بہت کم رہ جاتا ہے جو تاریخی مسلمات کے بالکل منافی ہے چنانچہ علامہ سہیلی روضۃ الانف مین لکھتے ہین کہ "عادۃً محال ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چار یا سات پشتین یا دس بیس پشتین ہون، کیونکہ ان دونون کے درمیان اس سے بہت زیادہ زمانہ ہے"[1]

یہ تو قیاس عقلی ہے اس کے علاوہ بہت سے علماء عرب مین ایسے تھے جن کو چالیسون پشتین بزبان یاد تھین چنانچہ علامہ طبری لکھتے ہین کہ مجھ سے بعض عرب نسابون نے کہا کہ وہ بہت سے ایسے علماے عرب کو جانتے ہین جن کو معد بن عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس پشتین نام بنام حفظ تھین اور وہ اس پر اشعار عرب سے استدلال کرتے تھے اور ان نسابون نے علماء کے محفوظ نامون کا اہل کتاب کے بتائے ہوئے نامون سے مقابلہ کیا تو تعداد بالکل صحیح نکلی البتہ لہجہ و زبان کے تغیر سے نامون مین اختلاف ہو گیا تھا[2]

اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عربون کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہونا یقینی تھا، اس لئے انھون نے صرف مشہور لوگون کے نام یاد رکھے اور پورا سلسلہ محفوظ نہین رکھا،

---

[1] روض الانف صفحہ ۰ جلد ا مطبوعہ مصر [2] طبری صفحہ ۱۱۱۰،

Marfat.com

لیکن بہرحال تاریخی شہادت اور عقلی قیاس کا فیصلہ یہی ہے کہ عدنان اور حضرت اسمٰعیلؑ کے درمیان چالیس پشتیں تھیں،

قبائلِ عدنان[1] عدنان کی اولاد اس کثرت سے پھیلی کہ اس کا استقصا اس دیباچہ میں مشکل ہے اور ہمارے موضوع سخن کے لئے زیادہ کارآمد بھی نہیں ہے، اس لئے ہم ان کے مشہور قبائل اور ان میں سے بھی خاص کر اُن ہی کا تذکرہ کریں گے جس سے ہماری کتاب کو کچھ تعلق ہوگا، اس سے قبائلِ عدنان کا اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا، اور آیندہ جہاں جہاں قبائل یا اشخاص کے نام آئیں گے، وہاں اس کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی،

عدنان کے دو لڑکے تھے، عک اور معد مگر آیندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی، اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے جن کو تاریخ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی، انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ اور مضر ان میں سے انمار اور ایاد بہت کم پھیلے، البتہ ربیعہ قضاعہ اور مضر نے کثرتِ تعداد، دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت وغیرہ کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی،

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادیں ہوئیں جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے اور نہایت دنیاوی اعزاز حاصل کیا، اور حکومتیں قائم کیں، اُن کے مشہور قبائل و بطون یہ ہیں، بنو عبد تیلہ، منتب بن انصے (خاندان حضرت صہیبؓ)، بنو وائل، بکر بن وائل، بنو عجل، بنو عبد قیس، بنو تغلب وغیرہ، پھر ان سے بھی بہت سے بطون شاخ در شاخ ہو کر نکلے ہیں،

قضاعہ کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں، مگر از روے تحقیق وہ عدنانی ہیں، بنو قضاعہ نے بھی دنیاوی حکومت اور قبائل کی کثرت کے اعتبار سے بہت شان و شوکت حاصل کی، عافی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے، عمرو، عمران اور اسلم، ان ہی تینوں سے تمام بطون و شعوب پھیلے،

[1] قبائل کی تفصیل ابن خلدون جلد ۲ سے ماخوذ ہے،

Marfat.com

بنو نہد کے مشہور بطون عبدان، بنی زحضرت کعب بن عجرہ، خدیج بن سلامہ سہل بن رافع، ابو برزہ رضوان اللہ علیہم کا خاندان) بہرا (حضرت مقداد بن اسود کا خاندان)

بنو اسلم کے مشہور بطون ہذیم، جہینہ اور نہد ہیں،

بنو عمران کے مشہور قبائل بنو تلیم، بنو قجم، بنو جرم، بنو اسد، بنو تمر، بنو کلب وغیرہ ہیں، پھران میں بھی شاخ در شاخ ہو کر سینکڑوں بطون نکلے،

مضر بن نزار بطون وقبائل کی وسعت اور تاریخی اہمیت میں قضاعہ اور ربیعہ سے زیادہ ممتاز ہے،

مضر کے دو لڑکے تھے، الیاس اور قیس عیلان ان ہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا،

بطون خندف بن الیاس بن مضر — الیاس کے تین لڑکے تھے، مدرکہ، طابخہ، قمعہ، یہ تینوں قبیلہ قضاعہ کی ایک عورت خندف قضاعیہ کے بطن سے تھے، اس لئے یہ اسی کی طرف منسوب ہوئے، اور ان کے تمام بطون خندف کہلائے،

قمعہ کے مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو افصے ہیں، بنو خزاعہ سے بنو مصطلق، بنو کعب (حضرت عمران بن حصینؓ کا خاندان) بنو عدی (ام المومنین حضرت جویریہؓ کا خاندان) بنو جہینہ وغیرہ نکلے ہیں، اور بنو افصے سے بنو مالک اور بنو اسلم (حضرت سلمہ بن اکوعؓ کا خاندان) پیدا ہوئے، یہ قبائل مرظہران اور اس کے قرب وجوار میں آباد ہوئے،

طابخہ کے مشہور بطون وقبائل ضبۃ، رباب، تمیم اور مزنیہ (بجیر وکعبؓ مداح رسول اکرم ومعقل بن یسارؓ کا خاندان) ہیں، چھوٹے بطون میں صوفہ اور محارب وغیرہ کا شمار ہے، پھر تمیم کی شاخیں بنو حارث بنو اسید (حضرت ہند بن زرارہ صحابیؓ اور حنظلہ بن ربیعؓ کاتب نبوی کا خاندان) بنو مالک اور بنو سعد وغیرہ ہیں یہ سب عراق اور نجد میں آباد تھے،

مدرکہ کے مشہور قبائل ہذیل، قارہ، اسد اور کنانہ ہیں پھر بنو اسد سے بنو کاہل، بنو غنم (ام المومنین حضرت

Marfat.com

زینبؓ اور عکاشہ بن محصن کا خاندان) بنو ثعلبہ وغیرہ نکلے یہ بھی اضلاعِ نجد میں آباد تھے، کنانہ سے بنو عبد مناۃ، بنو مالک اور بنو نضر تھے، بنو عبد مناۃ سے بنو بکر، بنو مرہ، بنو حارث اور بنو عامر تھے، بنو بکر سے بنو لیث (ابو واقد اور قیس بن شداخ کا خاندان) بنو سعد (جعدہ بن سعد کا خاندان) بنو جزع وغیرہ پیدا ہوئے،

بطون قیس عیلان | بنو خندف کی طرح بنو قیس سے بھی بطون و شعوب کا وسیع سلسلہ پھیلا، قیس عیلان کے تین لڑکے تھے، عمرو، کعب اور خصفہ، ان تینوں سے الگ سلسلے چلے،

بنو عمرو کے بطون بنو فہم، بنو عدوان وغیرہ ہیں، ان دونوں کی اولادیں طائف اور نجد میں بستی تھیں،

بنو سعد کے مشہور قبائل غنی، باہلہ، غطفان، مرہ، پھر غطفان کے بنو عبس، بنو ذبیان، بنو اشجع، (خاندان حضرت معقل بن سنانؓ) پھر بنو عبس سے بنو حارث (خاندانِ حضرت حذیفہ بن یمانؓ) اور ذبیان سے بنو ثعلبہ، بنو فزارہ، بنو مرہ (خاندانِ حضرت سمرہ بن جندبؓ)

بنو خصفہ بن قیس کے دو بڑے بطن بنو سلیم اور بنو ہوازن مستقل صدہا بطون کا منبع تھے، بنو مازن (خاندانِ عتبہ بن غزوان) بھی بنو خصفہ کا ایک بطن تھا، مگر اس کی مستقل ہستی نہ تھی، بلکہ سلیم اور ہوازن کے تحت میں تھا،

بنو سلیم کے بطون بنو ذکوان، بنو عبس (خاندان حضرت عباس بن مرداسؓ) بنو ثعلبہ، بنو بہز (خاندان حضرت حجاج بن علاطؓ) بنو زعبہ، بنو عوف، بنو سلیم ان میں سے کچھ نجد کے بالائی حصہ میں آباد تھے کچھ خیبر کے اطراف میں، اس کے علاوہ افریقہ میں ان کی بڑی تعداد تھی،

بنو ہوازن کے مشہور قبائل بنو معاویہ، بنو نبہ، بنو سعد (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی تعلق اس خاندان سے تھا) پھر بنو نبہ سے بنو ثقیف، بنو جشم، بنو سعد وغیرہ ہیں، یہ سب کے سب طائف میں آباد تھے اور بنو معاویہ سے بنو نضر، بنو جشم، بنو سلول، بنو مرہ، بنو عامر وغیرہ تھے، ان میں بھی شاخ در شاخ ہو کر صدہا بطون نکلے،

Marfat.com

قبائل کی تقسیم مین بعض خانوادون کی کسی قدر تفصیل کردی گئی ہے اور بعض مین صرف مورث اعلیٰ کی طرف تمام شاخون کو منسوب کردیا گیا ہے اور شاخ در شاخ کی تفصیل نہین کی گئی ہے اور نہ درمیانی واسطون کا ذکر کیا گیا ہے،

عدنان کی حکومتین بنی عدنان نجد، حجاز اور تہامہ مین آباد تھے اور ابتدا سب بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، جہان شاداب مرغزار اور پانی کے چشمے ملتے وہین خیمہ زن ہوجاتے، اونٹ اور بکریون کے گلے اُن کا ذریعۂ معاش تھے، ایک عرصہ تک اسی حالت مین رہے، مگر عدنان کی چوتھی پشت کے بعد اس کی اولاد مین اس قدر کثرت ہوئی، کہ قدیم اقامت گاہین ان کے لئے کافی نہ ہوسکین، چنانچہ عدنان کی پانچون شاخین اپنے اپنے مستقر سے نکل کر تمام اطراف مین پھیل گئین، ان مین سے ربیعہ، قضاعہ اور مضر نے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کیا، متعدد بڑی بڑی حکومتین اور چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کین، جو صدیون تک بڑی شان و شوکت سے چلتی رہین، چنانچہ بنو قضاعہ کی حکومتین حجاز سے لیکر شام اور عراق تک پھیلی ہوئی تھین[۱] اور ان کے حکمران قبائل مین تنوخ اور سلیح نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا، اور دونون یکے بعد دیگرے شام کے تخت حکومت پر بیٹھے[۲] شام کی سلطنت کے علاوہ تبوک اور دومۃ الجندل مین بھی ان کی ریاستین تھین[۳]، بنو قضاعہ کی طرح اگرچہ ربیعہ کی کوئی باقاعدہ سلطنت نہ تھی، تاہم ان کی سیادت اور ان کا اقتدار تمام قبائل مین مسلّم تھا، چنانچہ یہ اظہار سیادت اور تفوق کے لئے اپنا ایک شعار مخصوص کرلیتے تھے، جو تمام قبائل کے لئے واجب التسلیم ہوتا تھا، اور کوئی قبیلہ اس کی مخالفت کی جرأت نہین کرسکتا تھا، حتی کہ اس کی ادنیٰ مخالفت بھی اعلان جنگ تصور کی جاتی تھی[۴] اسی مضر مین بکر و تغلب کی ریاستین حجاز مین تھین، اور بنو عامر کی حکومت عراق مین تھی[۵]، ان کے علاوہ نجد مین کندہ نے بڑی شاندار حکومت قائم کی، اگرچہ علمائے انساب کندہ کو حمیر کی شاخ بتاتے ہین، مگر قیاسات و قرائن کی رو سے زیادہ عدنانی ہین، اس کی بڑی دلیل

---

[۱] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۳۴۶ [۵] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۰

یہ ہے کہ مشہور شاعر امرا القیس کندہ کا آخری شہزادہ فصیح عدنانی زبان میں شاعری کرتا تھا، اور اس کے کلام میں حمیری زبان کی جھلک تک نہ تھی، اس لسانی استدلال کے علاوہ وہ خود عدنانی ہونے کا مدعی تھا، چنانچہ اپنے باپ کے مرثیہ میں کہتا ہے[1]،

حمیر معد حبلونا ثلا — وجرھم قد علمو شمائلا

دوسرے موقعہ پر اپنی مدح میں کہتا ہے،

وانا الذی عرفت معد فضله

اس کے برخلاف حمیر کا بھی متعدد اشعار میں ذکر کیا ہے، مگر کہیں ہم نسبی کا دعویٰ نہیں کیا،

عدنان کی تجارت اگرچہ قریش کے علاوہ تمام عدنانی بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، تاہم عام عربوں کی طرح ان کا مخصوص پیشہ تجارت تھا، مقامی خرید و فروخت کے علاوہ ملکوں پھر کر بھی بیوپار کرتے تھے، چنانچہ بخت نصر کے مشہور حملہ کے وقت جس میں عدنان کام آیا، عدنانی کاروانِ تجارت اس کے حدودِ سلطنت میں موجود تھے، اور بخت نصر نے پہلے ان ہی کو گرفتار کرایا تھا[2]،

آلِ عدنان کا مذہب دنیا کے سب سے بڑے موحد خلیل بت شکن نے دنیا کے سامنے ایک ایسا دین حنیف پیش کیا تھا، جو شرک و بدعات کی آمیزش سے یکسر پاک تھا، اور خانۂ کعبہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھی تھی، تاکہ آستانوں پر جھکنے والی گردنیں صرف ایک خدائے قدوس کی عتبۂ توحید پر ناصیہ سائی کریں،

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا
تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ
وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ، وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ
بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ

اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کے مقام میں ابراہیم کو ٹھکانا
دیا، تو کہا کہ میرا شریک نہ ٹھہرانا، اور میرے اس گھر کو
طواف کرنے والوں، نماز میں کھڑے ہونیوالوں، رکوع
کرنے والوں، اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک

[1] ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۰، [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۲۳۷،

مِّنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ وصاف کرنا، اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے

(حج ع ۴) پاس پیادہ اور سفر سے دبلی ہو جانے والی سواریوں پر دور

دراز راستہ سے آئیں گے،

مگر چند ہی پشتوں کے بعد دین ابراہیم کے شفاف آئینہ میں شرک و بدعات کا زنگ لگ گیا، اور اس نسل میں عمرو بن لحی ایک شخص پیدا ہوا جس نے مکہ میں بت پرستی رائج کی، اور خانہ کعبہ میں متعدد بت لا کر نصب کئے[1] چونکہ خانہ کعبہ تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا، اور تمام اکناف عرب کے لوگ یہاں موسم حج میں جمع ہوتے تھے، اور عمرو بن لحی نے بت بھی اسی قلب توحید میں نصب کئے تھے اس لئے بہت جلد آل عدنان نے بت پرستی قبول کر لی، اور چند ہی دنوں میں یہ وبا تمام عرب میں پھیل گئی، اس کی تفصیل آئندہ قریش کے حالات میں آئے گی، بت پرستی کے علاوہ عدنانیوں میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جا بجا موجود تھا، چنانچہ قضاعہ اور ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا، بنی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے، تمیم میں مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی، تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے،[2] کچھ لوگ عقلی بلند پروازی کی آخری حد الحاد تک پرواز کر چکے تھے،[3] ان ہی کے متعلق قرآن میں آیا ہے،

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ

(جاثیہ ع ۳)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی ہماری دنیاوی زندگی ہے، اور ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہم کو صرف زمانہ ہی مارتا ہے،

اگرچہ ان تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آل عدنان میں پایا جاتا تھا، مگر خال خال، ورنہ ان کا عام مذہب بگڑا ہوا دین ابراہیمی تھا،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۴۰ ۔ [2] طبقات الامم اندلسی ص ۴۳ [3] یعقوبی ج ۱ ص ۲۹۸ ۔

Marfat.com

ایام عدنان | آل عدنان مین صدہا خونریز جنگین ہوئین، اور ادنیٰ ادنیٰ سی باتون پر صدیون تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، اگر اسلام نے آکر ان مین اخوۃ اور مساوات کی بنیاد نہ رکھی ہوتی تو عجب نہین کہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے نابود ہوجاتی، یہ لڑائیان ایام عرب کے نام سے مشہور ہین، اور دو قسم کی ہین، ایک وہ لڑائیان ہین، جو آل عدنان اور دوسری نسل سے ہوئین، اور دوسری خود عدنانیون کی خانہ جنگیان ہین،

آلِ عدنان کی لڑائیان دوسری نسل والون کے ساتھ | عدنانیون مین خانہ جنگیون کے علاوہ دوسری متعدد جنگین بھی ہوئین، جن مین، یوم بیضا، یوم خزار، یوم صفقہ، یا یوم مشقر، یوم کلاب ثانی، یوم ذی قار، زیادہ مشہور ہین، یوم بیضا بنو مذحج یمنی اور بنو معد عدنانی کے درمیان ہوئی تھی جس مین یمن والون نے بہت سخت ہزیمت اٹھائی تھی، جنگ خزار بھی بنو معد عدنانی اور یمنیون کے درمیان ہوئی، اس مین بھی عدنانی غالب رہے، جنگ صفقہ یا مشقر فارس اور تمیم عدنانی مین ہوئی، اس مین اہل فارس نے تمیم کے بہت آدمی دھوکے سے قتل کرڈالے، جنگ کلاب ثانی بنو مذحج اور تمیم کے درمیان ہوئی، اس مین تمیم غالب رہے، یوم ذی قار عرب اور عجم کی عظیم الشان جنگ تھی، اس مین عجمیون نے بہت بُری طرح شکست کھائی، اسی جنگ کے متعلق عربون مین یہ مثل مشہور ہے کہ ھذا اول یوم انتصرت العرب علی العجم، یعنی پہلا دن تھا، جسمین عرب عجم پر غالب ہوئے،

عدنانیون کی خانہ جنگیان | عدنانی قبائل مین بے شمار خانہ جنگیان ہوئین جن کا استقصا مشکل اور بے سود بھی ہے، اس لئے ہم صرف چند مشہور مشہور لڑائیون کے مختصر تذکرہ پر اکتفا کرتے ہین،

ایام بکر و تغلب | ایام عرب مین بکر و تغلب کی لڑائیان بہت شہرت رکھتی ہین، اس کی ابتدا ایک معمولی واقعہ سے ہوئی، اور چالیس سال تک، اس کا سلسلہ برابر قائم رہا، یہ لڑائیان حرب بسوس کے نام سے بھی مشہور ہین، اس مین پانچ لڑائیان بہت زیادہ شہرت رکھتی ہین، یوم عنیزہ، یوم واردات، یوم

---

۱ ابن اثیر ایام عرب،

حنو، یوم تعیبات، یوم قضہ، پہلی میں طرفین برابر رہے، دوسری میں تغلب پر بنو بکر غالب رہے، تیسری میں بکر تغلب پر فتحیاب ہوئے، چوتھی میں بکر نے بڑی زبردست ہزیمت اٹھائی، اس کے علاوہ جنگ نقیع، جنگ فصیل متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں[۱]،

یوم عبس و ذبیان | عبس و ذبیان کی لڑائیاں داحس و غبراء کے نام سے مشہور ہیں، داحس اور غبراء دو گھوڑے تھے، ان ہی کا مقابلہ بنائے فساد ہوا، اور اس سلسلہ میں متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں یوم عراعر، یوم ہباءہ، یوم ذات الجراجر، یوم جراجر، یوم عرق، وغیرہ زیادہ مشہور ہیں[۲]،

ایام ربیعہ و مضر | بنو تمیم مضری اور بنو بکر ربیعی میں بہت لڑائیاں ہوئیں، مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم نباج، یوم ذی قار، یوم ذی طلوح، یوم جدود، یوم آباد، یوم غبیط، یوم شقیقہ، ان لڑائیوں میں بنو بکر بنو تمیم پر غالب رہے، یوم فلج، یوم وقیط، یوم زوریں، یوم نعف قشاوہ، یوم ہبائف، یوم شیطین، ان میں بنو بکر نے شکست کھائی، اور بنو تمیم فتحیاب ہوئے، ان لڑائیوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں، یوم ذی قار، یوم ساہوق، یوم اہباد، یوم نقیعہ وغیرہ ہوئیں[۳]،

ایام بنو عامر | بنو عامر قیس عیلان کی شاخ ہوازن کا بہت مشہور قبیلہ تھا، اور قبائل عرب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا، مضری قبائل سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں، جن میں مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں، یوم شعب جبلہ، یوم ذی نجب، یوم نسار، یوم جفار، یوم مروت، یوم رقم، یوم شعب جبلہ، اور ذی نجب، بنو عامر اور بنو تمیم میں ہوئی، پہلی میں عامر غالب رہے، دوسری میں تمیم[۴]، یوم نسار اور جفار کا معرکہ بھی ان ہی دونوں میں ہوا، اس میں بنو عامر اگرچہ ثابت قدم رہے، تاہم ان کا بہت نقصان ہوا[۵]، یوم مروت معمولی جھڑپ تھی، جنگ رقم بنو عامر اور غطفان میں ہوئی، اور غطفان غالب رہے[۶]،

---

[۱] ابن اثیر ص ۲۸۰ تا ۹۳۲ [۲] تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ص ۲۴۰ تا ۲۴۳ [۳] ایام عرب ابن اثیر ج ۱ [۴] ابن اثیر ج ۱ ص ۴۳۵ [۵] ایضاً ص ۴۳۶ [۶] ایضاً ص ۴۴۸،

Marfat.com

دیگر ایام مشہورہ | یوم اباغ منذر بن ماء السماء تغلبی اور حارث غسانی کے درمیان ہوئی[۱]، یوم کلاب اول ایام عرب میں بہت مشہور ہے یہ باہم حارث کندی کی اولاد میں ہوئی جس میں معد کے بھی متعدد قبائل شریک تھے[۲]، یوم رحرحان، اس جنگ میں بنو تمیم، بنو عامر، بنو عبس اور بنو ہوازن وغیرہ سب شریک تھے[۳]، یوم اوارۃ الاول بنو منذر بن امرء القیس اور بنو بکر بن وائل میں ہوئی[۴]،

دور سوم

قریش

مہاجرین کی اصل تاریخ فہر و قریش سے شروع ہوتی ہے کیونکہ ان کی بڑی تعداد اسی کی نسل سے تھی، اس خاندان کا بانی فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ہے "قریش" فہر کے مورث اعلیٰ نضر کا خطاب تھا، مگر چونکہ اس کی نسل میں صرف فہر ہی سے سلسلہ پھیلا، اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہوگیا، اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے، بنو نضر تجارت پیشہ تھے، اور "تقریش" تجارت کے معنوں میں آتا ہے، اس لئے بنو نضر کا نام قریش پڑ گیا، اس کے علاوہ قریش ایک بڑی قسم کی مچھلی ہے جو تمام دریائی جانوروں کو کھا جاتی ہے لہذا قوت و غلبہ کے اظہار کے لئے اپنے کو قریش کہنے لگے[۵]،

قبائل قریش اور ان کے مشاہیر[۶] | قریش کے عام حالات معلوم کرنے کے قبل ان کے قبائل کی تقسیم سمجھ لینی چاہئے قریش ایک خاندان کا نام نہیں ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے دس خانوادوں پر مشتمل ہے جو سب کے سب فہر کی

---

۱ ابن اثیر جلد ۱ ص ۳۹۸ ۲ ایضاً ص ۴۰۰ ۳ ایضاً ص ۴۰۹ ۴ ایضاً ص ۴۰۸ ۵ ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۲۴ و دروس

الالف جلد ۱ ص ۷۰ ۶ قبائل قریش کی تقسیم ابن خلدون جلد ۲ از ص ۳۲۴ تا ۳۰۰ سے ماخوذ ہے،

Marfat.com

نسل سے نکلے، فہر کے تین لڑکے تھے محارب، حارث، غالب، محارب اور حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی، تاہم بعض اکابر صحابہؓ اور نامورانِ اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ ضحاک بن قیس، فرار بن خطاب کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے،

عشرہ مبشرہ میں ابو عبیدہ بن جراحؓ ان کے علاوہ عقبہ بن نافع فاتح افریقہ بانیِ شہر قیروان اور عبد الملک بن قطبی والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے،

البتہ غالب کی اولاد بہت پھلی پھولی، قریش کے دس خانوادے اس کی نسل سے تھے،

بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو نوفل، بنو عبد دار، بنو اسد، بنو تیم، بنو مخزوم، بنو عدی، بنو جمح، بنو سہم،

مشاہیر قریش | بنو امیہ خاندانِ سلاطین بنو امیہ دمشق و اندلس، ابو سفیانؓ، امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ ام المومنین ام حبیبہؓ،

بنو عدی:۔ خاندان حضرت عمر بن خطابؓ، سعید بن زیدؓ، جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے،

بنو تیم خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت طلحہؓ، عمر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن جدعان وغیرہم،

بنی عبد دار حضرت عثمان بن طلحہؓ، مصعب بن عمیرؓ،

بنی اسد زبیر بن عوامؓ، ورقہ بن نوفل، ام المومنین حضرت خدیجہؓ وغیرہ،

بنو مخزوم خالد بن ولیدؓ، عیاش بن ربیعہ، ابو جہل، ابو سلمہ، ام المومنین ام سلمہؓ،

بنو جمح صفوان بن امیہ، ابو محذورہ، موذن نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عثمان بن مظعونؓ،

بنو سہم۔ عمرو بن العاصؓ فاتح مصر،

بنو ہاشم خاندانِ رسالت، عباسؓ، حمزہؓ، مطلب، حضرت علیؓ وغیرہ،

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے، جن کو ان ہی کی شاخ

Marfat.com

سمجھنا چاہیئے

بنوزہرہ خاندان حضرت آمنہ، وعبدالرحمٰن بن عوفؓ، وسعد بن وقاصؓ۔

بنوعبدالعزیٰ خاندان ابوالعاص داماد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم،

بنوجبب خاندان عبداللہ بن عامر والیٔ عراق،

بنوامیہ اصغر،

قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے، قریش الظواہر اور قریش البطائح، قریش ظواہر، قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے، جو عام بدویوں کی طرح خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے،

قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے، اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے، تفصیل یہ ہے،

بطائح	ظواہر
بنومحارب	بنوقصی بن کلاب
بنوتیم الادرم	بنوکعب بن لوی
بنوخزیمہ بن لوی	
بنوسعد	
بنوحارث	

ایامِ قریش

عام عربوں کی طرح قریش بھی سخت جنگجو تھے، بات بات پر تلواریں نکل آتی تھیں اور ذرا ذرا سی باتوں پر قتل و غارت کا ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا، ان کی مشہور لڑائیوں میں سے بعض یہ ہیں،

Marfat.com

یوم فجار اول | یہ لڑائی قریش کنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک کنانی بنو نصر (قیس عیلان) کے قبیلہ کے ایک شخص کا قرض دار تھا، مگر تنگدستی کی وجہ سے اس کو ادا نہ کر سکتا تھا نضری قرضخواہ ایک بندر کو بازار عکاظ میں لیکر آیا، اور کنانی کو ذلیل کرنیکے خیال سے کہا کہ اس بندر کو کنانی قرض دار کی رقم کے مساوی قیمت پر کون خرید تا ہے اتفاق سے ایک کنانی ادھر سے گذر رہا تھا اس نے سن لیا، اور غصہ میں بندر پر ایسی تلوار لگائی۔ کہ وہیں ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، نضری شخص نے بنو قیس سے فریاد کی اور کنانی نے اپنے قبیلہ سے مدد مانگی، طرفین کے آدمی جمع ہوئے مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور آپس میں صلح ہوگئی، یہ واقعہ متعدد صورتوں سے بیان کیا جاتا ہے مگر نتیجہ سب کا صلح ہے[۱]،

یوم فجار ثانی | حرب فجار عرب کی سب سے بڑی اور مشہور جنگ ہے، جو عام فیل کے بیس سال بعد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے، کہ براض قبیلۂ کنانہ کا ایک شخص تھا، اس کے قبیلہ والوں نے اس کو نکال دیا، یہ اپنے قبیلہ سے نکل کر نعمان بن منذر کے یہاں آیا، نعمان بن منذر تجارت پیشہ تھا، اور ہر سال کچھ نہ کچھ مال بازار عکاظ وغیرہ میں بغرض فروخت بھیجا کرتا تھا، عکاظ کے میلہ کا زمانہ آیا، تو براض نعمان کے یہاں موجود تھا، اتفاق سے عروہ رحال بھی وہیں موجود تھا، یہ شخص سلاطین اور امراء کے درباروں میں بہت آیا جایا کرتا تھا، نعمان نے کہا، میں کچھ سامان عکاظ بھیجنا چاہتا ہوں، تم میں سے کون شخص ذمہ داری لیتا ہے، عروہ اور براض دونوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا، اور اس مسابقت میں سخت کلامی کی نوبت آگئی، مگر چونکہ عروہ زیادہ تجربہ کار تھا، اس لئے نعمان نے یہ خدمت اسی کے سپرد کی، جب عروہ مال لیکر نکلا، تو براض بھی بدلہ لینے کیلئے اس کے پیچھے ہو لیا، اور موقعہ پا کر اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا، جب عروہ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی، تو قبیلۂ قیس کے کچھ لوگ براض سے بدلہ لینے کو نکلے، مگر براض نے ان کو بھی دھوکے سے قتل کر دیا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا، اور امیہ بن حرب سے کہلا دیا کہ میں نے عروہ کو قتل کیا ہے تو قیس

---

[۱] ابن اثیر ج ۱ ص ۳۶۹،

اس کا بدلہ ضرور لین گے، اس لئے پہلے سے تیار رہنا چاہئے، امیہ کو یہ پیام عکاظ مین ملا، اس نے تمام روسائے قریش کو خبر کردی، اور پھر باہمی مشورہ سے عامر بن مالک سردار بنوقیس کے پاس ایک وفد مصالحت بھیجا، ابھی طرفین مین صلح کی گفت شنید ہو ہی رہی تھی کہ قریش کے کچھ لوگون کو یہ غلط خبر ملی کہ قریش اور بنوقیس مین جنگ ہوا چاہتی ہے، قریش یہ سنکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے، عامر بن مالک کو جب قریش کی روانگی کی خبر ہوئی تو سمجھا کہ قریش نے دھوکا دیا، اس لئے ایک جمعیت لیکر قریش کا تعاقب کیا، مکہ کے قریب مقابلہ ہوا، قریش کے پانون اکھڑنے ہی کو تھے، کہ بڑھ کر حرم مین داخل ہوگئے، اور بنوقیس واپس ہوگئے، مگر یہ کہتے ہوئے گئے کہ آیندہ سال عکاظ مین ہمارا تمھارا مقابلہ ہوگا، چنانچہ سال بھر مین دونون نے پھر تیاری کی اور حسب وعدہ عکاظ مین سخت مقابلہ ہوا، ابتداءً قریش پسپا ہو رہے تھے، لیکن ان کے عزم و ثبات نے جنگ کا رُخ بدل دیا، اور بنوقیس نے سخت ہزیمت اٹھائی، آخر مین اس شرط پر صلح ہوگئی کہ طرفین کے مقتولین شمار کئے جائین جس کے زیادہ ہون، بقدر زیادتی دوسرا اس کی دیت ادا کرے، اس جنگ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، اور آپ کا سن مبارک بیس سال کا تھا،[1]

واقعۂ فیل اصحاب فیل کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدایش کے چالیس سال قبل ہوا، اس موقعہ پر بھی بڑی ہولناک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کے عیسائی حبشی بادشاہ ابرہہ اشرم نے یمن مین ایک عظیم الشان کنیسہ تیار کرایا، اور نجاشی اور قیصر روم کو لکھا کہ مین نے ایک بے مثل کنیسہ تعمیر کرایا ہے، اور مین چاہتا ہون کہ خانۂ کعبہ کے حجاج کو اس طرف پھیر لون، عربون نے سنا تو بہت برافروختہ ہوئے، اور اسی حالت غضب مین ایک کنانی نے کنیسہ مین نجاست ڈال دی، ابرہہ کو اس حرکت کی خبر ہوئی، تو اس کے بدلہ مین خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے چلا، مکہ کے پاس پہونچکر لوٹ مار شروع کردی، قریش اور کنانہ کو معلوم ہوا تو مقابلہ کا ارادہ کیا، مگر پھر مشورہ سے طے ہوا کہ چند قریش ابرہہ کی ٹڈی دل

---

[1] ابن اثیر جلد ۱، ص ۴۴۰، ۴۴۴ [2] سیرۃ ابن ہشام، ص ۳۰، ۳۵،

Marfat.com

فوج کا مقابلہ نہین کر سکتے، اس لئے خاموش ہو رہے، مکہ کے سردار اس وقت عبد المطلب تھے، اس لئے ابرہہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم صرف خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے آئے ہین، اگر تم اس مین کسی قسم کا تعرض نہ کرو، تو خواہ مخواہ ہم کو تم سے لڑنے کی ضرورت نہین ہے، عبد المطلب خود گئے اور جا کر کہا کہ ہم مین اتنی طاقت نہین ہے کہ تمھارا مقابلہ کر سکین، خدا خود اپنے گھر کا محافظ ہے، اگر اس کو اپنی حرمت کا پاس ہوگا، تو خود ہی بچائے گا، چنانچہ اس گفتگو کے بعد عبد المطلب واپس آئے، اور قریش کو محفوظ مقامات مین بھیجدیا، اور خود مع چند قریش کے خانۂ کعبہ کی زنجیر پکڑ کر نہایت رقت انگیز دعائین مانگین، اور چلے گئے، جب ابرہہ نے حملہ کیا، تو خدا نے اپنے گھر کو اس کے شر سے بچا لیا[1]، اور اس کی فوج پر آفت آئی، سپاہیون مین چیچک کی بیماری پھیلی، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر پرندون کا جھنڈ بھیجا،

ایک جنگ قریش، کنانہ، خزاعہ اور قضاعہ مین تولیتِ حرم کے بارہ مین دو لڑائیان ہوئین، تفصیل یہ ہے کہ قصی جب مکہ مین آیا، تو حرم کے متولی بنو صوفہ تھے، قصی چند کنانی اور قضاعی اشخاص کے ساتھ عقبہ گیا، اور بنو صوفہ سے کہا کہ تولیتِ حرم کے ہم تم سے زیادہ حقدار ہین، مگر انھون نے انکار کر دیا، جس پر طرفین مین جنگ ہوئی، اور بنو صوفہ نے شکست کھائی، بنو خزاعہ نے جب یہ دیکھا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ قصی عنقریب صوفہ کی طرح ان کے اختیارات بھی سلب کر کے ان کو حرم سے الگ کر دے گا، اس لئے بنو بکر کو لے کر قصی سے علیحدہ ہو گئے، اور چاہا کہ لڑ کر قصی کو الگ کر دین، قریش کے معاون قضاعہ اور کنانہ تھے، غرضکہ دونون مین سخت جنگ ہوئی، فریقین کے ہزارون آدمی کام آئے، جب دونون خوب لڑ کر تھک گئے، تو عمرو بن عوف کنانی کو حکم بنایا، اس نے فیصلہ کیا کہ متولی قصی کو تسلیم کیا جائے، اور وہ اپنے مقتولین کا معاوضہ نہ لے، اور بنو بکر و خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرے، اس پر طرفین راضی ہو گئے،[2]

یوم ذات نکیف چونکہ قصی بنو بکر کو خانۂ کعبہ کی تولیت سے بیدخل کر کے خود متولی ہو گیا تھا، اس لئے قبیلۂ

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۰ تا ۳۵ [2] طبری ص ۱۰۹۶ تا ۱۰۹۰،

Marfat.com

بنو بکر میں قریش کے خلاف ہمیشہ رشک و رقابت کی آگ سلگتی رہی، مگر کوئی موقعہ نہ ملا، آخر کار عبد المطلب کے زمانہ میں دفعتہ یہ آگ بھڑک گئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح لڑ بھڑ کر قریش کو حرم سے نکال دیں اور جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر قریش بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے، عبد المطلب نے بنو ہون بنو حارث، اور بنو مصطلق کو جمع کر لیا، اور ذات نجف میں دونوں کا مقابلہ ہوا، بنو بکر بری طرح مغلوب ہوئے اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے[1]،

خانۂ کعبہ کی مرمت | خانہ کعبہ کی مرمت کے موقعہ پر بھی ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کی عمارت امتداد زمانہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی، دیواریں پست تھیں، چھت گر گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا، اور اس قدر اہتمام کیا تھا کہ ناجائز مال سے ایک حبہ بھی نہیں لگایا جب دیواریں اس قدر بلند ہو گئیں کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو قبائل قریش میں سخت اختلاف ہوا کہ اس کا شرف کس کو حاصل ہو، یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا کہ بنو عبد دار اور بنو عدی نے موت کا حلف لے لیا، چار دن اسی کشمکش میں گذرے آخر میں یہ طے پایا کہ صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، وہ حکم مانا جائے، حسن اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے سب نے باتفاق آپ کو حکم مان لیا، ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بے خبر تھے آپکو اطلاع دی گئی، تو آپ نے رفع شر کی بہترین صورت یہ نکالی کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا، اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر اٹھائے، غرضکہ اس عاقلانہ تدبیر سے یہ فتنہ عظیم رک گیا[2]،

قریش کی سیاسی خود مختاری

مکہ چونکہ حجاز میں تھا، اس لئے وہ عرب کے دوسرے صوبوں کی بہ نسبت زیادہ سیاسی اہمیت رکھتا

---

[1] ابن اثیر جلد ا ص ۵۰۴ [2] سیرۃ ابن ہشام

Marfat.com

تھا اور اسی اہمیت کی وجہ سے قدرۃً آس پاس کے حکمرانوں کی نظریں اس طرف اٹھتی تھیں، چنانچہ عجمی سلطنتوں میں روم اور ایران نے اور عربوں میں حمیری اور حبشی حکومتوں نے بارہا حجاز کو لینا چاہا، مگر ہمیشہ ناکام رہیں، یہاں تک کہ بعض محققین نے مکہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ مکہ "تبکک" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں نخوت اور غرور توڑنا، اور سرکشوں کی گردن جھکانا، چونکہ مکہ کی تسخیر میں بڑے بڑے جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں اس لئے اس کو بکہ کہنے لگے[1]، بہرحال مکہ اغیار کی دست برد سے ہمیشہ بچا رہا، حتی کہ وہاں خود عربوں کی حکومت بھی نہ قائم ہو سکی، اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا، کہ مکہ کے آس پاس بسنے والے قبائل میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت قائم نہ تھا، بلکہ عام غیر متمدن اقوام کی طرح ایک سردار کی ماتحتی میں زندگی بسر کرتے تھے، خاص مکہ میں جہاں بہت کچھ تمدن موجود تھا، کوئی نظام اجتماعی نہ تھا، البتہ ان کا ایک مشترک مرکز خانہ کعبہ تھا، جس کے گرد قبائل جمع ہو سکتے تھے، چنانچہ آیندہ چلکر ان منتشر قبائل نے جو کچھ بھی حکومت کی شکل اختیار کی، اس کا دار و مدار بھی خانہ کعبہ تھا، قبائل کے آزاد پسند طبائع اگرچہ کسی کے تابع فرمان ہونا عار سمجھتے تھے، تاہم متولی کعبہ کا وقار ان کی نگاہوں میں بحیثیت مذہبی پیشوا کے ضرور تھا،

قصی کا ظہور اور قریش کا اجتماع وحشت اور تمدن کی بھی طبعی عمر ہوتی ہے جس کو ختم کر کے تمدن تباہ ہوتا ہے اور وحشت تمدن کی شکل اختیار کرتی ہے، چنانچہ قریش کی بداوت کا دور ختم ہوا، اور تمدن کی بنیاد پڑی، اگرچہ شہر مکہ کے قریش ضرور کچھ نہ کچھ متمدن تھے لیکن عام طور پر ان میں بدویت ہی کا دور تھا، لیکن فہر کی پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ کی پشت میں قصی نامی ایک مدبر پیدا ہوا جس نے قریش کی کایا پلٹ دی، قصی ابھی بچہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ماں نے قبیلہ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی، قصی کی بھی نشو و نما وہیں ہوئی، جوان ہوا، تو غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا، ماں کی زبانی اپنے خاندانی وجاہت و عظمت کا حال معلوم کر کے فوراً مکہ کا رخ کیا، دادھیال والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس وقت حرم کی ولایت حلیل بن

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۳۴

87155

Marfat.com

جیشیہ خزاعی کے ہاتھ مین تھی قصی نے حلیل کی لڑکی سے شادی کرلی جب حلیل مرگیا، تو قصی کو خیال ہوا کہ قریش کے ہوتے بنوخزاعہ کو ولایتِ حرم کا کیا حق ہے چنانچہ اس نے قریش وکنانہ کو آمادہ کرکے بنوخزاعہ کو لڑکر حرم سے نکال دیا، چونکہ قصی سے زیادہ خدمتِ حرم کا اہل و مستحق کوئی دوسرا نہ تھا، اس لئے یہ معزز عہدہ اسی کے سپرد ہوا، اس سے فراغت کے بعد قصی نے دیکھا کہ قریش کے تمام قبائل منتشر ہین، کوئی پہاڑون پر بسا ہے، کوئی خانہ بدوش ہے، نہ ان مین کوئی نظام ہے، اور نہ اصول جس سے ان کی قوت بالکل ٹوٹی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے سب کو پہاڑون اور صحراؤن سے اکٹھا کرکے، ایک جگہ آباد کیا، اسی لئے اس کو مجمع بھی کہتے ہین، اب اس اجتماعی زندگی کے لئے ایک ایسی طاقت کی ضرورت تھی، جو اس کو منتظم صورت مین قائم رکھ سکے، اس لئے قصی نے ایک چھوٹی سی جمہوری حکومت قائم کی، جو باہمی مشورہ سے چلتی تھی، اس دن سے قریش کی تاریخ کا نیا دور شروع ہوا اور یہ پہلا دن تھا، جب کہ قریش کو حجاز مین سیاسی اہمیت حاصل ہوئی، تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ قصی پہلا شخص ہے جس کی اطاعت تمام قبائلِ قریش نے قبول کی، اور وہ خود اس سرزمین کا بادشاہ ہوا، [1]

قریش کا تمدن

حکومت کی بنیاد ڈالنے کے بعد سب سے پہلا اور اہم کام یہ تھا کہ فوجی اور عدالتی نظام کو علیحدہ علیحدہ منتظم صورت مین قائم کیا جائے، چنانچہ فوجی، عدالتی، اور مذہبی نظام علیحدہ علیحدہ قائم کئے گئے، اور جمہوریت کے اصول کو ہر شعبۂ حکومت مین ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ تمام شعبون مین ہر قبیلہ کے اشخاص لئے گئے، ان مین بعض بعض عہدے بہت قدیم تھے، لیکن قصی نے تمام صیغون کو ترقی دے کر بہت سے نئے عہدے بھی اضافہ کئے، ان صیغون اور عہدون کی تقسیم حسب ذیل تھی، [2]

---

[1] طبری ص ۱۰۹۹ سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۹۶، [2] عقد الفرید جلد ثانی ص ۱۳۰ مین یہ مناصب بلا ترتیب بیان کئے گئے ہین،

Marfat.com

نظام عسکری | قریش نے چار فوجی عہدے قائم کئے تھے عقاب، قبۃ، اعنۃ، سفارہ،

نام قبیلہ	توضیح	نام عہدہ
بنو امیہ	نشانِ قومی کی علمداری	عقاب
بنو مخزوم	فوجی کیمپ کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال	قبۃ
،،	فوج کی سپہ سالاری	اعنۃ
بنو عدی	قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت کرنا	سفارت

عدالتی نظام | اس کے دو شعبے تھے، حکومت و اشناق،

قبیلہ	توضیح	نام عہدہ
بنو سہم	مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ	حکومت
بنو تیم	جرمانہ خونبہا اور مالی تاوان کی نگرانی	اشناق

نظام مذہبی | قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے، جہاں حج کے موقعہ پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہوتا تھا، اس پر بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں، لاکھوں روپیہ نقد اور جنس کی صورت میں جمع ہوتا تھا، اس بناپر اس کے لئے نہایت وسیع انتظام کی ضرورت تھی، چنانچہ قریش نے اس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر کیا تھا، اور اس سے زیادہ مکمل ان کا کوئی انتظام نہ تھا، اس لئے چھ عہدے تھے، سقایہ، عمارہ، رفادہ، سدانہ، ایسار، اموال محجرہ، سقایہ اور رفادہ حجاج کے متعلق تھے، اور باقی خاص خانہ کعبہ کے متعلق،

سقایہ یعنی حج کے موسم میں لاکھوں انسانوں کو پانی پلانا، یہ اہم ذمہ داری بنو ہاشم کے سپرد تھی،

رفادہ یعنی حجاج کے خورد ونوش کا انتظام، نادار حجاج کی مالی امداد اور ان کے کھانے پینے کی خبرگیری، اس کارِ خیر کی بنیاد قصی نے ڈالی تھی، ایک دن اس نے تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ برادرانِ قریش حجاج بیت اللہ معلوم نہیں کتنی مصیبتیں اٹھا کر بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے محض زیارتِ بیت اللہ

کے خاطر آتے ہیں، اور خدا کے مہمان ہوتے ہیں، اور تم اپنے آپ کو "جیر اللہ" خدا کے پڑوسی کہتے ہو کیا تمہارا اس قدر بھی فرض نہیں کہ تم ان کی خاطر و مدارات کرو مفلسوں کو کھانا کھلاؤ، ناداروں کی مالی امداد کرو اور ہر طرح ان کی آسایش کا سامان بہم پہنچاؤ[1]، اس تقریر کا قریش پر بہت اثر ہوا، اور ہر شخص نے ایک سالانہ رقم مقرر کر دی جو حجاج پر صرف ہوتی تھی[2]، اس کا انتظام بنو نوفل کے سپرد تھا،

عمارہ۔ چونکہ قریش کی ساری عظمت خانۂ کعبہ سے تھی، اس لئے ان کو اس کی نگرانی اور دیکھ بھال بن خاص اہتمام تھا، اور اس کے لئے علیحدہ عہدہ عمارہ قائم کیا تھا جس کے منتظم بنو ہاشم تھے،

سدانہ۔ خانۂ کعبہ کی کلید برداری یا دربانی، چونکہ خانۂ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا، اور اس میں بیش قیمت سامان بھی رہتا تھا، اس لئے عموماً بند رہا کرتا تھا، صرف ضرورت کے اوقات میں کھولا جاتا تھا، اس دربانی کا شرف بنو عبدالدار کو حاصل تھا،

ایسار۔ خانۂ کعبہ میں کچھ تیر رکھے ہوئے تھے جن سے ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا، اس استخارہ کی خدمت بنو جمح کے سپرد تھی،

اموال محجرہ۔ حجاج و زائرین کعبہ بتوں پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے، اور جائدادیں وقف کرتے تھے، اس لئے اوقاف و محاصل کے انتظام کے لئے مخصوص ایک عہدہ قائم تھا جس کو اموال محجرہ کہتے تھے، اس کی نگرانی بنو سہم کے متعلق تھی،

ندوہ دار الندوہ ایک عمارت تھی جسکو قصی نے خانۂ کعبہ کے بالمقابل تعمیر کیا تھا، اس میں اہم کاموں کے وقت قریش جمع ہو کر مشورہ وغیرہ کرتے تھے، بلکہ بہت سی تقریبات بھی یہیں انجام پذیر ہوتی تھیں،

شورہ اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتا تھا، تاہم بنو اسد کا قبیلہ شورہ کیلئے مخصوص تھا بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام نہیں انجام پاتا تھا،

[1] طبری ص ۱۰۹۶، [2] ایضاً،

Marfat.com

حلف فضول | عام نظامِ عدالت کے علاوہ قریش نے انسدادِ مظالم کے لئے ایک خاص انجمن قائم کر رکھی تھی، جس کا محرک ایک واقعہ تھا، وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ مین کچھ مال بغرض فروخت لایا، جس کو عاص ابن وائل نے خرید لیا، مگر اس کی قیمت نہین ادا کی، وہ بیچارہ قبائلِ قریش مین فریاد لے کر گیا، مگر عاص ابن وائل کی وجاہت سے اس کی فریاد رسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، ایک صبح کو جب قریش خانۂ کعبہ کے گرد جمع تھے، تو اس تاجر نے چند دردناک اشعار پڑھ کر اپنی بیکسی ظاہر کی، زبیر بن عبد المطلب پر اس کا بہت اثر ہوا، اور اس نے بنو ہاشم، بنو زہرہ، بنو تیم بن مرہ کو عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین جمع کیا، اور سبھون نے حلف لے کر عہد کیا، کہ جب تک بحرِ صوفہ مین پانی روان رہے گا، اور جب تک حراء اور ثبیر[1] اپنی جگہ پر قائم رہین گے، اس وقت تک ہم سب مظلوم کی اعانت کرنا اپنا فرض سمجھین گے، جب تک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لے لین،

اس حلف کی بنیاد ایسے پاکیزہ مقاصد کیلئے رکھی گئی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

شھدت فی دار عبد اللہ بن جدعان حلفا	یعنی عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین ایسے حلف مین
لودعیت بہ فی الاسلام لاجبت،	شریک ہوا کہ اگر اس کی شرکت کی دعوت مجھکو زمانۂ اسلام مین بھی دی جائے تو قبول کرون،

قریش کا مذہب | قریش کا مذہب اگرچہ مذہبِ ابراہیمی تھا، لیکن اصنام پرستی ان مین اس قدر چھا گئی تھی کہ دینِ حنیف کے تمام خط و خال بالکل دھندلے ہو کر رہ گئے تھے، اور ان کا پہچاننا مشکل تھا، مکہ کی پاک اور مقدس سرزمین مین بت پرستی کا سب سے پہلا بانی عمرو بن لحی ہے، یہ ایک مرتبہ کسی ضرورت سے شام گیا، وہان ایک شہر مین لوگونکو بت پوجتے دیکھا، تو پوچھا کہ ان کو کیون پوجتے ہو، انھون نے کہا یہ ہمارے معبود ہین، ہم ان کی پرستش کرتے ہین، اس کے صلہ مین یہ پانی برساتے ہین، اور ہر قسم کی امداد کرتے ہین، عمرو بن لحی نے کہا، لاؤ ہم کو بھی دو، ہم اپنے

[1] حراء و ثبیر پہاڑ کے نام ہین [2] روض الانف جلد ا ص ۹۱،

Marfat.com

یہاں لیجاکر ان کی پرستش کرنے لگے، لوگوں نے ہبل نامی بت اس کو دیدیا جس کو لاکر اس نے مکہ میں نصب کیا،[1] اور لوگوں کو اس کی پرستش کی ترغیب دینا شروع کردی[2]، اس بڑے بت کے علاوہ عمرو بن لحی نے چند چھوٹے چھوٹے بت بھی خانۂ کعبہ کے گرد نصب کردیئے اور مناۃ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام قدید پر لب ساحل نصب کیا تھا[3]، غرضکہ یہ وبا عمرو بن لحی نے عام عرب میں پھیلائی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا ہے "یجر قصبہ فی النار"[4] یعنی اس کی آنتیں آگ میں گھسیٹی جاتی ہیں، قریش بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، اور ان کا بھی عام مذہب یہی بت پرستی تھا، وہ متعدد بتوں کی پوجا کرتے تھے، جن میں بعض تو قریش کے مخصوص بت تھے، اور بعض قریش اور دیگر قبائل میں مشترک تھے، چنانچہ اساف و نائلہ چاہ زمزم کے پاس نصب تھے، اور قریش کے مخصوص بت تھے، اور وہ ان کے پاس قربانی کیا کرتے تھے، ان دونوں بتوں کے متعلق قریش کا یہ اعتقاد تھا، کہ یہ قبیلۂ بنو جرہم کے مرد و عورت تھے، لیکن بعض گناہوں کے باعث پتھر کے ہوگئے،[5]

لات:- بنو ثقیف کا بت تھا، مگر قریش اور کنانہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے[6] اس کی تاریخ یہ ہے کہ لات مکہ میں ایک پتھر تھا جس پر حجاج کے لئے ستو گوندھا جاتا تھا، اور اسی نام کا ایک شخص بھی بنی ثقیف میں تھا، وہ مرگیا، تو لوگوں نے کہا کہ وہ مرا نہیں، بلکہ اپنے ہمنام پتھر میں گھس گیا ہے، اس وہم سے اس کی پرستش بھی شروع ہوگئی،

عزیٰ:- بنو غطفان کا بت تھا، مگر قریش بھی اس کی پرستش کرتے تھے، اور تبرکاً اسی کے نام پر نام رکھتے تھے، چنانچہ عبدالعزیٰ قریش کا مشہور نام ہے، یہ بت بنی غطفان کے ایک باغ میں نصب تھا، قریش برابر وہاں تحائف لیجاتے تھے اور قربانیاں کرتے تھے[7]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۴۹ مطبوعۂ مصر [2] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۶۷ [3] روض الانف جلد ا ص ۱۰۲ مطبوعۂ مصر [4] سیرۃ ابن ہشام جلد ا ص ۴۹ مطبوعۂ مصر [5] معجم البلدان جلد ۸ ص ۳۴۴ [6] معجم البلدان جلد ا ص ۳۱۰،

مناۃ:- بنو خزاعہ اور ہذیل کا بت تھا، مگر قریش لات اور عزیٰ کی طرح اس کی بھی پرستش کرتے تھے، چنانچہ طواف کرتے وقت کہا کرتے تھے "واللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری فانہن الغرانیق العلی وان شفاعتہن لترتجی" ان تینوں بتوں کو قریش خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ قیامت کے دن یہ ان کی سفارش کریں گے۔[1] اس اعتقاد کی تردید قرآن پاک میں ان الفاظ میں آئی ہے،

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ	کیا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے بت منات پر نظر کی کیا تمہارے
الْاُخْرٰی اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ	لئے بیٹے اور خدا کے لئے بیٹیاں ہیں، اگر ایسا ہے تو یہ بڑی
ضِیْزٰی اِنْ ہِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْہَآ اَنْتُمْ	غیر منصفانہ تقسیم ہے، یہ تو نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور
وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔	تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیا ہے، خدا نے ان کے
(سورہ نجم رکوع ۱)	معبود ہونے کی کوئی سند نہیں اتاری،

ہبل:- قریش کا یہ بت خانہ کعبہ کے عین وسط میں نصب تھا، اور قریش کے تمام بتوں میں سب سے معزز مانا جاتا تھا، یہ سنگ سرخ کا انسانی مجسمہ تھا، اس پر انسانی قربانیاں بھی چڑھائی جاتی تھیں چنانچہ عبد المطلب نے منت مانی تھی کہ وہ جس وقت اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھیں گے، تو ایک کو ہبل پر نذر چڑھائیں گے،[2] لڑائیوں میں ہبل کی جے پکارتے تھے، جنگ احد کے موقعہ پر جب مسلمانوں کو پسپائی ہوئی، اور دشمنوں نے مشہور کردیا کہ خدا نخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے، تو ابو سفیان نے خوشی و مسرت میں اس کی جے کا نعرہ لگایا،[3] خانہ کعبہ کے بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی، جن میں حضرت اسمعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مورتیں بھی شامل تھیں،[4] ہبل کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے جن سے شادی اور غمی وغیرہ کے موقعہ پر قریش استخارہ کیا کرتے تھے، اگر راست آتا تو وہ کام کرتے ورنہ نہ کرتے۔[5]

---

[1] معجم البلدان جلد ۸ ص ۱۶۰۔ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱۔ [3] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ احد [4] بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸۔ [5] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۵۳۔

Marfat.com

بدعاتِ حج اگرچہ قریش مذہب ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر و تبدل ہوگیا تھا کہ مذہب کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی، چونکہ حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کے بانی تھے، اس لئے حج ان کی تعلیمات میں راس العبادات تھا، قریش بلکہ پورا عرب اس فریضہ کو ادا کرتا تھا، مگر اس کے ارکان اور طریقہ ادا میں طرح طرح کی بدعات رائج کردی تھیں، اشہر حرام یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور محرم کو ضرورت کے وقت بدل دیتے تھے یعنی محرم کا نام بدل کر صفر کردیتے[۱] اور اس میں تمام وہ باتیں جائز سمجھتے، جو غیر شہر حرام میں جائز ہیں، حج کے مہینے میں عمرہ کرنا گناہ سمجھتے تھے،[۲] خاموش حج کرتے، یعنی دورانِ حج میں منہ سے نہ بولتے[۳] ایک شخص دوسرے شخص کو لگام لگا کر گھسیٹتا ہوا طواف کراتا،[۴] قریش نے اپنے کو عام حجاج سے ممتاز رکھنے کیلئے بجائے عرفات کے مزدلفہ میں ٹھہرتے،[۵] اسی پر یہ آیۃ نازل ہوئی، "ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ" (سورۂ بقرہ)

آفتاب نکلنے کے بعد افاضہ کرتے تھے،[۶] حجاج بغیر متولی کی اجازت اور اس کی ابتدا کے رمی جمار نہیں کر سکتے تھے، رمی جمار کے بعد بغیر متولی کے واپس ہوئے لوٹ نہیں سکتے تھے،[۷] طواف کے وقت "وَاللَّاتَ وَالْعُزّٰى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى فَاِنَّهُنَّ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" پڑھتے تھے، تلبیہ میں خدا کے نام کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی داخل کر لیتے تھے، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے "مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ" یعنی ان کے اکثر لوگ خدا پر ایمان بھی لاتے ہیں تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں،

قریش میں تنہا اصنام پرستی یا بدعات حج ہی نہیں رائج تھیں، بلکہ تمام وہ اخلاق ذمیمہ جن میں سارا عرب مبتلا تھا، مثلاً شراب خواری، قمار بازی، دختر کشی، عیاشی، اوہام پرستی وغیرہ وغیرہ ان سے قریش

---

[۱] بخاری جلد ۱ باب بنیان الکعبہ باب ایام جاہلیت ص ۵۴۱ [۲] بخاری جلد ۱ کتاب المناسک ص ۲۲ [۳] بخاری جلد ۱ ص ۲۲۶

[۴] ایضاً ص ۲۲۰ [۵] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۶ [۶] معجم البلدان جلد ۷ ص ۱۲۶ [۷] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۴

Marfat.com

بھی مستثنیٰ نہ تھے بلکہ علی الاعلان نہایت فخر ومباہات سے یہ کام کرتے تھے سوتیلی مان لڑکے کو بطور وراثت ملتی تھی، غرض کہ اس قبیل کی صدہا لغویتین ان مین رائج تھین تاہم ان برائیون کے ساتھ ساتھ ان مین بہت سی خوبیان بھی تھین مظلومون کی دادرسی ان کا خاص شعار تھا، حلف الفضول کا ذکر اوپر آچکا ہے جس سے قریش کے اس شریفانہ جذبہ کا بخوبی اندازہ ہوا ہوگا، مہمان نوازی تو ان کی ضرب المثل تھی، موسم حج مین ہزارون حجاج کی ضیافت کرتے تھے، نادارون کے ساتھ نقدی سلوک بھی کرتے تھے اور اس سعادت مین قریش کا ہر فرد بڑھ کا حصہ لیتا تھا[۱]، حجاج کے پاس کپڑا نہ ہوتا، تو کپڑا دیتے[۲] یہ خاطر تواضع کچھ حجاج کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عام مہمانون کے لئے بھی قریش کا دسترخوان اسی طرح وسیع تھا، ایفاے عہد مین خواہ کتنا ہی شدید جانی ومالی نقصان کیون نہ ہو مگر عہد سے نہ پھرتے تھے،

مورخ یعقوبی نے قریش کی اجمالی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے کہ مہمانون کی مہمان نوازی کرتے تھے، شہر حرام کی عظمت کرتے تھے، خواہش مظالم اور قطع رحم کو برا سمجھتے تھے، جرائم کا تدارک کرتے تھے، حرم کے احترام کا اس سے اندازہ ہوگا کہ قصی جو قریش کا سب سے بڑا محسن تھا، اور قریش پر اس کا اثر بھی کافی تھا، جب اس نے سقایہ کے خیال سے حرم کے درختون کو کاٹنا چاہا، تو تمام قریش نے انکار کردیا،

کفر وشرک کی اس عام تیرگی مین کہین کہین خداپرستی کا نور بھی پرتوفگن تھا، چنانچہ قریش مین خداپرستون کی خاصی تعداد موجود تھی، مثلاً زید بن عمرو بن نفیل زمانۂ جاہلیت مین موحد تھے، دین حنیف کی پیاس مین موسوی اور عیسوی چشمون کی طرف لپکے، مگر کہین پیاس نہ بجھی، آخر مین خانہ کعبہ مین کھڑے ہوکر خدا کو شاہد بنایا کہ خدایا مین تجھے گواہ بناتا ہون کہ مین دین ابراہیم ؑ پر ہون، وہ اس نعمت توحید کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھنا چاہتے تھے، بلکہ قریش مین اپنے عقائد کی اشاعت بھی کرتے تھے، بت کی قربانیون پر قریش کو ملامت کرتے تھے، دختر کشی کی ممانعت کرتے تھے، حتی کہ لڑکیون کو لیکر خود پرورش کرتے تھے[۳]، اس کے علاوہ قریش کے

[۱] روض الانف [۲] بخاری جلد ا ص ۵۴ [۳] یعقوبی جلد ا ص ۲۹۴ [۴] بخاری جلد ا ص ۵۴۰،

اور سعد دا شخاص بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے چنانچہ ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، زید کے ساتھ ایک مرتبہ بت خانہ میں گئے تو ان کو خیال ہوا کہ یہ بھی کیا حماقت ہے کہ ہم پتھر کو پوجتے ہیں جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی کو فائدہ نقصان پہنچا سکتا ہے[1] خود صحابۂ کرامؓ میں سعد دمثالیں ایسی ملتی ہیں، جو زمانۂ جاہلیت میں فطرتِ سلیمہ رکھتے تھے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ،

لوازم تمدن

تجارت | قریش کا پیشہ تجارت تھا، زراعت کو وہ عار سمجھتے تھے حتی کہ ابوجہل مرتے وقت بھی زراعت پیشہ لوگوں کے ہاتھ سے قتل کے عار کو نہ برداشت کر سکا[2] قریش کی تجارت کا سلسلہ بہت وسیع تھا، ان کے تجارتی قافلے ملکوں پھر کر بیوپار کرتے تھے عموماً ان کے کاروانِ تجارت سال میں دو مرتبہ جاتے تھے سورۂ قریش میں اسی کی طرف اشارہ ہے،

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ، (قریش)	تعجب ہے کہ قریش کو اپنے جاڑے اور گرمی کے سفر تجارت سے کسقدر الفت ہے، ان کو چاہیئے کہ اس گھر کے رب کو پوجیں جس نے ان کو بھوک سے بچانے کیلئے کھانا کھلایا، اور خوف سے امن بخشا،

قریش کی تجارت کو قصی نے بہت با اصول اور منتظم کر دیا تھا، نجاشی شاہ حبش اور قیصر شاہِ روم سے اجازت نامے حاصل کئے تاکہ قریش آسانی اور امن سے ان کے حدودِ حکومت میں اپنا تجارتی کاروبار پھیلا سکیں، اس زمانہ میں اگرچہ راستے پر امن نہ تھے رہزنی اور لوٹ مار عام تھی، تاہم قریش کے کاروانِ تجارت سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا، اور وہ بے خوف و خطر گھوم پھر کر اپنا بیوپار کرتے تھے اس کی وجہ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۷۶، [2] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵،

Marfat.com

یہ تھی کہ قریش حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے جیراللہ خدا کے پڑوسی کہلاتے تھے اور خانۂ کعبہ کی عظمت تمام عرب کرتے تھے اس نسبت سے وہ لوگ قریش کا بھی بہت احترام کرتے تھے اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہین کرتے تھے، قریش مین اس درجہ تجارت کا چرچا تھا کہ اس مین مرد عورت، بوڑھے جوان بچے سب اپنا سرمایہ لگاتے تھے، چنانچہ حضرت خدیجہ بیوگی کے زمانہ مین بڑے پیمانہ پر تجارت کرتی تھین بروایت ابن سعد تنہا حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت کل قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کا مال لیکر بصرے تشریف لے گئے ہین[۱]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس بھی تجارت فرماتے تھے اور آپ کی تجارت کے واقعات کتبِ احادیث مین مذکور ہین چنانچہ سائب نامی ایک شخص کی اور آپ کی تجارت مشترک تھی، اور بعد اسلام انھون نے آپ کی خوش معاملگی کی شہادت بھی دی[۲]، آپ یمن کے بازار جرش مین دو بار تشریف لے گئے، بحرین مین بھی آپ کا جانا ثابت ہے، ابو طالب بھی تاجر تھے، اکابر قریش مین ابو جہل اور ابو سفیان وغیرہ تجارت کرتے تھے[۳]، حضرت ابوبکرؓ کا بھی شغل تجارت تھا، مدینہ مین مقام سنح پر آپ کا ایک پارچہ بافی کا کارخانہ تھا[۴]، کبھی کبھی خود مال لیکر باہر تشریف لیجاتے تھے چنانچہ اسلام کے بعد بصریٰ مالِ تجارت لیکر جاتے تھے[۵]،

حضرت عمرؓ بھی تاجر تھے[۶] ان کی تجارت کا سلسلہ ایران تک پھیلا ہوا تھا[۷] اور بذات خود تجارت کے سلسلہ مین بہت آیا جایا کرتے تھے چنانچہ خود کہتے ہین کہ بہت سے ارشاداتِ نبوی مین تجارت کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے نہ سن سکا[۸]، حضرت عثمانؓ عرب کے بہت بڑے تاجر تھے، اسی بنا پر ان کو غنی کہا جاتا ہے، بنو قینقاع کے بازارون مین آپ کا کھجورون کا کاروبار تھا، زمانۂ جاہلیت مین ربیعہ بن حارث کی شرکت مین تجارت کرتے تھے[۹] حضرت علیؓ نے بھی اذخر کی تجارت کی ہے[۱۰]، ابان بن سعید قرشی بھی تاجر تھے

۱؎ سیرۃ ابن ہشام جلد۱ ص۱۰۰ ۲؎ ابوداؤد جلد۲ ص۹۱ ۳؎ ارض القرآن ص۱۳۰ جلد۲ ۴؎ ابن سعد جلد۳ ص۱۳۰ ۵؎ ابن ماجہ باب المزاح، ۶؎ مسند ابن حنبل جلد۱ ص۲۲ ۷؎ ایضاً جلد۳ ص۳۴۳ ۸؎ بخاری جلد۱ ص۳۴۳ ۹؎ مسند احمد بن حنبل ۱۰؎ اصابہ جلد۲ ص۹ ۱۱؎ بخاری جلد۱ ص۲۸۰

Marfat.com

اور شام وغیرہ جا کر تجارت کرتے تھے[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے تو ان میں ایک خط قیصرِ روم کے نام بھی تھا جب قاصد خط لیکر پہنچا تو اس وقت قریش کے تاجر وہان موجود تھے، چنانچہ قیصر نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کئے[2] غرضکہ تمام قریش تجارت پیشہ تھے چنانچہ ابن اسحاق کے الفاظ یہ ہیں کانت قریش قوماً تجاراً[3] چنانچہ قریش نے جب مسلمانوں کو حج سے روکا تو انھوں نے یہ دھمکی دی کہ ہم تمھاری شام کی تجارت روک دین گے، عرب عموماً ان چیزون کی تجارت کرتے تھے (۱) کھانے کا مسالہ اور خوشبودار جڑین (۲) سونا لوہا جواہرات (۳) خام کھالین بنا ہوا چمڑا اون پوش اور بھیڑ بکری وغیرہ،

توراۃ میں جا بجا ان چیزون کا ذکر آیا ہے، قریش بھی غالباً ان ہی چیزون کی تجارت کرتے ہون گے، بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چمڑا اور چاندی کی تجارت زیادہ کرتے تھے[4] قریش نے مہاجرین کے خلاف جو وفد نجاشی کے پاس تحفہ لیکر بھیجا، وہ تحفہ بھی یہی چمڑا تھا،[5] طبری نے لکھا ہے کہ وفیہ فضۃ کثیرۃ وھی عظم تجارتھم[6]

عرب کی دس تجارتی منڈیان تھین، ان میں قریش زیادہ تر بازار ذوالمجاز اور عکاظ میں شریک ہوتے تھے[7] زمانہ اسلام میں لوگون نے اس غرض سے حج کی شرکت کو برا جانا جس پر یہ آیت نازل ہوئی،[8]

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّکُمْ	تمھارے لئے اس مین کوئی حرج نہین (کہ زمانہ حج مین) اپنے رب کا فضل تلاش کرو
(بقرہ ۲۵)	

زمانۂ اسلام میں تجارت اور زیادہ چمکی چنانچہ مہاجرین کا زیادہ وقت بازارون میں کاروبار تجارت

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۳۶۷ [2] بخاری جلد ۱ ص ۴ [3] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۰۰ [4] مسند حنبل مسند اہل بیت [5] طبری ص ۴ ۱۳۷ [6] یعقوبی جلد ۱ ص ۳۱۳ [7] کتاب البیوع باب ما جاء فی قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض،

مین گذرتا تھا[1] اور زمانہ جاہلیت کی منڈیون مین بھی یہی چہل پہل باقی رہی، اور زمانہ اسلام مین تقریباً سوا سو برس تک یہ بازار گرم رہے، سب سے پہلے ۱۲۹؁ھ مین بازار عکاظ خارجیون کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا[2]،

علوم وفنون | یون تو شاعری اور زبان آوری کا مذاق تمام عرب مین تھا تاہم بعض مخصوص قبائل ایسے تھے، جن کی زبان معتبر اور قابلِ اسناد سمجھی جاتی تھی، ازآنجملہ قبیلۂ مضر کی زبان زیادہ معتبر تھی، ان مین بھی قریش زیادہ فصیح اللسان مانے جاتے تھے، ان کی فصاحت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ قرآن کریم جو فصاحت وبلاغت کا سرچشمہ ہے قریش کی زبان مین اترا[3]، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے فصیح اللسان ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ مین تم سب مین فصیح تر ہون، اس لئے کہ مین قریش کے خاندان سے ہون، اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے[4]، قریش مین بڑے بڑے باکمال شعرا پیدا ہوئے، بلکہ خاص بنو ہاشم مین متعدد شعرا تھے خلفاے اربعہ کو بھی شاعری کا ذوق تھا، چنانچہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین ان کے اشعار بھی نقل کئے ہین[5]، قریش مین ذوق شاعری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ رواج تھا، اگرچہ ان مین تعلیم عام نہ تھی تاہم ظہور اسلام کے وقت پڑھے لکھے اشخاص کی خاصی تعداد موجود تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، ابوعبیدہؓ، طلحہؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابوحذیفہ بن عتبہ، حاطب بن عمرو، ابوسلمہ بن عبد الاسد، آبان ابن سعید، خالد بن سعید، عبد اللہ بن سعد، ابوسفیان بن حرب، امیر معاویہؓ وغیرہم اچھی طرح پڑھنا لکھنا جانتے تھے، یہ تعلیم صرف مردون تک محدود نہ تھی، بلکہ مشہور عورتون مین ام المومنین حضرت حفصہؓ لکھنا پڑھنا جانتی تھین، اور حضرت ام سلمہؓ صرف پڑھ سکتی تھین، لکھ نہین سکتی تھین، ان کے علاوہ قریش کی غیر معروف عورتین مثلاً ام کلثوم بنت عقبہ، کریمہ بنت مقداد لکھنا جانتی تھین، عائشہ بنت سعد نے تعلیم حاصل کی تھی[6]،

رفاہ عام کے کام | قریش کی مذہبی سیادت کے علاوہ ان کے دوسرے اعمال بھی عام حجازیون سے ان کو ممتاز

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۱۴۴، [2] فتح الباری جلد ۳ ص ۳۰۴، [3] بخاری جلد ۱ ص ۴۹۴، [4] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۰، [5] کتاب العمدہ ص ۱۲-۱۴، [6] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴،

Marfat.com

کرتے تھے جس سے ان کے معاصر قبائل میں ان کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی تھی چنانچہ اہل مکہ اور اس کے قرب و جوار کے قبائل کی آسائش کے خیال سے قریش کے خاندان نے متعدد کنوئیں مختلف مقامات پر کھدوائے[1] تھے اہل مکہ کی سب سے بڑی خدمت یہی تھی کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کے لئے آب شیرین مہیا کیا جائے ان کے کنوؤں اور ان کے مالکوں کے نام کی تفصیل یہ ہے[2]۔

شہر مکہ کے اندرونی کنوئیں

نام شخص	نام کنواں	جگہ
عبد شمس	•	مکہ کے بالائی حصہ میں
ہاشم بن عبد مناف	بذر	ابو طالب کی گھاٹی پر
مطعم بن عدی	سجلہ	
بنو اسد ابن عبد العزی	سقیہ	
بنو عبد دار	ام احراد	
بنو جمح	سنبلہ	
بنو سہم	غمر	

مکہ کے بیرونی کنوئیں

مرہ بن کعب	احرم	
بنی کلاب بن مرہ	خم خم	

اسلام کا ظہور — قریش بلکہ پورے عرب پر جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ دفعتاً افقِ مکہ پر برقِ تجلی چمکی اور نورِ حق کا اجالا تمام عرب میں پھیل گیا، ابھی آفتاب رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تابِ نظارہ نہ لا سکیں اور ہر چہار جانب سے ظلم و تعدی کے بادل امنڈنے لگے کہ نورِ حق کی روشنی کو تاریکی

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۹ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۸۹

Marfat.com

میں چھپا دیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کی ابتداہی کی تھی کہ ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھنے لگے مگر سیلِ صداقت برابر پھیلتا گیا، یہاں تک کہ ریگستانِ عرب کو رشکِ گلزار بنا دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام شروع کی تو ابتداءً مشرکین نے آپ کی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہ دی، مگر رفتہ رفتہ جب اس کا حلقہ وسیع ہونے لگا، اور لوگ برابر دائرۂ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے، تو ان کو سخت تشویش پیدا ہوئی، اور اس کے استیصال کی تمام امکانی کوششیں شروع کر دیں، وہ اشاعتِ اسلام سے زیادہ پیچ و تاب اپنے مذہب اور اپنے معبودوں کی مذمت پر کھاتے تھے، پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سمجھاتے بجھاتے رہے، مگر جب آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، اور آپ کی تبلیغی سرگرمی برابر جاری رہی، تو مجبوراً ان لوگوں کو ابوطالب کی طرف رجوع کرنا پڑا، کہ وہ آپ کے کفیل تھے چنانچہ عمائدِ قریش کا ایک وفد ان کے پاس گیا، اور اپنے ارادہ سے آگاہ کیا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے سمجھدار اشخاص کو بے شعور کہتا ہے، اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم اس کو روکو، ورنہ ہمارے حوالہ کر دو، اس وقت ابوطالب نے خوش اسلوبی سے معاملہ کو رفع دفع کر دیا، مگر پھر مشرکین نے دیکھا کہ اس شکایت کا بھی کوئی اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ پڑا، اور آپ کے سابق طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے، اس مرتبہ ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سمجھایا کہ بیٹا! چچا پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ ڈالو، اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دو، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال پیدا ہوا کہ اب چچا ہماری طرف سے مدافعت نہیں کر سکتے، اور ان کی شفقت بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی، اس سے آپ بہت متاثر ہوئے، مگر اس بے بسی کے عالم میں بھی آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں پر ماہتاب رکھ دیں کہ میں اس فریضہ کو چھوڑ دوں، تو بھی نہیں چھوڑ سکتا، تا آنکہ اس میں میں ہلاک ہو جاؤں، یا کامیاب ہوں، اس جواب سے ابوطالب بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ بیٹا! جاؤ جو جی میں آئے کرو، میں تم کو کسی حالت میں نہیں چھوڑوں گا[1] جب قریش کو ابوطالب کے

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۳۹، ۱۴۰

Marfat.com

اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی، تو تیسری مرتبہ پھر آئے مگر اس مرتبہ انھون نے صاف جواب دیدیا، جب وہ لوگ اس طرف سے بالکل مایوس ہوگئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہ وثروت کا لالچ دلانا شروع کیا کہ شاید اس سے وہ باز آجائین، چنانچہ ابوالولید نے رؤسائے قریش کے مشورہ سے متعدد دنیاوی دلفریبیان آپ کے سامنے پیش کین، کہ اگر تم اپنے مذہب کی اشاعت سے مال جمع کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمھارے لئے اس قدر مال جمع کردین کہ تم ہم سب سے زیادہ دولتمند بن جاؤ، اور اگر سرداری کی خواہش ہے، تو تم کو اپنا سردار بنالین، اور اگر بادشاہی کی تمنا ہے، تو بادشاہ بنانے پر بھی تیار ہین۔

جب تمام ترغیبات ابوالولید دے چکا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب میری سنو، پھر آپ نے سورہ حٰم سجدہ کی چند آیتین تلاوت فرمائین، عتبہ نہایت خاموشی اور تاثر سے سنتا رہا، جب سن چکا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا جواب ہے،

عتبہ جب یہان سے اپنے ساتھیون مین گیا تو وہ لوگ اس کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر سرگوشیان کرنے لگے کہ یہ تو وہ عتبہ نہین معلوم ہوتے، جو یہان سے بھیجے گئے تھے، سبھون نے ماجرا پوچھا، انھون نے کہا، مین نے عجیب وغریب کلام سنا ہے، خدا کی قسم اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانون نے نہین سنا، واللہ نہ وہ جادو ہے، نہ وہ شعر ہے، اور نہ وہ کہانت ہے، میری رائے ہے، کہ تم اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو، عجب نہین کہ اس کا کلام غیبی آواز ہو، بالفرض اگر وہ کامیاب بھی ہوگیا، تو اس کی بادشاہت تمھاری بادشاہت ہے، اور اس کی عزت تمھاری عزت ہے، اور اگر وہ ناکام رہا، تو عربون کی کامیابی بھی تمھاری کامیابی ہے، عتبہ کے یہ خیالات سنکر لوگون نے کہا کہ تم اس کی زبان سے مسحور ہوگئے ہو، عتبہ نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ میری رائے ہے، آیندہ تم لوگ جو چاہو کرو[1]،

غرض جب ترغیب وترہیب کوئی چیز کارگر نہ ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح اپنے فریضہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۵۴ و ۱۵۵،

Marfat.com

سے دست کش نہ ہوئے بلکہ انہماک اور سرگرمی پہلے سے بھی زیادہ بڑھتی گئی، اور قبائلِ قریش میں مسلمانوں کا روز افزوں اضافہ ہوتا گیا، اکابرِ قریش میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ مشرف باسلام ہو چکے تو مشرکین کا جنون اور تیز ہو گیا، اور شانِ نبوت میں طرح طرح کی گستاخیاں شروع کر دیں، کوئی آپ پر خاک ڈالتا، کوئی آپ کے دروازہ پر غلاظت ڈال جاتا، کوئی آپ کے برتنوں میں گندی چیزیں ڈال دیتا، امیہ بن خلف آپ کے چہرۂ مبارک پر غلاظت پھینک دیتا، ایک مرتبہ آپ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کی گردن پر سوار ہو گیا، اور اس زور سے دبایا کہ آنکھیں نکل پڑیں، بعض مرتبہ یہ سنگ دل اس طرح سے گلا گھونٹتے کہ دم گھٹنے رہ جاتا، ایک مرتبہ قریش کچھ مشورہ کر رہے تھے، اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے، سبھوں نے دوڑ کر گھیر لیا، اور پوچھا کہ کیا تم ہی ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، ہاں میں ہی ہوں، اس پر ایک شخص نے مجمع سے نکل کر آپ کی چادر سے آپ کا گلا بڑی زور سے گھونٹنا شروع کیا، حضرت ابوبکرؓ موجود تھے، یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکے، اور رو کر فرمانے لگے کہ کیا تم ایسے آدمی کی جان صرف اس بات پر لینے کو آمادہ ہو کہ وہ خدا کو ایک کہتا ہے[1]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان قریش میں بہت معزز تھا، اس لئے ان مخالفتوں کے باوجود آپ کے بہت سے حامی موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے اکابرِ قریش جو مشرف باسلام ہو چکے تھے ان کو بھی خاندانی عظمت اور وجاہت سے زیادہ نہ ستا سکتے تھے، اس لئے سارا غصہ ان غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، اور کفار کے بس میں جو کچھ بھی تھا بھوک پیاس، مارپیٹ ہر طرح سے ان غریب و خستہ حال مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے، ان کی زندگی کی داستان صرف مارپیٹ پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ مارپیٹ کے علاوہ نئے نئے اندازِ ستم ایجاد کرتے تھے،

امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب کہ مکہ کی زمین توے کی طرح تپتی ہوتی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۵۳، بخاری باب بنیان الکعبہ باب مبعث النبی میں بھی واقعہ تھوڑے تغیر کیساتھ مذکور ہے،

Marfat.com

گرم ریت پر لٹاتا، اور سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتا، کہ جنبش نہ کر سکیں، اور کہتا، کہ محمد سے توبہ کر کے لات وعزی کی پرستش کا اقرار کرو، ورنہ یون ہی سسک سسک کر مرجاؤ گے مگر اس وقت بھی اس شیدا ے رسالت کی زبان سے احد احد کی صدا بلند ہوتی،[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ بھی بے یارو مددگار تھے، اس لئے قریش کا دست ستم ان پر بھی دراز ہوتا اور ان کو دوپہر کے وقت انگارون پر لٹاتے، پانی مین غوطہ دیتے، مگر زبان کلمۂ حق سے نہ پھرتی، ایک مرتبہ مشرکین ان کو انگارون پر لٹا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے، اور آپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ، اچھے ہونے کے بعد بھی ان کی پیٹھ پر زخم کے نشانات باقی تھے،[2]

حضرت خباب بن ارتؓ بھی مشرکین کے ظلم وستم کے شکار تھے، وہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی مظلومی کی داستان سناتے تھے کہ مشرکین انگارے دھکاتے، اور مجھکو پیٹھ کے بل لٹاتے اور ایک شخص چھاتی پر پتھر رکھ کر جنبش نہ کرنے دیتا، اور اس عذاب مین اس وقت تک مبتلا رہتا، جب تک کہ خود میرے زخمون کی رطوبت آگ کو نہ بجھا دیتی،[3]

حضرت صہیبؓ بھی ان ہی بیکس لوگون مین تھے، جن کو ستا کر مشرکین دل ٹھنڈا کرتے تھے جب انھون نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو مشرکین نے کہا کہ تو ہمارے یہان افلاس وفقر کی حالت مین آیا تھا، یہان رہ کر دولتمند ہوا، اب چاہتا ہے کہ جان مال لیکر نکل جائے، ایسا ہرگز نہین ہوسکتا، انھون نے فرمایا، اگر مین سب مال متاع تم کو دیدون تو مجھے جانے دوگے، انھون نے کہا ہان، انھون نے سارا مال حوالہ کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کی خبر سنی تو فرمایا "ربح صہیب ربح صہیب" "صہیب نفع مند رہے، صہیب نفع مند رہے،"[4]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۶۱ و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶، [2] طبقات ابن سعد جزو ثالث قسم اول ص ۱۷۷، [3] ایضاً ص ۱۱۷، [4] ایضاً ص ۱۶۲

یہ تو مردوں کی مثالیں تھیں، ان اشقیا کے دستِ ستم سے عورتیں بھی نہ بچ سکیں،

حضرت سُمیّہؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ سابقاتِ اسلام میں تھیں، ان کو ابوجہل بہت ستاتا تھا، حتی کہ نیزے سے زخمی کر کے شہید کر ڈالا،[۱]

حضرت زنیرہؓ دائرۂ اسلام میں ابتدا ہی میں داخل ہوئیں، ابوجہل ان کو بہت اذیتیں دیتا تھا، حضرت عمرؓ بھی قبل از اسلام ان کو بہت مارا کرتے تھے،[۲] ان ہی میں ایک خاتون لبینہؓ تھیں، منجملہ دیگر ضعفاے اسلام کے حضرت ابوبکرؓ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا،[۳]

یہ تمام مہاجرین ضعفاے اسلام میں تھے جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، اس لئے ان پر جو ستم ڈھائے گئے تھے جب کہ ان کی زد سے ذی وجاہت اور صاحب حیثیت لوگ نہ بچ سکے، حضرت ابوبکرؓ زمانہ جاہلیت میں خاص عمر کے تھے، اور اپنے قبیلہ میں معزز تھے، تاہم کسی مشرک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر ان کی ڈاڑھی نوچ لی،[۴]

حضرت عثمانؓ جب مشرف باسلام ہوئے، تو ان کے چچا حکم بن ابوالعاص رسی سے باندھتے، اور کہتے کہ اب بھی اس نئے دین کو نہ چھوڑو گے؟[۵]

حضرت عمرؓ نے قبل از اسلام اپنے بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اسلام پر اس قدر مارا کہ ان کے چہرے سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے،[۶] یہ مذکورۂ بالا چند واقعات مثال کے طور پر لکھ دیئے گئے، ورنہ انکی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہے،

---

[۱] اصابہ جلد ۸ ص ۱۱۴

[۲] ایضاً جلد ۸ ص ۹۱ [۳] ایضاً ص ۱۷۹،

[۴] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۲

[۵] طبقات جزو اول قسم ثالث ص ۳۸،

پہلی ہجرت
یا
مہاجرین کی پہلی جماعت

جشہ کی پہلی ہجرت مظلوم مسلمان کفار کی سختیاں سہتے سہتے عاجز آ گئے تھے، نہ وہ کفار کے خوف سے کہین چل پھر سکتے تھے، اور نہ عبادت کر سکتے تھے، اس لئے ان کو ایسی جاے پناہ کی تلاش تھی، جہان وہ کچھ اطمینان وسکون حاصل کرسکین، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا کہ تم لوگ فی الحال جشہ کو ہجرت کر جاؤ، وہان کا بادشاہ رحم دل اور منصف مزاج ہے، وہ تم کو آرام سے رکھے گا، اس قسم کے حکم کے لوگ منتظر ہی تھے، حکم پاتے ہی بڑی تعداد ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئی، اور مسلمانون کا یہ پہلا مصیبت زدہ قافلہ راہ خدا مین غریب الوطن ہوا، یہ جماعت ذیل کے اشخاص پر مشتمل تھی، حضرت عثمان بن مظعونؓ رئیس قافلہ تھے،

مرد	عورتین
حضرت عثمانؓ	حضرت رقیہؓ
حضرت ابو حذیفہؓ	حضرت سہلہ بنت سہیلؓ
حضرت زبیر بن عوامؓ	
حضرت مصعب بن عمیرؓ	
حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ	
حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ	حضرت ام سلمہؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ	
حضرت عامر بن ربیعہؓ	حضرت لیلی بنت ابی حثمہؓ

Marfat.com

مرد	عورتیں
حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضؓ حضرت سہیل بن بیضاء رضؓ حضرت حاطب بن عمرو رضؓ	

اس قافلہ کی روانگی کے بعد لوگ برابر ہجرت کرتے رہے، یہاں تک کہ حبشہ مین مسلمانون کی کافی تعداد ہوگئی، اور بہت آرام و آسایش کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر قریش مسلمانون کا آرام و آسایش کب گوارا کر سکتے تھے،

حبشہ سے مسلمانون کے اخراج کی کوشش

اس لئے نجاشی کے پاس ایک وفد ہدایا و تحائف کے ساتھ بھیجا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پناہ گزین مسلمانون کو وہان سے نکال دے، اس وفد کے ارکان مین عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، یہ دونون حبش پہنچے، اور نجاشی کے دربار مین حاضری کے قبل پہلے درباری بطریقون سے ملے، اور فرداً فرداً ہر ایک کو تحفہ دیکر کہا کہ ہماری قوم کے چند سادہ لوح لونڈون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے، جو ہمارے اور تمہارے دونون کے مذہب سے مختلف ہے، اور وہ اپنے وطن سے بھاگ کر نجاشی کی حکومت مین پناہ گزین ہوئے ہین، ہم ان کو پکڑنے آئے ہین، اس لئے آپ لوگون کی خدمت مین ہماری درخواست ہے کہ جس وقت ہم بادشاہ سلامت کے حضور مین عرض گذار ہون، تو براے مہربانی آپ لوگ ہماری تائید فرمائین، اور ان کو مشورہ دین کہ ہمارے مفرورین ہمارے حوالہ کردیئے جائین، اس کے بعد نجاشی کی خدمت مین باریاب ہوکر ہدایا پیش کئے، اور عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح لڑکون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، جو ہمارے اور آپ دونون کے مذہب سے مختلف ہے، اس لئے ہم عرض گذار ہین کہ ان کو ہمارے حوالہ کردینے کا حکم صادر فرمایا جائے، بطارقہ کو پہلے ہی ہموار کر لیا تھا، اس لئے انھون نے پرزور طریقہ سے تائید کی کہ بیشک

Marfat.com

یہ لوگ ان لڑکون کی بہ نسبت زیادہ تجربہ کار اور ان کے واقف کار ہین، اس لئے ان کا حوالہ کردینا ہی مناسب ہے

نجاشی کا جواب | نجاشی یہ درخواست سنکر بہت برہم ہوا، اور کہا کہ جب تک مین ان لوگون کو بلا کر خود تحقیقات نہ کرون گا، اس وقت تک مین اپنے مہمان اور پناہ گزینون کو ہرگز حوالہ نہین کر سکتا، البتہ اگر وہ تمھارے بیان کے مطابق ہین، تو مجھے حوالہ کرنے مین کوئی عذر نہ ہوگا، اور اگر ایسا نہین ہے تو تم لوگ کسی طرح ان کو نہین لیجا سکتے، اور وہ جب تک ہماری پناہ مین رہین گے، آزادی سے رہ سکین گے،

نجاشی کا مسلمانون کو تحقیق حال کے لئے طلب کرنا | چنانچہ نجاشی نے مسلمانون کو بلایا، چونکہ یہ واقعہ ان لوگون کے لئے بالکل نیا تھا، اس لئے بہت گھبرائے، اور سوچنے لگے، کہ کیا جواب دینا چاہئے، مگر آخر مین یہ فیصلہ کیا، کہ جو کچھ واقعہ ہے صحیح صحیح بیان کردین گے، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو،

جب یہ لوگ حاضر ہوئے، تو نجاشی نے پوچھا، کہ تمھارا کون سا دین ہے جس کے باعث تم نے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا، اور وہ تمھارا جدید مذہب ہم سب لوگون کے مذہب سے نرالا ہے؟ اس کا جواب حضرت جعفرؓ نے ایک مختصر تقریر مین دیا،

حضرت جعفرؓ کی تقریر | ایہا الملک، ہم ایک جاہل قوم تھے، بتون کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، فواحش مین مبتلا تھے، قطع رحم کرتے تھے، پڑوسیون کے ساتھ برا برتاؤ رکھتے تھے، ہمارا زبردست زیردست کو کھا جاتا تھا، ہماری یہ حالت تھی، کہ ہم مین خدا نے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا، جس کے صدق، عفاف، امانت اور نسب کو ہم جانتے ہین، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کرین، اور اپنے اور اپنے آبا کے اصنام کی پرستش چھوڑ دین، اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتون اور خونریزی سے محترز رہنے کا حکم دیا، اور فواحش سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، عفیفہ عورتون پر تہمت لگانے سے منع کیا، اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس مین کسی کو شریک نہ کرین، اور صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے

Marfat.com

اس کو مانا، اور اس پر ایمان لائے اب جب کہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی، اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی کہ پھر ہم خدا پرستی کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کر دیں[1]،

نجاشی کا آیات قرآنی سے متاثر ہونا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف

نجاشی نے کہا، خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے حضرت جعفرؓ نے کہا ہاں! نجاشی نے سننے کی خواہش کی، حضرت جعفرؓ نے کھیعص کا تھوڑا سا ابتدائی حصہ سنایا جس کو سن کر نجاشی اور اس کے درباری اسقف اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں، نجاشی نے کہا، کہ یہ اور عیسیٰ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پر تو ہیں،

وفد مشرکین کی ایک چال

اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ، یہ لوگ کسی طرح تمہارے حوالہ نہیں کئے جا سکتے، جب یہ دونوں اس طرح ناکام ہوئے تو ایک دوسری تدبیر سوچی، وہ یہ کہ نجاشی کے سامنے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کا عقیدہ دریافت کیا جائے، عیسائی ان کو ابن اللہ کہتے ہیں، اور مسلمان عبد اللہ بتائیں گے، ان کے اس عقیدہ کا اثر نجاشی پر برا پڑے گا، غرض دوسرے دن عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بہت غلط عقیدہ رکھتے ہیں، اور ان کی شان میں ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، ہمارے اس قول کی تصدیق آپ ان کو بلا کر کر سکتے ہیں یہ آزمائش پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی تاہم ان لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ قرآن میں جو کچھ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق مذکور ہے وہی نجاشی کے سامنے بیان کریں گے، خواہ اس کا نتیجہ خراب ہی کیوں نہ نکلے،

مسلمانوں کی دوبارہ طلبی اور وفد کی ناکامی

غرض کہ یہ لوگ دربار میں بلائے گئے، نجاشی نے سوال کیا کہ عیسیٰ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو، حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہماری کتاب کی رو سے وہ خدا کے بندے اور

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اص ۱۸۱ و ۱۸۲،

Marfat.com

اس کے رسول اور اس کی روح تھے، نجاشی نے زمین پر ہاتھ مار کر ایک تنکا اٹھایا، اور کہا، کہ جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰؑ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زیادہ نہیں تھے، اس پر بطارقہ بہت زیادہ چین بجبین ہوئے، اور قریش کی سفارت ناکام رہی[1]،

مہاجرین حبش کی واپسی ابھی مہاجرین حبش میں کچھ ہی دن رہے تھے، کہ ان کو اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبر ملی، اس خبر سے فطرۃً ان کو وطن لوٹنے کا شوق پیدا ہوا کہ اب وہاں بھی امن و امان نصیب ہوگا، اس خیال سے یہ لوگ مکہ روانہ ہوگئے، مگر مکہ کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی، اب یہ لوگ بڑی کشمکش میں پڑے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، لیکن بالآخر یہ سب کسی نہ کسی کی امان میں داخل ہوگئے، البتہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ دو ایک دن ٹھہر کر واپس چلے گئے،

دوسری ہجرت

حبشہ کی دوسری ہجرت مہاجرین مکہ میں قیام پذیر تو ہوگئے، مگر مشرکین مکہ ان کو کب چین لینے دیتے، بالخصوص اس وجہ سے اور جلے ہوئے تھے کہ قریش کی سفارت مہاجرین کے مقابلہ میں دربار حبش سے ناکام واپس ہوئی تھی، اور مہاجرین وہاں آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے، اس لئے پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ایذا رسانی شروع کردی، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ہجرت حبشہ کی اجازت دیدی، مگر اس مرتبہ پہلی ہجرت کی طرح آسانی سے قافلہ کا جانا دشوار تھا، کفار نے سخت مزاحمت کی طرح طرح رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں، تاہم ۸۳ مرد اور ۲۰ عورتوں کا قافلہ کسی نہ کسی طرح حبش روانہ ہوگیا[2]، اکثر کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں،

[1] یہ واقعات سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲، ۲۰۳ میں مفصل مذکور ہیں، [2] طبقات ابن سعد جزو اول قسم اول ص ۱۳۸،

Marfat.com

۱	حضرت عثمان بن عفان رض	۲۰	حضرت حاطب بن عمرو رض
۲	" ابو حذیفہ رض	۲۱	" عبداللہ بن سہیل رض
۳	" عبداللہ بن جحش رض	۲۲	" سعد بن خولہ رض
۴	" شجاع بن وہب رض	۲۳	" ابو عبیدہ بن جراح رض
۵	" عتبہ بن غزوان رض	۲۴	" سہیل بن بیضاء رض
۶	" طلیب بن عمیر رض	۲۵	" معمر بن ابی سرح رض
۷	" عبدالرحمن بن عوف رض	۲۶	" عیاض بن زہیر رض
۸	" عبداللہ بن مسعود رض	۲۷	" جعفر بن ابی طالب رض
۹	" مقداد بن عمرو رض	۲۸	" خالد بن سعید رض
۱۰	" ابو سلمہ بن عبدالاسد رض	۲۹	" معیقیب بن ابی فاطمہ رض
۱۱	" معتب بن عوف رض	۳۰	" خالد بن حزام رض
۱۲	" عامر بن ربیعہ رض	۳۱	" اسود بن نوفل رض
۱۳	" خنیس بن حذافہ رض	۳۲	" عمرو بن امیہ رض
۱۴	" عثمان بن مظعون رض	۳۳	" یزید بن زمعہ رض
۱۵	" عبداللہ بن مظعون رض	۳۴	" ابوالروم بن عمیر رض
۱۶	" قدامہ بن مظعون رض	۳۵	" خراس بن نضر رض
۱۷	" سائب بن عثمان رض	۳۶	" جہم بن قیس رض
۱۸	" ابو سبرہ بن ابی رہم رض	۳۷	" ابو فکیہہ رض
۱۹	" عبداللہ بن مخرمہ رض	۳۸	" مطلب بن ازہر رض

Marfat.com

۳۹	حضرت عتبہ بن مسعود رضہ	۵۴	حضرت تمیم بن حارث رضہ
۴۰	" شرجیل بن حسنہ رضہ	۵۵	" سعید بن حارث رضہ
۴۱	" حارث بن خالد رضہ	۵۶	" سعید بن عمرو رضہ
۴۲	" عمرو بن عثمان رضہ	۵۷	" محمیہ بن جزء رضہ
۴۳	" عیاش بن ابی ربیعہ رضہ	۵۸	" حاطب بن حارث رضہ
۴۴	" ہاشم بن ابو حذیفہ رضہ	۵۹	" خطاب بن حارث رضہ
۴۵	" ہبار بن سفیان رضہ	۶۰	" سفیان بن معمر رضہ
۴۶	" عبداللہ بن سفیان رضہ	۶۱	" خالد بن سفیان رضہ
۴۷	" معمر بن عبداللہ رضہ	۶۲	" جنادہ بن سفیان رضہ
۴۸	" عبداللہ بن حذافہ رضہ	۶۳	" نبیہ بن عثمان رضہ
۴۹	" قیس بن حذافہ رضہ	۶۴	" سلیط بن عمرو رضہ
۵۰	" ہشام بن عاص رضہ	۶۵	" سکران بن عمرو رضہ
۵۱	" ابو قیس بن حارث رضہ	۶۶	" مالک بن زمعہ رضہ
۵۲	" سائب بن حارث رضہ	۶۷	" عمرو بن حارث رضہ
۵۳	" حجاج بن حارث رضہ	۶۸	" عثمان بن عبد غنم رضہ
۱	حضرت سودہ بنت زمعہ رضہ	۵	حضرت حبیبہ بنت ابو سفیان رضہ
۲	" فاطمہ بنت علقمہ رضہ	۶	" ام سلمہ بنت ابی امیہ رضہ
۳	" عمیرہ بنت سعدی رضہ	۷	" ریطہ بنت حارث رضہ
۴	" حسنہ ام شرجیل رضہ	۸	" رملہ بنت ابی عوف رضہ

Marfat.com

۹	حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضہ	۵۱	حضرت ام حرملہ رضہ
۱۰	" سہلہ بنت سہیل رضہ	۶۱	" فاطمہ بنت مجلل رضہ
۱۱	" ام کلثوم اسماء بنت عمیس رضہ	۷۱	" فکیہہ بنت یسار رضہ
۱۲	" فاطمہ بنت صفوان رضہ	۸۱	" برکہ بنت یسار رضہ
۱۳	" امینہ بنت خلف رضہ	۹۱	" اسماء بنت عمیس رضہ
۱۴	" خزیمہ بنت جہم رضہ		

غریب مسلمانون کو خانمان برباد کرنے کے بعد بھی قریش کی آتش غضب نہ ٹھنڈی ہوئی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی حمایت کے جرم میں بنو ہاشم کا مقاطعہ کر دیا، اور ایک معاہدہ مرتب کیا، جس کی رو سے بنو ہاشم کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات جرم قرار دیئے گئے، اس ظالمانہ معاہدہ کے بعد بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے، اور تین سال تک قید و بند میں گذارے، بالآخر قریش کے ایک نرم دل آدمی ہشام بن عمرو کو بنو ہاشم کی بیکسی پر رحم آیا، اور انھون نے چند معززین کی تائید سے اس معاہدہ کو منسوخ کر کے چاک کر ڈالا، اور ہاشمیون کو قید تنہائی سے نجات ملی[1]،

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

اس معاہدہ کی تنسیخ کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی اور چہیتے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا، اس سانحہ کے تقریباً سوا مہینہ بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضہ نے بھی داغ مفارقت دیا، اور دو ڈھائی مہینہ کے اندر اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونون محافظ اٹھ گئے،

قریش کی ایذا رسانی

اب قریش کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی، ابوطالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ رضہ کا تمول اور ان کی وجاہت سب ختم ہو چکے تھے، اس لئے ان کو دل کھول کر بھڑاس نکالنے کا موقع ملا، اور انھون نے کسی ممکن ایذا رسانی سے دریغ نہ کیا، ان میں اکثر واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ایک مرتبہ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۰۳، ۲۰۵،

Marfat.com

ایک گستاخ نے مٹی لاکر فرقِ مبارک پر جھونک دی، آپ اسی حالت مین گھر تشریف لائے ایک صاحبزادی نے اس حالت مین دیکھا، تو زار و قطار رونے لگین، سر سے مٹی دھوتی جاتی تھین، اور آنسو بہتے جاتے تھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشفی دیتے تھے کہ جانِ پدر روؤ مت، خدا تمھارے باپ کو کفار کی درازدستیون سے روکنے والا ہے، اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابو طالب کی زندگی تک قریش میرے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ کر سکے[1]

تبلیغِ اسلام کیلئے طائف کا سفر

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کے جور و ستم نے سرزمین حرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تنگ کر دی، اس لئے آپ نے زید بن حارثہؓ کی معیت مین طائف کا رخ کیا، کہ شاید وہان کچھ بندگانِ خدا توحید کی صدا پر لبیک کہین، چنانچہ طائف پہنچکر سردارانِ ثقیف کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن جواب کیا ملتا ہے؟ کیا خدا نے تم کو بھیجا ہے؟ کیا خدا کو تمھارے علاوہ دوسرا پیغمبر نہین ملا؟ خدا کی قسم ہم تم سے بات نہین کر سکتے، کیونکہ اگر تم پیغمبر ہو جیسا کہ تمھارا خیال ہے، تو تم سے گفتگو کرنے مین بڑا خطرہ ہے، اور اگر جھوٹے ہو، تو قابلِ التفات نہین[2]، آپ یہ جواب سن کر ایک گونہ مایوس ہوگئے تاہم دس دن ٹھہر کر قبیلۂ ثقیف کے ایک ایک سربرآوردہ شخص سے ملے، لیکن سب نے جواب دیا کہ محمد ہمارے یہان سے نکل جاؤ اور جہان تمھاری آواز سننے والے ہون وہان جاؤ، صرف اس جواب پر اکتفا نہین کیا، بلکہ کچھ اوباشون کو لگا دیا جنھون نے ذاتِ اقدس پر سنگباری شروع کر دی، اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ کے دونون پاؤن زخمون سے چور ہو گئے، زید بن حارثہؓ آپ کو بچاتے تھے، اس مدافعت مین وہ بھی زخمی ہوئے[3]

مکہ کی واپسی اور مطعم بن عدی کی امان

غرض اس طرح آپ وہان سے مغموم و ناکام واپس ہوئے، راستہ مین زید ابن حارثہؓ نے گذارش کی کہ مکہ مین ہم کس طرح رہ سکتے ہین جب کہ قریش ہمارے نکالنے پر تلے ہوئے ہین

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۲۰ [2] ایضاً ص ۲۳۹ زید بن حارثہؓ کا نام طبقات مین ہے [3] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲،

Marfat.com

آپ نے فرمایا کہ خدا اپنے مذہب کا حافظ و ناصر ہے، وہ خود ہماری حفاظت کا سامان کریگا چنانچہ خدا نے آپ کی حفاظت کا سامان کیا، اور مطعم بن عدی نے اپنی پناہ میں لیکر عام اعلان کر دیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی، اس لئے کوئی آپ کے ستانے کا ارادہ نہ کرے، اور آپ اطمینان سے ان کے گھر میں رہنے لگے[1]،

مطعم بن عدی کا گھر اور تبلیغ اسلام | اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غیظ و غضب کا جو طوفان اٹھا تھا وہ طائف سے واپسی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ تند ہو گیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مطلق خوف زدہ اور مایوس نہ ہوئے بلکہ مطعم بن عدی کے گھر میں بیٹھ کر اور قبائل کا دورہ کر کے بدستور اشاعت اسلام فرماتے رہے اور اجتماع کا کوئی موقع ایسا نہ چھوڑا جس میں خدا کا پیغام نہ پہنچایا ہو، حج کے موسم میں حجاج کے فرودگاہوں پر بالخصوص عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں، غرض جہاں کہیں خدا کے کچھ بندے یکجا ہوتے وہاں آپ ان کے کانوں تک اس کا پیغام پہنچا دیتے، پورے دس سال تک آپ اس فرض نبوت کو نہایت جانفشانی اور تندہی کے ساتھ ادا کرتے تھے جن قبائل میں آپ نے گشت لگا کر پیغام خداوندی پہونچایا، ان کی فہرست حسب ذیل ہے[2]،

بنو عامر، بنو محارب، بنو فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، بکا، کندہ، کعب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، لیکن اس دعوت کا مشترک جواب یہ ملتا کہ آدمی کا قبیلہ اس آدمی کے حالات زیادہ جانتا ہے یعنی جب قریش نے تمہاری دعوت کو مسترد کر دیا، تو دوسرے کیوں قبول کریں گے،

تبلیغ کا اثر قبائل پر | اگرچہ عرب کے تمام قبائل میں اسلام کے خلاف یکساں فضا تھی، تاہم انفرادی طور پر ان میں ایسے نفوس صالحہ موجود تھے جن کی فطرت سلیمہ دعوت حق سننے پر مستعد تھی، اور ان کے قلب سلیم کا عارضی زنگ تھوڑی کوشش سے دور ہو سکتا تھا، چنانچہ کفر و ضلالت کے بیابان میں توحید کی آواز بالکل بے اثر نہ رہی، بلکہ بہتیرے قبائل میں اسلام کا خاصا چرچا ہو گیا، ان قبائل اور ان کے ان مقدس نفوس کا اجمالی خاکہ ذیل

---

[1] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۲، [2] زرقانی جلد ۱ ص ۳۰۹،

Marfat.com

میں درج کیا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ ہجرت سے قبل مکہ کی زندگی میں اسلام نے کن کن قبائل کو متاثر کیا۔

نام قبیلہ یا بطن	اسمائے گرامی
بنو ہاشم	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضؓ ″ جعفر بن ابو طالب رضؓ ″ علی بن ابو طالب رضؓ
موالیِ بنو ہاشم	حضرت انسہ مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ″ ابو کبشہ رضؓ ″ ″ ″ زید بن حارثہ رضؓ ″ ″
بنو مطلب	حضرت عبیدہ بن حارث رضؓ ″ طفیل بن حارث رضؓ
بنو مطلب کے حلیف	حضرت ابو مرثد غنوی رضؓ ″ مرثد بن ابی مرثد رضؓ
بنو عبد شمس	حضرت عثمان بن عفان رضؓ ″ خالد بن سعید رضؓ
بنو شمس کے حلیف	حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ ″ ابو احمد بن جحش رضؓ ″ عکاشہ بن محصن رضؓ ″ شجاع بن وہب رضؓ

Marfat.com

بنو شمس کے حلیف	حضرت عقبہ بن وہب رضؓ
بنو نوفل کے حلیف	حضرت عتبہ بن غزوان رضؓ
بنو اسد بن عبد العزی	حضرت زبیر بن عوام رضؓ
بنو اسد کے حلیف	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ
بنو عبد دار	حضرت مصعب بن عمیر رضؓ
بنو عبد بن قصی	حضرت طلیب بن عمیر رضؓ
بنی زہرہ بن کلاب	حضرت عبد الرحمن بن عوف رضؓ " سعد بن ابی وقاص رضؓ " طلیب بن ازہر رضؓ " عبد اللہ الاصفر رضؓ " عبد اللہ بن شہاب رضؓ " عامر بن ابی وقاص رضؓ " مطلب بن ازہر رضؓ
بنی زہرہ کے حلیف	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ " مقداد بن عمرو رضؓ " خباب بن ارت رضؓ " مسعود بن ربیع رضؓ " عتبہ بن مسعود رضؓ " شرجیل بن حسنہ رضؓ

Marfat.com

بنو تیم بن مرہ	حضرت ابوبکر صدیق رضؓ " طلحہ بن عبید اللہ رضؓ " عامر بن فہیرہ خادم صدیق اکبر رضؓ " حارث بن خالد رضؓ " عمرو بن عثمان رضؓ
بنو مخزوم بن یقظہ	حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد رضؓ " ارقم بن ارقم رضؓ " شماس بن عثمان رضؓ " عیاش بن ابی ربیعہ رضؓ " سلمہ بن ہشام رضؓ " ہاشم بن ابوحذیفہ رضؓ " ہبار بن سفیان رضؓ " عبد اللہ بن سفیان رضؓ
بنو مخزوم کے حلیف	حضرت عمار بن یاسر رضؓ " معتب بن عوف رضؓ
بنو عدی	حضرت عمر بن الخطاب رضؓ " زید بن خطاب رضؓ " سعید بن زید رضؓ " عبد اللہ بن عمر رضؓ

Marfat.com

بنو عدی	حضرت عمرو بن سراقہ رضؓ " نعیم النحام بن عبداللہ رضؓ " معمر بن عبداللہ رضؓ " عدی بن نضلہ رضؓ " عروہ بن ابی اثاثہ رضؓ " مسعود بن سوید رضؓ " عبداللہ بن سراقہ رضؓ
حلیف بنو عدی	حضرت عامر بن ربیعہ رضؓ " عاقل بن ربیعہ رضؓ " خالد بن ربیعہ رضؓ " ایاس بن ربیعہ رضؓ " عامر بن ربیعہ رضؓ " خولی بن ابی خولی رضؓ " مہجع بن صالح غلام عمر بن خطاب رضؓ
بنو سہم	حضرت خنیس بن حذافہ رضؓ " عبداللہ بن حذافہ رضؓ " ہشام بن عاص رضؓ " ابو قیس بن حارث رضؓ " عبداللہ بن حارث رضؓ

Marfat.com

بنو سہم	حضرت سائب بن حارث رضہ " حجاج بن حارث رضہ " تمیم بن حارث رضہ " سعید بن حارث رضہ " سعید بن عمرو رضہ
بنی جمح بن عمرو	حضرت عثمان بن مظعون رضہ " عبداللہ بن مظعون رضہ " قدامہ بن مظعون رضہ " سائب بن عثمان رضہ " معمر بن حارث رضہ " خطاب بن حارث رضہ " سفیان بن معمر رضہ " خالد بن سفیان رضہ " جنادہ بن سفیان رضہ " نبیہہ بن عثمان رضہ
بنو عامر بن لوئی	حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضہ " عبداللہ بن مخرمہ رضہ " حاطب بن عمرو رضہ " عبداللہ بن سہیل رضہ

Marfat.com

بنو عامر بن لوئی	حضرت عمیر بن عوف رضؓ " وہب بن سعد رضؓ " سلیط بن عمرو رضؓ " سکران بن عمرو رضؓ " مالک بن زمعہ رضؓ
بنو فہر بن مالک	حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضؓ " سہیل بن بیضاء رضؓ " معمر بن ابی سرح رضؓ " عیاض بن زہیر رضؓ " عمرو بن حارث رضؓ " عثمان بن عبد غنم رضؓ
بنو اسد بن عبد العزیٰ	حضرت سعید بن عبد قیس رضؓ " خالد بن خزام رضؓ " اسود بن نوفل رضؓ " عمرو بن امیہ رضؓ " یزید بن زمعہ رضؓ
بنو عبد دار بن قصی	حضرت ابو الروم بن عمیر رضؓ " فراس بن نضر رضؓ " جہم بن قیس رضؓ

Marfat.com

بنو عبد بن قصی کے حلیف	حضرت ابو نکیہہ رضہ
بنی سعد کے حلیف	حضرت محمیہ بن جزء رضہ
قبیلہ دوس	حضرت یعقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضہ " طفیل بن عمرو دوسی رئیس قبیلہ رضہ

قبیلۂ دوس کی خواہش جب کہ مکہ میں چاروں طرف مشرکین کی یورش اور دشمنانِ اسلام کا نرغہ تھا، اس وقت بھی اطرافِ مکہ کے وہ قبائل جن پر اسلام کا پرتو پڑ چکا تھا ذات نبوی کی حمایت اور امداد پر آمادہ تھے، چنانچہ قبیلۂ دوس جو مستحکم قلعہ کا مالک تھا، اس کے سردار طفیل بن عمرو نے خواہش کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپ نے انکار کر دیا[1] اسی طریقہ سے ایک ہمدانی نے آپ کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی[2] لیکن آپ بغیر حکم الٰہی کے مجبور تھے،

مدینہ کا خواب بالآخر جس چیز کا انتظار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم رویا میں اس کا مشاہدہ کرا دیا گیا، اور آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ سے کھجوروں والی زمین میں ہجرت کر رہے ہیں، اس سے آپ یمامہ یا ہجر سمجھے لیکن درحقیقت یہ یثرب کی بابرکت زمین تھی[3]،

اہل مدینہ کا قبولِ اسلام اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موسم میں حجاج میں تبلیغ اسلام فرماتے تھے، اس سلسلہ میں آپ کو چند خزرجی اشخاص ملے آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان کا آئینہ قلب اس کے پہلے ہی عکس میں توحید کے پرتو سے چمک اٹھا، البتہ ان کی تعداد اور اولیت میں اختلاف ہے کہ پہلی مرتبہ کتنے لوگ مشرف باسلام ہوئے اور وہ کون کون لوگ تھے، ان کی تعداد باختلاف روایت ۲، ۶، ۸ اور ۹ ہے لیکن ۶ کی روایت مرجح ہے اور اس صورت میں واقعہ کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موسم حج میں بنو نجار کے کچھ آدمی ملے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہود کے حلیف ہو، انھوں نے اثبات میں

---

[1] مسلم جلد ۱ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر [2] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۱۳ [3] بخاری جلد ۱ ص ۵۵۱،

Marfat.com

جواب دیا، آپ نے اسلام پیش کیا، اور قرآن کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، اور وہ لوگ مشرف باسلام ہو گئے، ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں[۱]،

حضرت اسعد بن زرارہ رضؓ	حضرت عوف بن حارث رضؓ
حضرت رافع بن مالک رضؓ	حضرت قطبہ بن عامر رضؓ
حضرت عقبہ بن عامر رضؓ	حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ

انصارؓ کی پہلی بیعت دوسرے سال موسم حج میں خزرج کے بارہ آدمی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دست مبارک پر بیعت کی، یہ بیعت جہاد نہ تھی، بلکہ چند اخلاقی باتوں کا عہد تھا، یعنی شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور بہتان سے احتراز، اور امر بالمعروف میں اطاعت، یہ لوگ جب بیعت کرکے واپس جانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم قرآن کے لئے ساتھ کر دیا، یہ وہاں امامت بھی کرتے تھے[۲]،

انصارؓ کی دوسری بیعت تیسری مرتبہ خزرجی مسلمان بہتر اشخاص اپنے ساتھ لائے اور ان سبھوں نے بیعت کی مگر یہ بیعت آسان نہ تھی، اس میں جان کی بازی تھی کہ وہ ہزاروں دشمنان اسلام کے درمیان آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت اپنے اہل و عیال کی طرح کریں گے[۳]،

عام ہجرت انصارؓ کی بیعت، اور اذن ہجرت کے بعد ستم رسیدہ مسلمانوں کے لئے بیت الامن مدینہ کی شاہراہ کھل گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں کو مژدہ سنا دیا، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد اور عامر بن ربیعہؓ نے ابتدا کی[۴] اس کے بعد مسلمان ہر طرف سے جوق در جوق اس جائے پناہ میں آنے لگے، ان کی فہرست بہت طویل ہے، اکثروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں[۵]،

[۱] ابن سعد حصہ سیرۃ ص ۱۴۸ [۲] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۴۳ [۳] ایضاً ص ۲۴۴، [۴] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۶ [۵] ناموں کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۵۸ تا ۲۶۴ سے لی گئی ہے،

Marfat.com

عبداللہ بن جحش رض	محمد بن عبداللہ بن جحش رض	زید بن حارثہ رض
ابو احمد بن جحش رض	عمر بن خطاب رض	کنانہ بن حصین رض
عکاشہ بن محصن رض	عیاش بن ابی ربیعہ رض	آنسہ رض
شجاع بن وہب رض	زید بن خطاب رض	ابو کبشہ رض
عقبہ بن وہب رض	عمرو بن سراقہ رض	عبیدہ بن حارث رض
اربد بن حمیرہ رض	عبداللہ بن سراقہ رض	طفیل بن حارث رض
منقذ بن نباتہ رض	خنیس بن حذافہ رض	حصین بن حارث رض
یزید بن رقیش رض	سعید بن زید رض	مسطح بن اثاثہ رض
سعید بن رقیش رض	عمرو بن نفیل رض	سویبط بن سعد رض
محرز بن نضلہ رض	واقد بن عبداللہ رض	طلیب بن عمیر رض
قیس بن جابر رض	خولی بن ابی خولی رض	خباب مولی عتبہ بن
عمرو بن محصن رض	مالک بن ابی خولی رض	غزوان رض
مالک بن عمرو رض	ایاس بن بکیر رض	زبیر بن عوام رض
صفوان بن عمرو رض	عامر بن بکیر رض	ابو سبرہ رض
ثقیف بن عمرو رض	عاقل بن بکیر رض	مصعب بن عمیر رض
ربیعہ بن اکثم رض	خالد بن بکیر رض	ابو حذیفہ رض
زبیر بن عبیدہ رض	طلحہ بن عبیداللہ رض	سالم مولی ابو حذیفہ رض
تمام بن عبیدہ رض	صہیب بن سنان رض	عتبہ بن غزوان رض
سنجرہ بن عبید رض	حمزہ بن مطلب رض	عثمان بن عفان رض

Marfat.com

مستورات	جذامہ بنت جندل رض	سخبرہ بنت تمیم رض
	ام قیس بنت محصن رض	حمنہ بنت جحش رض
زینب بنت جحش رض	ام حبیب بنت ثمامہ رض	ام سلمہ رض
ام حبیب بنت جحش رض	آمنہ بنت رقیش رض	

ہجرت کا سلسلہ فتح مکہ تک کیوں قائم رہا اور اس کے کیا اسباب تھے

مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کی زندگی بڑی حد تک محفوظ و مطمئن ہو گئی تھی، تاہم ہجرت عظمیٰ کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں کیا گیا، اور کچھ نہ کچھ لوگ برابر ہجرت کرتے رہے اس کے متعدد وجوہ و اسباب تھے، اول یہ کہ ابھی بہت سے ستم رسیدہ مسلمان مشرکین کے پنجۂ ظلم میں اسیر تھے، جب جب ان کی گلو خلاصی ہوتی گئی، مدینہ آتے گئے، دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لئے جو مکہ سے دور دراز مقامات پر رہتے تھے، اتنا وقت درکار تھا کہ ہجرت کے لئے ضروری انتظامات کر سکیں تیسرا اور سب سے اہم سبب یہ تھا کہ ہجرت کے بعد بھی اسلام میں اتنی قوت پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنے ان پرستاروں کے جان و مال کی پوری حفاظت کر سکے جو مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر رہتے تھے اور یہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ مشرکین کی قوت نہ ٹوٹ جائے، اور ان کا سب سے بڑا قلعہ اور مرکز مکہ مکرمہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ آ جائے، اس لئے ہجرت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہا، جب تک خانۂ کعبہ پر توحید کا علم نصب نہ ہو گیا، اور ہجرت عظمیٰ کے بعد سے فتح مکہ تک برابر مسلمان آتے رہے چنانچہ غزوۂ خیبر کے قبل تک جو فتح مکہ کے کچھ ہی دن پیشتر ہوا قابلِ ذکر اشخاص میں حضرت سعد بن عامر رض بن خدیم رض، حجاج بن علاط اور عوف بن مالک اشجعی رض آئے، پھر عین غزوۂ خیبر کے موقع پر مہاجرین حبش کا دوسرا قافلہ مدینہ آ گیا، ان سب کے نام اوپر لکھے جا چکے ہیں، پھر فتح مکہ کے کچھ دن پہلے مسلمانوں کی کافی تعداد آئی جن میں ذیل کے اشخاص قابلِ ذکر ہیں، حضرت عمرو بن عاص رض، خالد بن ولید رض، مغیرہ بن شعبہ رض، سلمہ بن اکوع رض ابو ہریرہ دوسی رض، عبداللہ بن ابی اوفیٰ رض، ربیعہ بن کعب اسلمی رض، سلیمان بن صرد رض، اور یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم

Marfat.com

رہا، فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ

لا ھجرۃ بعد الفتح ولا جھاد ونیۃ[1] — فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ہے،

کیونکہ اب اسلام کو کل عرب میں امن وامان حاصل ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کسی خاص دارالامان کی ضرورت نہیں تھی،

مہاجرین رضؓ کے فضائل ومناقب

کلام اللہ اور مہاجرین انسان کے لئے تھوڑی عرصہ تک مصائب برداشت کرلینا زیادہ دشوار نہیں ہے کچھ دنوں کے لئے وہ مالی نقصان بھی اٹھا سکتا ہے، جسمانی اذیتیں بھی برداشت کرسکتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جان بھی دے سکتا ہے، مگر جیتے جی ہمیشہ کے لئے خویش واقارب، اہل وعیال اور مال ودولت سب چھوڑ کر جلاوطنی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا، مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سب سے بڑا امتیاز، سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کیلئے اپنے وطن، اپنے اہل وعیال، اور اپنے مال وجائداد سب کو چھوڑ کر بے خانماں ہوئے، یہ وہ جذبہ فدویت ہے جس کی مثال مذاہب عالم کے تاریخی صفحوں میں نہیں مل سکتی، جب وہ گھر سے بے گھر ہوئے، تو ان کے جیب ودامن مال ودولت کے زخارف سے خالی تھے، کھانے پینے تک کا سہارا نہ تھا، نہ کپڑا تھا، نہ غلہ تھا، غرض وہ ہر قسم کی مادی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن ان کے دل ایمان، خدا اور رسول کی محبت، اور ولولہ مذہب کی دولت سے معمور تھے اور اس نے ان کو تمام مزخرفات دنیوی سے بے نیاز کردیا تھا،

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر وما یجب من الجہاد،

Marfat.com

خدا نے ان کے یہ تمام صفات قرآن پاک میں خود بیان فرمائے ہیں چنانچہ سورہ حشر میں مہاجرین رضا کی یہ خصوصیات شمار کرائی گئی ہیں،

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (حشر ع ۱)

(مالِ غنیمت میں) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہوتا ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائداد و دولت سے محروم کردیئے گیے اور خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں، اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہ ہیں راست باز لوگ،

ان کے اقوال و افعال یہ تھے،

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (حج ع ۶)

وہ لوگ اپنے گھروں سے ناحق اس جرم میں نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹوا دیتا تو کلیسے اور گرجے اور عبادت خانے اور مسجدیں جنمیں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے گرا دیئے جاچکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کریگا، اللہ ضرور اسکی مدد کریگا، بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے، یہ لوگ (مہاجرین) اگر ہم انکو حکومت دیکر زمین پر قادر کردیں تو یہ نماز پڑھیں گے زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کام کیلئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے اور انجام خدا ہی کیلئے ہے

ان کی قربانیوں کے صلہ میں دنیا اور آخرت کی سب سے گرانبہا نعمت ان کو حاصل تھی یعنی رضائے الٰہی اور اس کی رحمت و درجات اور مراتب کے اعتبار سے بھی وہ خدا کے نزدیک سب سے بلند تر تھے،

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (توبہ ع ۲)	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں، ان کا رب ان کو اپنی خوشنودی اور رحمت اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسایش ہے اور یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے،

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کے علاوہ ان کی شان یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ میں لٹاتے ہیں،

ایک دوسری آیت میں نہ صرف مہاجرین کے لئے بلکہ مہاجرین کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے بھی اس خوشنودی کا مژدہ سنایا گیا ہے،

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (توبہ ع ۱۳)	اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام میں سبقت کی اور وہ لوگ جنھوں نے خلوص قلب سے ان کا اتباع کیا، خدا ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں، اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے،

ایمان والوں کی شان یہ ہے، کہ وہ رحمت الٰہی سے ناامید نہیں ہوتے اس لئے مہاجرین ہمیشہ اسکی رحمت کے امیدوار رہتے تھے،

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور راہ خدا میں

Marfat.com

أُولٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
(بقرع ۲۷)

جہاد کیا یہی لوگ خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے،

خدا ان کی اس امید رحمت کو اس طرح پورا کرے گا کہ ان کے تمام گناہوں سے درگذر کرے گا، اور ان کی خطائیں ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دے گا،

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
(آل عمران ع ۲۰)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے وطن سے نکالے گئے، اور میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائے گئے، اور لڑے اور مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو مٹا دیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی،

خدا ان کی اس خانہ بربادی کے صلہ میں ان کو دنیا میں بھی بلند مرتبہ کرے گا، اور آخرت میں بھی سرفراز فرمائے گا،

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝
(نحل ع ۶)

اور جن مسلمانوں نے اپنی مظلومیت کی وجہ سے ہجرت کی ان کو ہم دنیا میں ضرور اچھی جگہ بٹھائیں گے، اور آخرت کا اجر اس سے بہت بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے،

مہاجرین نے راہ خدا میں تمام شدائد اٹھائے جلا وطن ہوئے، ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر ابرو پر شکن تک نہ آئی، اور نہ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، خدا نے ان کو اس استقامت اور صبر کا صلہ دیا،

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ

پھر خدا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد گھر بار چھوڑا، اور جہاد کیا، اور ان کی

Marfat.com

مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (نحل ع ۱۴)

تکلیفون پر) صبر کیا، بیشک تمھارا خدا (ان امتحانون کے بعد) بخشنے والا مہربان ہے،

سورۂ حج مین ایک موقع پر اپنے انعام و اکرام کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے،

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ (حج ع ۸)

جن لوگون نے خدا کی راہ مین ہجرت کی، پھر شہید ہوگئے یا مرگئے، ان کو ضرور خدا اچھا رزق دے گا، بیشک خدا ہی روزی دینے والون مین بہتر روزی دینے والا ہے، وہ ان کو ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ لوگ خوش ہوجائین گے،

تنگدستی و عسرت کے وقت جب کہ تمام رشتہ داریان منقطع ہوجاتی ہین اور احباب کنارہ کش ہوجاتے ہین، مہاجرین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، خدا نے اس کے عوض مین ان پر اپنا یہ فضل کیا،

لَقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (توبہ ع ۱۴)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین وانصار پر اپنا فضل وکرم کیا جنھون نے عسرت کی گھڑیون مین نبی کا ساتھ دیا،

خدا نے صرف اپنے فضل وکرم پر اکتفا نہ کیا، بلکہ صاحب مقدرت مسلمانون کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خطاؤن سے درگذر کرنے کی ہدایت فرمائی، اور اس کو موجب مغفرت قرار دیا،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ط أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ

تمھارے صاحب فضل اور صاحب مقدور لوگ قرابت والون اور محتاجون اور مہاجرین فی سبیل اللہ کی مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھالین، بلکہ چاہیے کہ ان کی خطائین معاف کردین، اور ان سے درگذر کرین، کیا تم نہین

Marfat.com

ترجمہ — چاہتے کہ خدا تمھاری مغفرت کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (نور ع ۳)

ہجرت اخلاص فی الاسلام کی علامت اور ایمان کی کسوٹی ہے، اس سے مومنین اور منافقین مین امتیاز ہوتا ہے، بغیر ہجرت ان پر اعتماد کی اجازت نہین،

فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (نساء ع ۱۱)

جب تک یہ لوگ (منافقین) خدا کی راہ مین ہجرت نہ کر جائین اسوقت تک ان مین سے کسی کو دوست نہ بناؤ،

مسلمانون مین صرف وہی ایک دوسرے کے دوست ہین جنھون نے راہ خدا مین گھر چھوڑے، اور اس کے راستہ مین جانی ومالی جہاد کیا، یا جنھون نے مہاجرین کی امداد کی،

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (انفال ع ۱۰)

جو لوگ ایمان لائے، اور انھون نے ہجرت کی، اور راہ خدا مین اپنی جان ومال سے جہاد کیا، اور جن لوگون نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہین،

وراثت کے لئے تنہا ایمان کافی نہین، بلکہ ایمان کے ساتھ ساتھ ہجرت بھی نہایت ضروری ہے، ورنہ وارث مورث کی وراثت نہین پاسکتا،

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا (انفال ع ۱۰)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہین کی، تو تم کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہین، جب تک وہ ہجرت نہ کر جائین،

ایمان کی پختگی کا دارومدار ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے،

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھون نے ہجرت کی،

Marfat.com

فی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ (انفال ع ۱۰)

اور خدا کے راستہ میں جہاد کیا، اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ پکے ایمان والے ہیں، اور ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے،

احادیث نبوی قرآن کے علاوہ احادیث میں بھی ہجرت کی اہمیت اور مہاجرین کے فضائل کا کافی ذخیرہ موجود ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقعہ پر مہاجرین کی فضیلت اس پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں

ولا الهجرة لكنت امرأ من الانصار[1]

اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا،

ہجرت حفاظتِ دین کی خاطر کی جاتی تھی،

فقالت لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احدهم بدينه الى الله ورسوله[2]

حضرت عائشہ رضی نے فرمایا کہ اب ہجرت کا حکم منسوخ ہوگیا یہ مومنین کے لئے اس وقت تھی جب وہ اپنے دین کو بچانے کے لئے خدا اور اس کے رسول کی طرف فتنہ کے خوف سے بھاگ کر پناہ گزین ہوتے تھے،

ہجرت کا معاملہ نہایت سخت ہے، اور وہی لوگ اس کو کر سکتے ہیں، جو اپنے ایمان و اعتقاد میں نہایت سخت ہوں،

جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسأله عن الهجرة فقال ويحك ان الهجرة شانها شديد[3]

ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ہجرت کے بارہ میں سوال کیا، آپ نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے، ہجرت بہت ہی سخت ہے،

ہجرت کا ثمرہ نیت پر ہے،

عن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمر رضی نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبۃ باب ہجرۃ النبی [2] ایضاً [3] بخاری جلد اص ۵۵۴

Marfat.com

يقول الاعمال بالنية فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امرأة يتزوجها فهجرته الى ماهاجر اليه ومن كانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسولہ[1]	ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، پس جس کی نیت ہجرت دنیا کے لئے یا کسی عورت سے شادی کی نیت سے ہوگی، تو یہ ان ہی چیزوں کے لئے ہوگی، اور جو ہجرت اللہ و رسول کے لئے ہوگی، اس کا اللہ و رسول کی خوشنودی میں شمار ہوگا،

اور صحابۂ کرامؓ کی ہجرت جاہ و دولت کے لئے نہ تھی، بلکہ جس چیز کے لئے تھی، اس کو خود حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں،

كنا هاجرنا مع رسول الله صلعم نبتغي وجه الله فوجب اجرنا على الله[2]	ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ خالصۃً لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، اس لئے ہم اجر کے مستحق ہوگئے،

چونکہ مہاجرینؓ اپنے وطن کو خالصۃً لوجہ اللہ چھوڑتے تھے، اس لئے دوبارہ اس زمین میں رہنا اور مرنا تک گوارا نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت سعدؓ ہجرت کے بعد کسی ضرورت سے مکہ آئے اور وہاں آکر بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہوئی، تو محض اس خیال سے زیادہ پریشان تھے کہ مکہ ہی میں انتقال نہ ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ آپ خود بیان کرتے ہیں،

عن سعد بن ابي وقاص قال جاءني النبي صلى الله عليه وسلم يعودني وانا بمكة وهو يكره ان يموت بالارض التي هاجر منها[3]	حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو مکہ تشریف لائے، اور آپ اس مقام پر موت کو ناپسند فرماتے تھے، جہاں سے ہجرت کی گئی ہو،

اسی حدیث میں اس موقع پر ایک روایت میں ہے کہ خود حضرت سعدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بخاری جلد ۱، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینہ [2] ایضاً [3] بخاری جلد اول ص ۳۸۳،

Marfat.com

سے دعائے صحت کی درخواست کی تاکہ ان کی ہجرت ناکام نہ رہ جائے،

قال مرضت فعادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ادع اللہ ان لا یردنی علی عقبی[1]

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے میں نے درخواست کی کہ حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا مجھ کو الٹے پاؤں نہ لوٹائے،

اس درخواست پر آپ نے یہ دعا فرمائی،

اللھم امض لاصحابی ھجرتھم ولا یردھم علی اعقابھم[2]

خدایا میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے، اور ان کو الٹے پاؤں نہ لوٹا،

اکابر اصحابؓ ہجرت کو اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ فخریہ فرماتے تھے، کہ "ھاجرت الھجرتین الاولیین"[3]،،

مہاجرین قیامت کے دن عام مسلمانوں سے ممتاز اور آفتاب کی طرح تاباں ہوں گے،

عن ابن عمر قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما حین طلعت الشمس فقال سیاتی ناس من امتی یوم القیمۃ نورھم کضوء الشمس قلنا من اولئک یا رسول اللہ فقال فقراء المھاجرین تتقی بھم المکارہ یموت احدھم وحاجتہ فی صدرہ یحشرون من اقطار الارض[4]

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ ایک دن ہم لوگ طلوع آفتاب کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ ایسے اٹھیں گے کہ جن کا نور ضیائے شمس کے مماثل ہوگا، ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے فرمایا فقراء مہاجرین جن کے ذریعہ سے مصیبتوں کا تحفظ کیا جاتا ہے اور اپنی حسرتیں اور تمنائیں سینوں میں لئے ہوئے دنیا سے اٹھتے ہیں یہ لوگ مختلف اقطاع عالم سے اٹھائے جائیں گے،

---

[1] بخاری جلد اول ص ۴۸۳ [2] بخاری باب ہجرۃ الحبشہ [3] ایضاً [4] کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۳

Marfat.com

مہاجرین کے لئے عام مسلمانوں سے مدتوں پہلے جنت کے دروازے کھل جائیں گے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتعلم اول زمرۃ تدخل الجنۃ من امتی فقراء المہاجرین یاتون یوم القیامۃ الی باب الجنۃ ویستفتحون فتقول لھم الخزنۃ وقد حوسبتم قالوا بای شیء نحاسب وانما کانت اسیافنا علی عواتقنا فی سبیل اللہ حتی متنا علی ذالک فیفتح لھم فیقیلون فیھا اربعین عاما قبل ان یدخلھا الناس[1] (مسند ابن عمر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میری امت کے اس زمرے کے لوگوں کو جانتے ہو، جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا، وہ فقراء مہاجرین ہوں گے قیامت کے روز وہ جنت کے دروازہ پر آکر بابِ جنت کھلوانا چاہیں گے دربان سوال کریں گے کہ کیا تمہارا حساب ختم ہو چکا، وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہمارا کس چیز کا حساب ہوگا، خدا کے راستہ میں ہماری تلواریں ہمارے زیبِ بردوش رہیں، اور اسی آن کے ساتھ جان دی، اس کے بعد جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اور عام لوگوں کے داخلہ سے چالیس سال قبل وہ لوگ اس میں آرام کریں گے،

مہاجرین کسی حالت اور کسی وقت میں بھی اسلام کی خدمت سے پہلو تہی نہ کرتے تھے، فاقہ پر فاقے ہوتے، مگر ان کی جانفروشیوں میں فرق نہ آتا، غزوۂ خندق کے موقعہ پر علی الصباح کڑکڑاتے جاڑوں میں خالی پیٹ خندق کھودتے تھے، چنانچہ اسی موقعہ پر ایک دن صبح سویرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو یہ منظر دیکھا،

قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الخندق فاذا المہاجرون والانصار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف گئے تو آپ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی کی صبح میں خندق کھود رہے

---

[1] کنز العمال جلد ۷، ص ۱۳۰۲

يحفرون في غداة باردة فلم يكن لهم عبيد يعملون ذلك فلما رأى ما بهم من النصب والجوع | ہیں اور ان کے پاس کوئی نوکر چاکر نہیں کہ اس کام کو کرے، اور ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھ کر

یہ دعا فرمائی،

اللهم ان العيش عيش الآخرة فاغفر للانصار والمهاجرة[1] | خدایا اصل عیش آخرت کا عیش ہے، مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما،

ان فضائل کے علاوہ مہاجرینؓ کی ایک نمایاں فضیلت یہ تھی کہ ان کا دامن نفاق کے داغ سے پاک وصاف تھا، اس لئے منافق وہ لوگ تھے جو در پردہ تو اسلام کے دشمن تھے مگر خوف سے اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے، یا وہ تھے جو مال ودولت کی طمع میں مسلمان ہوئے تھے یا وہ تھے جو خوف سے اسلام لائے تھے، اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام ان تینوں چیزوں کی آمیزش سے پاک تھا، اس لئے کہ جب یہ لوگ مشرف باسلام ہوئے، اس وقت اسلام بالکل ابتدائی حالت میں تھا، نہ اس کے پاس مال وزر تھا، نہ قوت وحکومت تھی بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان کی جان اور ان کا مال خود خطرہ میں پڑ گیا تھا، اس لئے ان کا اسلام خالصۃً للہ تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سیزدہ سالہ زندگی میں مسلمان تعداد اور قوت دونوں حیثیتوں سے کفار کے مقابلہ میں ضعیف تھے، اس لئے وہ مسلمانوں کا مقابلہ اپنی قوت کے بل پر کرتے تھے، اس لئے ان کی دوستی اور دشمنی دونوں کھلی ہوئی تھیں،

اس کے برعکس مدینہ میں انصارؓ کے علاوہ کچھ لوگ تو خوف سے اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے اور کچھ لوگوں نے مال وزر کی طمع میں اسلام قبول کیا، اس کے علاوہ جن لوگوں کے اقتدار کو اسلام سے صدمہ پہنچا تھا وہ در پردہ تو ان کے مخالف تھے مگر علی الاعلان اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمانوں

[1] بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق،

Marfat.com

مین کافی طاقت آچکی تھی، خود انصار ان کے پشت پناہ تھے چنانچہ عبداللہ بن ابی وغیرہ اسی قسم کے لوگون مین تھے، اس لئے مکی سورتون مین کہین نفاق ومنافقت کا تذکرہ نہین ہے، اور مدنی سورتون مین اس کا بکثرت ذکر آتا ہے، نسآء، توبہ، انفال، احزاب، حدید اور فتح مدنی سورتین ہین اور ان سب مین مذمت کے ساتھ نفاق کا ذکر ہے، سورہ منافقون مخصوص طور پر ان کی پردہ دری مین نازل ہوئی ہے، سورہ توبہ مین بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ان کی نفاق آمیز دوستی کا راز فاش کیا گیا ہے،

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ،

(توبہ ع ۱۲)

دیہاتی بدو کفر اور نفاق مین بہت سخت ہین، اور یہ اسی لائق ہین کہ خدا نے اپنے رسول پر جو اتارا ہے، اس کے احکام کو نہ جانین اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے، دیہاتیون مین کچھ ایسے بھی ہین کہ جو کچھ خدا کی راہ مین صرف کرتے ہین اسکو تاوان سمجھتے ہین اور تم مسلمانون پر گردش زمانہ کے منتظر ہین سو ان ہی پر بری گردش ہوگی اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے

خداوند تعالیٰ نے دوسرے موقع پر مدینہ کی بھی صراحت کردی ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ اَلِيْمٍ،

(توبہ ع ۱۳)

اور مسلمانو! تمھارے آس پاس کے دیہاتیون مین منافق ہین اور خود مدینہ والون مین جو نفاق پر اڑے ہوئے ہین ان کو تم نہین جانتے ہم ان کو جانتے ہین عنقریب ہم انکو دوہرا عذاب دینگے پھر بڑے عذاب کیطرف لوٹائے جائینگے

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ مین مہاجرین کی اس فضیلت کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے کہ "امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کہتے ہین کہ مہاجرین مین کوئی منافق نہ تھا بلکہ نفاق انصار کے

قبیلوں میں ظاہر ہوا جب مدینہ میں اسلام کا غلبہ ہوا اور اس میں اوس وخزرج کے قبیلے داخل ہوئے اور مسلمانوں کو ایک ایسا محفوظ گھر مل گیا جس کے ذریعہ سے وہ اپنی حفاظت کرنے اور لڑنے پر قادر ہوگئے تو مدینہ کے باشندے اسلام میں داخل ہوگئے اور اس کے قرب وجوار کے اعراب خوف اور جان بچانے کیلئے اسلام لائے، یہ لوگ منافق تھے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ، اسی لئے نفاق کا ذکر مدنی سورتوں میں ہے، مکی سورتوں میں نہیں ہے، کیونکہ جو لوگ ہجرت کے قبل مکہ میں اسلام لائے تھے، ان میں کوئی منافق نہ تھا اور جن لوگوں نے ہجرت کی ان میں بھی کوئی منافق نہ تھا بلکہ یہ سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تھے، اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے تھے، اور اللہ اور اس کا رسول ان کو ان کے اہل وعیال اور ان کے مال ودولت سے زیادہ محبوب تھا،

شاہ معین الدین احمد ندوی ۱۰؍ جولائی ۳۸ء

دار المصنفین اعظم گڈھ

له منہاج السنہ جلد ۴ ص ۸۳،

Marfat.com

حضرت زبیر بن العوامؓ

نام، نسب، خاندان

زبیر نام، ابو عبد اللہ کنیت، حواری رسول اللہ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی الاسدی، حضرت زبیرؓ کا سلسلۂ نسب قصی بن کلاب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ سرور کائنات کی پھوپھی تھیں، اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بھی حقیقی بھتیجے تھے، اور حضرت صدیقؓ کے داماد ہونے کے سبب سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساڑھو بھی تھے، اور اس طرح ذات نبوی کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں،

حضرت زبیرؓ ہجرت نبوی سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے ابتدا ہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہوکر ایک عالی حوصلہ، بہادر، اولو العزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انھیں مارا پیٹا کرتیں، اور سخت سے سخت محنت ومشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں، ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہؓ پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالوگی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہ کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہؓ نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا[1]

من قال انی ابغضہ فقد کذب   انما اضربہ لکی یلب

[1] ابن سعد اصابہ تذکرہ زبیرؓ

جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں، اس نے جھوٹ کہا، میں اس کو اس لئے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو،

ویھزم الجیش ویاتی بالسلب الخ

اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے،

اس تربیت کا یہ اثر تھا کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انھوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، لوگ اسے لاد کر شکایۃً حضرت صفیہؓ کے پاس لائے، تو انھوں نے معذرت و عفو خواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیرؓ کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل،[1]

اسلام — حضرت زبیرؓ صرف سولہ برس کے تھے کہ نور ایمان نے ان کے خانۂ دل کو منور کر دیا،[2] بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں،

حضرت زبیرؓ اگرچہ کمسن تھے لیکن استقامت اور جاں نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے، قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا، کہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سنکر جذبۂ جان نثاری سے اس قدر بیخود ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچ کر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانۂ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا، زبیر! یہ کیا ہے؟ عرض کی مجھے معلوم ہوا تھا کہ خدانخواستہ حضور گرفتار کر لئے گئے ہیں، سرور کائنات نہایت خوش ہوئے، اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی، جو راہ فدویت و جاں نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی،[3]

ہجرت — عام بلاکشان اسلام کی طرح حضرت زبیرؓ مشرکین مکہ کے پنجۂ ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم

[1] اصابہ جلد ۲ تذکرہ زبیرؓ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۵۹ [3] اسد الغابہ تذکرہ زبیر بن العوام رض

Marfat.com

ہوکر اور بھی سختی شروع کی، یہان تک کہ چٹائی مین لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا، کہ دم گھٹنے لگتا، لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے "کچھ کرو، اب مین کافر نہین ہوسکتا"[1]

غرض مظالم وشدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنون کے بعد وہان سے واپس آئے تو خود سرور کائنات ؐ نے مدینہ کا قصد کیا، اس لئے انھون نے بھی یثرب کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا،

مواخات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مین حضرت طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا لیکن جب مدینہ پہونچنے کے بعد انصار ومہاجرین مین تعلقات پیدا کرنے کے لئے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاریؓ سے رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ مین شریک تھے،

غزوات غزوات مین ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا، حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ مین نہایت جانبازی ودلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفین تہ وبالا کر دیتے تھے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہوکر مبارزت چاہی، حضرت زبیرؓ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے، اور دونون قلا بازیان کھاتے ہوئے نیچے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونون مین جو سب سے پہلے زمین پر رسے گا، وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا، اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا، جو سر سے پاؤن تک زرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونون آنکھین کھلی ہوئی تھین، حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس زور سے آنکھ مین نیزہ مارا، کہ اس پار نکل گیا، اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ کو نکالا، پھل ٹیڑھا ہوگیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور یادگار حضرت زبیرؓ سے اس نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفاء مین تبرکاً منتقل ہوتا رہا، یہان تک خلیفۂ ثالثؓ کے بعد حضرت

---

[1] اصابہ جلد ۲ تذکرہ زبیرؓ و کنز العمال جلد ۶ ص ۴۱۶،

Marfat.com

زبیرؓ کے وارث حضرت عبداللہؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا،

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے، تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لئے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے، [1]

معرکۂ بدر میں حضرت زبیرؓ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اسی وضع میں آئے ہیں [2] غرض مسلمانوں کی شجاعت وثابت قدمی نے میدان مار لیا، حق غالب رہا، اور باطل کو شکست ہوئی،

غزوۂ احد — ۳ھ میں معرکۂ احد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کھینچکر فرمایا، کون اس کا حق ادا کریگا؟ تمام جان نثاروں نے بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہ انصاریؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا، [3]

جنگ احد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیانِ دین کے پاؤں متزلزل ہو گئے، یہاں تک کہ شمع نبوتؐ کے گرد صرف چودہ صحابہؓ پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا، [4]

غزوۂ خندق — ۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اس حصہ پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں، [5]

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن اسی عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کے لئے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا، کون اس قوم کی خبر لائے گا؟ حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کی کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا "ہر نبی کے لئے حواری

---

[1] بخاری باب غزوۂ بدر [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۱۶ [3] زرقانی جلد ۲ ص ۳۳ [4] ایضاً [5] مسند جلد ۱ ص ۱۶۴،

Marfat.com

ہوتے ہیں، میرا حواری زبیر ہے[1]، اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تنہا آمدورفت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا فداک ابی و امی یعنی میرے باپ ماں تم پر فدا ہوں،[2]

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کئے رہے لیکن پھر کچھ تو ارضی و سماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات و استقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے،

غزوۂ خیبر غزوۂ خندق کے بعد غزوۂ بنو قریظہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے، پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضبناک ہو کر ھل من مبارز کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیرؓ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا، وہ اس قدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لخت جگر آج شہید ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں زبیر اس کو مارے گا، چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر ردوبدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا،[3]

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی اور ایک جماعت اس عورت کی گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیرؓ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا تو ابن ابی بلتعہؓ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمۃ للعالمین نے ان کی عفوخواہی پر جرم معاف فرمادیا، اور یہ آیت نازل ہوئی، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّۃِ، الآیۃ[4] (ممتحنہ ع ۱)

فتح مکہ رمضان ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خندق [2] مسند جلد ۱ ص ۱۶۴ و بخاری کتاب المناقب باب مناقب زبیرؓ [3] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۲ [4] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح،

Marfat.com

و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود سرور دو عالم موجود تھے، حضرت زبیرؓ اس کے علمبردار تھے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہوگیا تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن اسود اپنے گھوڑوں پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا میں نے گھوڑے کیلئے دو حصے اور سوار کیلئے ایک حصہ مقرر کیا ہے جو ان حصوں میں کمی کریگا خدا اس کو نقصان پہنچائے گا[2]

مختلف غزوات | فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوۂ حنین پیش آیا، کفار کمین گاہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیرؓ اس گھاٹی کے قریب پہونچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا "لات و عزیٰ کی قسم یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر ہے تیار ہوجاؤ، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے" یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کردیا حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی اور تیزدستی کے ساتھ اس آفت ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہوگئی،

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد کیا، حضرت زبیرؓ اس سفر میں بھی ہمرکاب تھے،

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائنات نے وفات پائی، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیرؓ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس و پیش تھا تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے۔

---

[1] بخاری باب غزوۃ الفتح [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۷۰،

Marfat.com

جنگِ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اوّل بھی رہ گزینِ عالمِ جاودانی ہوئے اور فاروق اعظمؓ نے مسندِ حکومت پر قدم رکھا، خلیفہ اوّل کے عہد مین فتوحات کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا حضرت عمرؓ نے تمام عرب مین جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے افسردہ ہوچکا تھا، تاہم ایک مردِ میدان و جانباز بہادر کے لئے اس جوش و ولولہ کے وقت عزلت نشین رہنا سخت ننگ تھا، خلیفہ وقت سے اجازت لیکر شامی رزم گاہ مین شریک ہوئے، اس وقت یرموک کے میدان مین ملکِ شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ مین لوگون نے کہا اگر آپ حملہ کرکے غنیم کے قلب مین گھس جائین تو ہم بھی آپ کا ساتھ دین حضرت زبیرؓ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہین دے سکتے' لوگون نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اُس پار سے اس پار نکل گئے' اور کوئی رفاقت نہ کرسکا، پھر واپس لوٹے تو رومیون نے گھوڑے کی باگ پکڑلی، اور نرغہ کرکے سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے' عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڈھا تھا جس مین بچپن مین ہم ..... انگلیان ڈال کر کھیلا کرتے تھے[1]،

غرض ان ہی حیرت انگیز جانبازیون کا نتیجہ تھا کہ رومیون کی ٹڈی دل فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور فرزندانِ توحید تمام ملک شام کے وارث بنگئے،

فسطاط کی فتح

فتح شام کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی مین مصر پر حملہ ہوا، انھون نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی' نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط مین لکھا کہ ان افسرون مین ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے' افسرون مین حضرت زبیرؓ بھی تھے' ان کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا، اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ مین دیئے، انھون نے گھوڑے

---

[1] بخاری کتاب المغازی،

Marfat.com

پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کئے اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کئے اس پر پورے سات مہینے گذر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیرؓ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہکر ننگی تلوار ہاتھوں میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پہنچکر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے، ادھر حضرت زبیرؓ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دیدی گئی،[۱]

اسکندریہ کی تسخیر فسطاط فتح کرکے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑی رہی لیکن جس قدر زیادہ دن گذرتے جاتے تھے اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کرلینے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاصؓ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کرلیا اور حضرت زبیرؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہوگیا،

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ مصر کامل طور پر مسخر ہوگیا تو حضرت زبیرؓ نے عمرو بن العاصؓ سپہ سالار فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کردینا چاہئے، عمرو بن العاصؓ نے کہا خدا کی قسم میں امیر المومنینؓ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، حضرت عمرؓ کو لکھا گیا تو انھوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہئے تاکہ آیندہ نسلیں بھی اس سے مستفید ہوتی رہیں، حضرت زبیرؓ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے،[۲]

---

[۱] فتوح البلدان ص ۲۲۰ [۲] مسند ابن حنبلؒ جلد ۱ ص ۱۶۶

سنہ۲۳ھ مین خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ ناگہانی طور پر زخمی ہو کر سفر آخرت کی تیاری کی تو عہدۂ خلافت کے لئے چھ آدمیون کے نام پیش کئے اور فرمایا کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ بزرگون مین ایک حضرت زبیرؓ بھی تھے لیکن تین دن کی مسلسل گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس مسند گرامی پر بٹھادیا، حضرت زبیرؓ نے بھی بے چون و چرا اس انتخاب کو تسلیم کر کے بیعت کرلی،[1]

خلیفۂ ثالثؓ کے عہد مین حضرت زبیرؓ نے نہایت سکون و خاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کے ملکی مہم مین شریک نہین ہوئے، درحقیقت عمر بھی اس حد سے متجاوز ہوچکی تھی، لیکن سنہ۳۵ھ مین مصری مفسدون نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کیا تو انھون نے اپنے بڑے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو امیر المومنین کی مساعدت و حفاظت پر مامور کردیا،

غرض اٹھارہوین ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ مفسدین کے ہاتھ سے شہید ہوئے، حضرت زبیرؓ نے حسب وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نماز جنازہ ادا کی اور مضافات مدینہ مین حش کوکب نامی ایک مقام مین سپرد خاک کیا،

خلیفۂ وقت کے قتل سے تمام مدینہ مین مفسدین کا رعب طاری ہوگیا، ہر شخص دم بخود تھا، حضرت عثمانؓ کے طرفدار اور تمام بنو امیہ مکہ اور دوسرے مقامات کی طرف بھاگ گئے، چونکہ مصری حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اس لئے انھون نے ان کو خلافت کا بار گران اٹھانے پر مجبور کیا اور مسجد نبویؐ مین لوگون کو بیعت کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ گو برابر کے دعویدار تھے، تاہم مصریون کے خوف سے زبان نہ ہلا سکے اور کسی طرح بیعت کرلی[2]،

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد بھی مدینہ مین امن و امان قائم نہ ہوسکا، سبائی فرقہ جو اس انقلاب کا بانی

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ [2] تاریخ طبری ص ۳۰۶۰

تھا، اور فتنہ وفساد کے نئے نئے کرشمے دکھا تا رہتا تھا، جاہل بدوی جو ہمیشہ ایسے لوٹ مار کے موقعوں پر شریک ہو جاتے ہیں، سبائیوں کے ساتھ ہو گئے، حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ یہ لوگ اپنے اپنے وطن کی طرف لوٹ جائیں، اور بدویوں کو بھی شہر سے نکال دیا جائے، لیکن سبائیوں کے ضد اور انکار سے کامیابی نہ ہوئی[1]،

حضرت زبیرؓ جو اساطینِ امت میں تھے کب تک خاموشی کے ساتھ اس شورش وہنگامہ آرائی کا تماشا دیکھتے، اصلاحِ حال اور رفعِ فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گذر گئے لیکن امن وسکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے پاس آئے، اور اصلاح واقامتِ حدود کا مطالبہ کیا، انھوں نے جواب دیا "بھائی! میں اس سے غافل نہیں لیکن ایک ایسی قوم کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں جس پر میرا کچھ اختیار نہیں، بلکہ وہ خود مجھ پر حکمران ہے"[2] غرض جب اس طرف سے بھی مایوسی ہوئی تو یہ دونوں خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کیلئے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے،

ام المومنین حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور اب تک مدینہ کی شورشوں کا حال سنکر یہیں مقیم تھیں، حضرت طلحہ وزبیرؓ سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لفظوں میں مدینہ کی بدامنی کا نقشہ کھینچا،

انا تحملنا بقتینا ھرابا من المدینۃ من غوغاء	ہم اعراب کے شور وشر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے
اعراب وفارقنا قوما حیاری لا یعرفون	ہیں اور ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو
حقا ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون	پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے، اور نہ اپنی
انفسھم[3]،	جانوں کی حفاظت کرتی ہے،

ام المومنینؓ نے فرمایا "تو پھر کوئی رائے قائم کرکے اس شورش کو فرو کرنا چاہیئے" غرض تھوڑی دیر کی بحث ومباحثہ کے بعد علمِ اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنو امیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۰۸۱ [2] ایضاً ص ۳۰۸۰ [3] ایضاً ص ۳۰۹۹

Marfat.com

ہو گئے تھے جوشِ انتقام مین ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت بصرہ کی طرف روانہ ہوئی تاکہ وہان سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رخ کرے، راہ مین امویون نے خلافت و امامت کی بحث چھیڑ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو لڑانا چاہا، لیکن ام المومنینؓ کی مداخلت سے معاملہ رفت وگذشت ہوگیا، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والیِ بصرہ نے مزاحمت کی لیکن وہان داعیانِ اصلاح کے حامیون کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، وہ خود عثمانؓ کے ساتھیون سے دست وگریبان ہوگئی، یہان تک کہ کشت وخون کی نوبت پہنچ گئی، عثمان بن حنیف کا یہ بیان تھا کہ جب طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو پھر انھین علمِ مخالفت بلند کرنے کا کیا استحقاق ہے؟ ان دونون کا یہ جواب تھا کہ ہم قہراً و جبراً شریکِ بیعت ہوئے اور اگر فرض کر لو کہ یہ بیعت صحیح تھی تب بھی اس سے مطالبۂ اصلاح کی نفی نہین ہوتی، غرض معاملہ زیادہ طول کھینچا تو مصالحت کی یہ صورت قرار پائی کہ ایک شخص تحقیقات کے لیے مدینہ روانہ کیا جائے، اگر ثابت ہو کہ طلحہؓ و زبیرؓ بیعت پر مجبور کیے گئے تھے تو عثمان بن حنیف مزاحمت سے باز آئین گے ورنہ ان دونون کو اس جماعت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا، چنانچہ کعبؓ اس تحقیقات پر مامور ہوئے، انھون نے جمعہ کے روز مسجد نبویؐ مین داخل ہو کر حاضرین سے بآنگ بلند سوال کیا،

یا اھل المدینۃ انی رسول اھل البصرۃ	اے اہلِ مدینہ! مین اہلِ بصرہ کا قاصد بنکر آیا ہون، کیا واقعی
الیکما اکرہ ھؤلاء القوم ھذین الرجلین	اس قوم نے ان دونون کو علی کی بیعت پر مجبور کیا تھا یا
علی بیعۃ علی ام اتیاھا طائعین،	وہ خوشی سے اس پر تیار ہوئے تھے؟

مجمع مین تھوڑی دیر تک سناٹا رہا لیکن اسامہ بن زیدؓ سے نہ رہا گیا، بول اٹھے "خدا کی قسم ان دونون نے سخت ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی" اس سے ایک ہلچل پڑ گئی، تمامؓ اور سہل بن حنیف اسامہؓ سے الجھ پڑے صہیب بن سنانؓ، ابوایوبؓ اور محمد بن مسلمہؓ وغیرہ کبار صحابہ نے دیکھا کہ لوگ اسامہؓ کو مار ڈالین گے تو سب نے یک زبان ہو کر کہا "ہان خدا کی قسم اسامہؓ نے سچ کہا" غرض اس طرح اسامہؓ کی جان بچ گئی، اور کعبؓ بصرہ

Marfat.com

واپس آئے، دوسری طرف حضرت علیؓ کو ان واقعات کی اطلاع مل چکی تھی، انھون نے عثمان بن حنیف کو لکھا کہ اولاً تو یہی صحیح نہین کہ وہ مجبور کئے گئے، اور اگر مان بھی لو تو قوم وملک کی بہتری کے لئے ایسا ہونا ضروری تھا، اور اگر وہ مجھے معزول کرنا چاہتے ہین تو ان کے پاس کوئی معقول عذر نہین، اور اگر کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور ہو سکتا ہے، اس خط کے بعد عثمانؓ نے اپنی راے بدل دی، اور کعبؓ کی تحقیقات کے باوجود اعیانِ اصلاح کی مزاحمت پر اڑے رہے،

حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے دیکھا کہ اب سہولت کے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوگا تو ایک روز عشا کے وقت اپنے ساتھیون کے ساتھ مسجد پہنچے اور عبدالرحمن بن عتابؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دیا، عثمان بن حنیف نے اس کو اپنے حق مین مداخلت تصور کرکے ایرانی "زط" اور "سیابجہ" سپاہیون کو حملہ کا حکم دیدیا، لیکن حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے پامردی کے ساتھ مقابلہ کرکے ان کو بھگا دیا، دوسری طرف چند آدمی دار الامارت مین گھس گئے اور عثمان بن حنیف کو پکڑ کر سامنے لائے، ان لوگون نے اس بے رحمی کے ساتھ ان کو مارا تھا، اور ڈاڑھیان نوچی تھین کہ چہرہ پر ایک بال بھی باقی نہ تھا، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کو یہ سخت ناگوار گذرا، اور حضرت عائشہؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا، انھون نے حکم دیا کہ عثمان کو چھوڑ دو جہان جی چاہے جائے، غرض اس طرح بصرہ پر قبضہ ہوگیا،[1] اور ایک بڑی جماعت اس مہم مین ساتھ دینے پر تیار ہوگئی،

جنگ جمل اور حضرت زبیرؓ کی حق پسندی

حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی لیکن وہان حضرت امام حسنؓ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنا لیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار مین حضرت علیؓ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کو معلوم ہوا تو انھون نے بھی اپنی فوج کو مرتب ومنظم کرکے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونون فوجون مین مڈبھیڑ ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے آج

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۴

باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہِ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں لیکن ذاتی مخاصمت و عداوت سے نہیں بلکہ حق و صداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف، چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مدِنظر تھی اس لئے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا "ابو عبداللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گذرے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی ہاں! یا رسول اللہؐ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑو گے"[1] حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا،

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ پر چلے گئے لیکن حضرت زبیرؓ کے قلب حق پرست میں ایک سخت تلاطم برپا ہو گیا، تمام عزائم اور ارادے فسخ ہو گئے، ام المومنینؓ کے پاس آ کر کہنے لگے میں بر سر غلط تھا، علیؓ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یاد دلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے "اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں"، حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ نے کہا "آپ ہم لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں"، حضرت زبیرؓ نے کہا میں قسم کھا چکا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا" عبداللہؓ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن حواریِ رسولؐ کا دل اچاٹ ہو چکا تھا کہنے لگے "جانِ پدر! علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو" حضرت عبداللہؓ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ وہاں سے اپنا اسباب و سامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، احنف بن قیس نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۶۶،

Marfat.com

کہا مین جاتا ہون اور ہتھیار سج کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا وہ اس وقت اپنے غلامون کو اسباب و سامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، غرض ابن جرموز نے قریب پہنچکر پوچھا،

ابن جرموز۔ ابوعبداللہ! آپنے قوم کو کس حال مین چھوڑا؟

حضرت زبیرؓ۔ سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے،

ابن جرموز۔ آپ کہان جا رہے ہین،

حضرت زبیرؓ۔ مین اپنی غلطی پر متنبہ ہوگیا، اس لئے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے،

ابن جرموز نے کہا چلئے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونون ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہرے ابن جرموز نے کہا مین بھی شریک ہون گا، حضرت زبیرؓ نے کہا مین تمھین امان دیتا ہون، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھوگے اس نے کہا ہان! اس عہد و پیمان کے بعد دونون اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کو کھڑے ہوگئے،

شہادت حضرت زبیرؓ جیسے ہی سجدہ مین گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کرکے تلوار کا وار کیا اور حواریٔ رسول ﷺ کا سرتن سے جدا ہو کر خاک و خون مین تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ مین کبھی اپنی جان کی پروا نہ کی اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بارہا مصائب و شدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خوان اور پیرو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

ابن جرموز حضرت زبیرؓ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہ مرتضوی ؓ مین حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیٰ ؓ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا "اس نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں، اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے[1]،

حضرت زبیرؓ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ میں شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے،

فنور اللہ مرقدہ وحسن مثواہ ،

اخلاق و عادات حضرت زبیرؓ کا دامن اخلاقی زر وجواہر سے مالا مال تھا، تقویٰ، پارسائی، حق پسندی، بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیت الٰہی جب یہ آیت نازل ہوئی انک میت وانھم میتون ثم انکم یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون الآیۃ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے"؟ ارشاد ہوا ہاں! ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا، یہ سن کر ان کا دل کانپ اٹھا کہنے لگے "اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہوگا"[2]۔

تقویٰ و پرہیزگاری حضرت زبیرؓ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے پاس گئے، دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے کہنے لگے "ام عطاء! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے" انھوں نے عرض کی کہ "میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیے بھیجدیئے کہ ختم ہی نہیں ہوتے"[3]،

حضرت زبیرؓ نے جب دعوتِ اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آکر کہا "اگر حکم دیجئے تو علیؓ کی گردن اڑادوں" بولے "تم تنہا اس قدر عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کرو گے؟" اس نے کہا میں علیؓ کی فوج میں جا کر مل جاؤں گا اور کسی وقت موقع پاکر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا، فرمایا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ایمان قتل

۱؎ مسند جلد ۱ ص ۸۹ ۲؎ ایضاً جلد ۱ ص ۱۶۷ ۳؎ ایضاً جلد ۱ ص ۱۶۶،

Marfat.com

ناگہانی کی زنجیر ہے، اس لئے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے[1]،،

قلت روایت کا سبب حضرت زبیرؓ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور ہروقت کے حاضر رہنے والون مین تھے لیکن کمال اتقا کے باعث بہت کم حدیثین روایت کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ رضی نے کہا، پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضورؐ کی اوتنی باتین بیان نہین کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہین، فرمایا جان پدر! حضورؐ کی رفاقت اور معیت مین دوسرون سے میرا حصہ کم نہین ہے، مین جب سے اسلام لایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہین ہوا، لیکن حضورؐ کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنا دیا ہے،

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار — یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی، اسے چاہیئے کہ جہنم مین اپنا ٹھکانا بنالے[2]،

مساوات پسندی مساوات اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشون مین بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہین سمجھتے تھے، جنگ احد مین آپ کے ماموں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے بھائی کی تجہیز و تکفین کے لئے دو کپڑے لاکر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو مین ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن پڑی تھی دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لئے دو دو کپڑے ہون اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لئے دونون ٹکڑون کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا تو قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس مین بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے[3]،

استقلال حضرت زبیرؓ خطرات کی مطلق پروا نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے عزم و ارادہ مین حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائین، لوگون نے کہا قلعہ مین سخت طاعون ہے، فرمایا "ہم طعن و طاعون ہی کے لئے آئے ہین" یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے! غرض سیڑھیان لگائی گئین اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے،

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۶۶ [2] ابوداؤد کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مسند جلد ۱ ص ۱۶۵، و صحیح بخاری جلد اوّل صفحہ ۲۱ [3] مسند جلد ۱ ص ۱۶۵،

Marfat.com

امانت حواریِ رسول کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل و اولاد اور مال و متاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا انھوں نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے "میں آپ کو خدا، رسولؐ اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں میں نے فاروق اعظمؓ کو کہتے سنا ہے کہ زبیرؓ دین کے ایک رکن ہیں"۔ حضرت عثمانؓ، مقدادؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانت داری کے ساتھ ان کے مال و متاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل و عیال پر صرف کرتے تھے[۱]،

فیاضی فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے لیکن انھوں نے اس میں سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا، بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا[۲]، غرض ایک پیغمبر کے حواری میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں، حضرت زبیرؓ کی ذات والا صفات میں ایک ایک کر کے وہ سب موجود تھیں۔

ذریعۂ معاش اور تمول معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا اور عجیب بات ہے کہ انھوں نے جس کام میں ہاتھ لگایا کبھی گھاٹا نہیں ہوا[۳]،

تجارت کے علاوہ مالِ غنیمت سے بھی گرانقدر رقم حاصل کی، حضرت زبیرؓ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کرور دو لاکھ درہم یا دینار کیا گیا تھا لیکن یہ سب نقد نہیں بلکہ جائداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا، اطراف مدینہ میں ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات میں مکانات تھے چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ، بصرہ میں دو اور مصر و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا[۴]،

قرض اور اس کی ادائگی حضرت زبیرؓ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہدیتے تھے کہ امانت نہیں بلکہ قرض کی

---

[۱] اصابہ جلد ۳ ص ۶ [۲] ایضاً ج ۳ ص ۶ [۳] استیعاب جلد ۱ ص ۲۰۸ [۴] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ

Marfat.com

حیثیت سے لیتا ہوں، ہوتے ہوتے اسی طرح سے بائیس لاکھ کے مقروض ہوگئے،[1]

حضرت زبیرؓ جب جنگ جمل کیلئے تیار ہوئے تو انھوں نے اپنے صاحبزادہ عبد اللہؓ سے کہا جان پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے اس لئے میرا مال ومتاع بیچ کر سب سے پہلے قرض ادا کرنا اور جو کچھ بچ رہے اس میں سے ایک ثلث خاص تمہارے بچوں کے لئے وصیت کرتا ہوں، ہاں! اگر مال کفایت نہ کرے تو میرے مولیٰ کی طرف رجوع کرنا، حضرت عبد اللہؓ نے پوچھا آپ کا مولیٰ کون ہے؟ فرمایا وہ میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت میری دستگیری کی ہے۔

عبد اللہ بن زبیرؓ نے حسب وصیت مختلف آدمیوں کے ہاتھ جھاڑی بیچکر قرض ادا کرنے کا سامان کیا، اور چار برس تک موسم حج میں اعلان کرتے رہے کہ زبیرؓ پر جس کا قرض ہو آکر لے لے، غرض اس طرح سے قرض ادا کرنے کے بعد بھی اس قدر رقم بچ رہی کہ صرف حضرت زبیرؓ کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا، موصی لہ اور دوسرے ورثہ اس کے علاوہ تھے،[1]

جاگیر و زراعت | فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا چنانچہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا تھا، اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے جن کو وہ خود آباد کرتے تھے کبھی کبھی آب پاشی وغیرہ کے متعلق دوسرے شرکا سے جھگڑا بھی ہوجاتا تھا، ایک دفعہ ایک انصاری سے جن کا کھیت حضرت زبیرؓ کے کھیت سے ملا ہوا نیچے کی طرف تھا، آب پاشی کے متعلق جھگڑا ہوا، انصاریؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا کہ تم اپنا کھیت سینچکر اپنے پڑوسی کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو، انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہوئے اور کہنے لگے" یا رسول اللہ! آپنے اپنے پھوپھی زادہ کی پاسداری فرمائی" چونکہ انصاری کو اس آب پاشی سے متمتع ہونے کا کوئی حق نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ان کی رعایت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا، اس لئے چہرہ سرخ ہوگیا، اور حضرت زبیرؓ

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ [1] ایضاً،

Marfat.com

کو حکم دیا کہ تم اپنے پورے حق سے فائدہ اٹھاؤ، یعنی خود آب پاشی کرکے پانی کو روک رکھو، یہاں تک کہ نالیون کے ذریعہ سے دوسری طرف بہ جائے۔[۱]

کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے، ایک دفعہ عہدِ فاروقی مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ساتھ اپنی جاگیر کی دیکھ بھال کے لئے خیبر تشریف لے گئے اور رات کے وقت تینون علٰحدہ اپنی اپنی جاگیر کے قریب سوئے، رات کی تاریکی مین کسی یہودی نے شرارت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی کلائی اس زور سے موڑ دی کہ بے اختیار ہو کر چلا اٹھے، حضرت زبیرؓ وغیرہ مدد کے لئے دوڑے اور واقعہ دریافت کرکے ان کو لئے ہوئے بارگاہِ خلافت مین حاضر ہوئے، اور یہودیون کی شرارت کا حال بیان کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کے بعد یہودیون کو خیبر سے جلاوطن کر دیا۔[۲]

حضرت ابوبکرؓ نے بھی مقام جرف مین انھین ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انھین دیدی تھی[۳] جو مدینہ کے اطراف مین ایک خوش فضا میدان ہے،

آل و اولاد سے محبت حضرت زبیرؓ کو بیوی بچون سے نہایت محبت تھی خصوصاً حضرت عبداللہؓ اور ان کے بچون کو بہت مانتے تھے، چنانچہ اپنے مال مین سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچون کے لئے وصیت کی تھی، لڑکون کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے جنگ یرموک مین شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی لیکن حضرت زبیرؓ نے انکو گھوڑے پر سوار کرکے ایک آدمی کے سپرد کر دیا کہ جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرأت و بہادری کا سبق دے،

غذا و لباس دولت و ثروت کے باوجود طرزِ معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پر تکلف نہ تھی، لباس عموماً معمولی اور سادہ زیب بدن فرماتے البتہ جنگ مین ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[۱] بخاری کتاب المساقاۃ [۲] ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۱، [۳] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۷۳،

Marfat.com

خاص طور پر ان کو اجازت دی تھی آلاتِ حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے چنانچہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا،

حلیہ بدن چھریرا، قد بلند و بالا خصوصاً پاؤں اس قدر لمبے کہ گھوڑے پر چڑھتے تو پاؤں زمین سے چھو جاتا، رنگ گندم گون اور سر پر کندھوں تک بالوں کی لٹیں،

اولاد و ازدواج[1] حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور کثرت کے ساتھ اولاد پیدا ہوئی بعض بچے تو ان کی حیات ہی میں قضا کر گئے تاہم پھر بھی بہت سی اولاد یادگار رہ گئی ان کی تفصیل حسب ذیل ہے

اسمأ بنت ابی بکرؓ - ان کے بطن سے چھ بچے ہوئے نام یہ ہیں، عبداللہؓ، عروہؓ، منذرؓ، خدیجۃ الکبریٰؓ ام الحسنؓ عائشہؓ،

ام خالدؓ بنت خالد بن سعید - انھوں نے خالدؓ، عمرؓ، حبیبہؓ، سودہؓ اور ہندؓ یادگار چھوڑی،

ربابؓ بنت انیف - ان سے مصعبؓ، حمزہؓ اور رملہؓ پیدا ہوئیں،

زینبؓ بنت بشر - ان کے بطن سے عبیدہؓ، جعفرؓ اور حفصہؓ پیدا ہوئیں،

ام کلثومؓ بنت عقبہ - ان سے صرف ایک لڑکی زینبؓ پیدا ہوئی،

حضرت طلحہؓ

نام و نسب، خاندان طلحہ نام، ابو محمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبیداللہ اور والدہ کا نام صعبہؓ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی التیمی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں اس لئے حضرت طلحہؓ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے،

---

[1] اولاد و ازدواج کی تفصیل فتح الباری جلد ۷ ص ۱۶۱ سے ماخوذ ہے

Marfat.com

حضرت طلحہؓ کے والد عبید اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہؓ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہؓ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاری کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہؓ کو امیر المومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل کر آئیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کر دیں، اس وقت خود حضرت طلحہؓ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لئے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعبہؓ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی،

حضرت طلحہؓ ہجرت نبویؐ سے چوبیں پچیس برس قبل پیدا ہوئے، ابتدائی حالات نامعلوم ہیں، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا اور عنفوانِ شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا،

اسلام ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصریٰ تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکی بشارت دی لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب وہوا میں پرورش پائی تھی اور گردوپیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم وتلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ وپند نے تمام شکوک رفع کر دیئے، چنانچہ ایک روز صدیق اکبرؓ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعت ایمان سے مشرف ہوکر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہؓ ان آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں نجم صداقت کی پرتو ضیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخر کار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بنکر چمکے،[۱]

---

[۱] ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۵۳،

Marfat.com

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہؓ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہے، عثمان بن عبید اللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہؓ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایک ہی رسی میں باندھکر مارا کہ اس تشدد سے اپنے مذہب کو ترک کردیں لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا،[1]

مواخات | مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرادیا،

ہجرت | حضرت طلحہؓ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے چنانچہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینہ تشریف لیجا رہے تھے اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کیساتھ شام سے واپس آرہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انھوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کئے اور عرض کی کہ اہلِ مدینہ نہایت بےچینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہؓ نے مکہ پہنچکر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب انصاریؓ سے ان کا بھائی چارہ کرادیا،[2]

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا اور کفر واسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی لیکن حضرت طلحہؓ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لئے اس میں شریک نہ ہوسکے، وہاں سے واپس آئے تو دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہوگے،

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۵۴

بعض اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہؓ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے، لیکن یہ صحیح نہین ہے، کیونکہ اس صورت مین مالِ غنیمت مین حصہ طلب کرنیکی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور سعید بن زیدؓ کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال کی خدمت پر مامور کرکے بھیجا تھا، اس روایت سے بھی ہماری خیال کی تائید ہوتی ہے بہرحال اگرچہ حضرت طلحہؓ غزوۂ بدر مین شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگذاریون کے باعث اس کے اجر وثواب سے محروم نہین رہے،[1]

غزوۂ احد

۳ھ مین غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ مین پہلے مسلمانون کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ گھسوٹ مین مصروف ہوئے کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کردیا، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانون کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرورِ کائناتؐ کی حفاظت کا خیال بھی نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا، میدانِ جنگ مین صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے لیکن وہ سب بھی شمعِ ہدایت سے دور تھے اور اس وقت صرف حضرت طلحہؓ پروانہ وار فدویت وجان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے کفار کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیرون کی بارش ہو رہی تھی، خون آشام تلوارین چمک چمک کر آنکھون کو خیرہ کر رہی تھین، اور صدہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کردینے کے لئے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے، اس نازک وقت مین جمالِ نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بنکر خورشید نبوت کو آگے پیچھے دہنے بائین ہر طرف سے بچا رہا تھا، تیرون کی بوچھار کو ہتھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال مین کفار کا نرغہ زیادہ ہو جاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا، ایک دفعہ کسی نابکار نے ذات قدسیؐ پر تلوار کا وار کیا، خادمِ جان نثار یعنی طلحہؓ جانباز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، انگلیان شہید ہوئین تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا، حسن یعنی خوب ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکۂ آسمانی تمھین ابھی اٹھا لیجاتے، غرض حضرت طلحہؓ دیر تک

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹،

جگر جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے یہاں تک کہ دوسرے صحابہؓ بھی مدد کے لئے آپہنچے مشرکین کا ہلہ کسی قدر کم ہوا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر سوار کرکے پہاڑی پر لے آئے، اور مزید حملوں سے محفوظ کر دیا[1]

حضرت طلحہؓ نے غزوۂ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوامِ عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کئے تھے[2] دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی جانبازی کے صلہ میں خیر کا لقب مرحمت ہوا، صحابہؓ کو واقعۂ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ غزوۂ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہؓ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمرؓ ان کو صاحب احد فرمایا کرتے تھے، خود حضرت طلحہؓ کو بھی اس پر فخر کارنامہ پر بڑا ناز تھا، اور ہمیشہ لطف و انبساط کے ساتھ اس کی داستان سنایا کرتے تھے[3]

متفرق غزوات | غزوۂ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہؓ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے بیعتِ رضوان کے وقت بھی موجود تھے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے،

فتحِ مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوۂ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال و ثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بیشمار سامان اور مالِ غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہؓ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحابؓ کی صف میں تھے،

۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قیصرِ روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، اس لئے آپ نے صحابۂ کرامؓ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لئے مال و زر صدقہ کرنے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۵ [2] فتح الباری جلد ۷ ص ۶۶ [3] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد

Marfat.com

کی ترغیب دی حضرت طلحہ رضؓ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالت ﷺ سے فیاض کا لقب حاصل کیا،[1]

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف حملۂ قیصر کے مدافعانہ اہتمام میں مصروف تھے، دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ درپئے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے، اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان میں مجتمع ہوکران تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو اور اس مہم میں شرکت سے انحراف کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا، انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور اس میں آگ لگادی ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت میں اسکی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانوں کے پنجۂ اقتدار سے بچا کرلے بھاگے،[2]

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ و جلال کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لئے وہاں چودہ دن قیام کرکے سب لوگ واپس آئے، پھر سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا حضرت طلحہؓ ہمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا، حضرت طلحہؓ کو اس سانحۂ کبریٰ سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ میں سیادت وخلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا اس وقت یہ کسی گوشۂ تنہائی میں مصروف گریہ تھے،

عہد صدیقی سقیفۂ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنوں کے بعد بیعت کی اور مہمات امور میں رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسول کے ہمیشہ دست وبازو ثابت ہوئے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفۂ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انہوں نے اس

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۵۹ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۵،

Marfat.com

منصب کے لئے فاروق اعظمؓ کو نامزد کیا تو حضرت طلحہؓ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر مقرر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا،

عہدِ فاروقی حضرت عمرؓ کے متعلق حضرت طلحہؓ کی جو رائے تھی وہ کسی بغض وعداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہؓ کی یہی رائے تھی کہ ان کا تشدد ناقابلِ تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمرؓ نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہیں تو دفعۃً حضرت طلحہؓ کا خیال بھی بدل گیا، اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ فاروق اعظمؓ کی اعانت کی، اختلافی مسائل میں ساتھ دیا اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ عہد فاروقی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالکِ مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہوگئی صرف حضرت عمرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ کو اس سے اختلاف تھا، تین دن تک بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی تائید کی، یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکۂ نہاوند کے موقعہ پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظمؓ کو مشوش کر دیا، اور انہوں نے صحابہؓ سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیلِ حکم کیلئے تیار ہیں،

فاروق اعظمؓ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفر آخرت کی تیاری کی اور عہدۂ خلافت کے لئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا، ان میں حضرت طلحہؓ بھی تھے، لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لئے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی کوشش اور حضرت طلحہؓ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے،

عہدِ عثمانی حضرت عثمانؓ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری شش سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور

Marfat.com

پرشورش دبیجینی کا آماجگاہ ہوگیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی وفتنہ پردازی کا بازار گرم تھا حضرت طلحہؓ نے دربارِ خلافت کو مشورہ دیا کہ اسبابِ شورش کی تفتیش وتحقیق کے لئے تمام ممالک میں وفود روانہ کئے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہؓ، اسامہ بن زیدؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ مختلف حصص ملک میں روانہ کئے گئے، ان لوگوں نے واپس آکر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر ابھی عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کرلیا، گو حضرت طلحہؓ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی کوئی خاص اعانت نہیں کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے دریافتِ حال کے لئے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے[ا] چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالاخانہ پر کھڑے ہوکر کبار صحابہؓ میں ایک ایک کا نام لیکر پکارا، اسی ضمن میں حضرت طلحہؓ کا نام بھی آیا، انھوں نے جواب دیا" ہاں! میں حاضر ہوں"حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل ومناقب بیان کرکے ان سے تصدیق چاہی، تو انھوں نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ[ا] اس کی تصدیق کی،

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہوگیا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے متعین کردیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہؓ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا[۲]،

محافظین نے باوجود قلتِ تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر وحلم کے آفتاب کو ہمیشہ کیلئے خونین شفق کے پردہ میں نہاں کردیا حضرت طلحہؓ کو معلوم تو افسوس کے ساتھ فرمایا "خدا عثمانؓ پر رحم کرے"، لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا خدا انھیں ہلاک کرے اس کے بعد یہ آیت پڑھی فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَۃً وَّلَآ اِلٰٓی اَہْلِہِمْ یَرْجِعُوْنَ، (یٰسین ۳)

[ا] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۴۷،

[۲] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۴۰،

Marfat.com

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بادلِ ناخواستہ بیعت کی

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصریوں نے حضرت علیؓ کو عنانِ خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کو بیعتِ عام کے لئے جمع کیا، حضرت طلحہؓ گو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش وہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادل ناخواستہ بیعت کرلی[1]

خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ

خلیفۂ وقت کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا اس سے تمام ملک میں شورش اور بدنظمی پھیل گئی، اور مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پرفتن بنا دیا، حضرت طلحہؓ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ وفساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربارِ خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علم اصلاح بلند کرنیکے لئے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لیکر مدینہ سے مکہ چلے آئے، حضرت عائشہؓ حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر اس وقت تک یہیں مقیم تھیں، اس لئے ان دونوں نے سب سے پہلے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علم اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، تھوڑی دیر کی بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئیں، اور حضرت طلحہؓ کی رائے کے مطابق بصرہ جانیکی تیاری ہوئی، کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہوسکتی تھی،

بصرہ پر قبضہ

غرض داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنوامیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں پناہ گزین تھے جوشِ انتقام میں ساتھ ہوگئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنوں تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہوگئے اور حضرت طلحہؓ کے حامیوں نے جوش وخروش کے ساتھ اہلِ دعوت کو لبیک کہا،

[1] طبقات ابن سعد جزو ۳ ق ۱

حضرت علیؓ کی فوج سے مقابلہ کیلئے بڑھنا

حضرت علیؓ کو مدعیانِ اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہوچکا تھا، اس لئے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہاں سے تقریباً کوفہ کے نوہزار جنگ آزما نوجوانوں کو ساتھ لیکر

Marfat.com

بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے اس فوج کا حال سنا تو انھون نے بھی اپنی فوج کو منظم و مرتب کرکے آگے بڑھایا، دسوین جمادی الآخرہ ۳۶ھ مین دونون فوجون مین مٹ بھیڑ ہوئی،

شہادت | جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اور حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے پھر گیا، حضرت طلحہؓ نے اپنے زور بازو کو بر داشتہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کرلی، مروان نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے معاملہ مین ان سے بدظن تھا اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگرچہ پاؤن مین لگا لیکن ان کے لئے تیر قضا ثابت ہوا[1]، لوگون نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو، یہ تیر نہین بلکہ پیام خداوندی ہے،

تجہیز و تکفین | اختلاف روایات حضرت طلحہؓ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر مین شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدانِ جنگ کے کسی گوشہ مین مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب مین تھی اس لئے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہؓ کو خواب مین دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہین، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہؓ صحابی کا مکان دس ہزار درہم مین خرید کر ان کی لاش کو اس مین منتقل کردیا، دیکھنے والون کا بیان ہے کہ اتنے دنون کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصئون و محفوظ تھا، یہان تک کہ آنکھون مین جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا،[2]

اخلاق و عادات | حضرت طلحہؓ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا، خشیت الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ان کا پیمانۂ قلب لبریز تھا، معرکۂ احد اور دوسرے غزوات مین جس جوش و فداکاری کیساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اس راہ مین ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا،

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۷۰ [2] ... ، جلد ۳ ص ۱۹۱

Marfat.com

چنانچہ انھوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کیلئے اپنا مال راہ خدا میں دیا کریں گے، اس نذر کو انھوں نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنیکی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک میں ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی،

رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه — یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جنھوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا

فمنهم من قضی نحبه ۱ الآیہ — اس کو سچا کر دکھایا، چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنھوں

(احزاب ۳) — نے اپنی نذر پوری کی،

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہؓ بارگاہ نبوتؐ میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا "طلحہؓ تم بھی ان لوگوں میں ہو جنھوں نے اپنی نذر پوری کی۔[1]

حضرت طلحہؓ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے، فقراء و مساکین کے لئے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے طلحہؓ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہ دیکھا،[2]

غزوۂ ذی القرد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گذرے جس کا نام بیسان مالح تھا، حضرت طلحہؓ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا،[3] اسی طرح غزوۂ ذی العسرہ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس و ناداری کی مصیبت اور فلاکت میں مبتلا تھے، انھوں نے مصارف جنگ کے لئے ایک گراں قدر رقم پیش کی اور دربار رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا،[4]

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اپنی جائداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور سب راہ خدا میں صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے انھیں غمگین دیکھا، پوچھا "آپ اس قدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی؟" بولے "نہیں! تم نہایت اچھی بیوی ہو

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۶۰۹ [2] ایضاً جلد ۷ ص ۶۶ [3] اصابہ جلد ۳ ص ۲۹۱ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۶۰

Marfat.com

تمھاری کوئی بات نہین ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہوگئی ہے اس وقت اسی کی فکر مین تھا کہ کیا کرون، مین نے کہا اُس کو تقسیم کرا دیجئے' یہ سنکر انھون نے اسی وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم مین تقسیم کرا دی[1]،

حضرت طلحہؓ بنو تیم کے تمام محتاج و تنگدست خاندانون کی کفالت کرتے تھے لڑکیون اور بیوہ عورتون کی شادی کردیتے تھے جو لوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے چنانچہ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھا وہ سب انھون نے اپنے پاس سے ادا کردیا، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیشکش خدمت کرتے تھے[2]

مہمان نوازی حضرت طلحہؓ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہوکر عرض کی مین یا رسول اللہ! اور وہ تینون نو مسلم مہمانون کو خوشی خوشی گھر لے آئے ان مین سے دو نے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات مین شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہؓ کے مکان مین وفات پائی، ان کو اپنے مہمانون سے جو انس پیدا ہوگیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی، اور رات کے وقت خواب مین بھی ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب مین دیکھا کہ وہ اپنے تینون مہمانون کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہین لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے' حضرت طلحہؓ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا، اس مین تعجب کی کیا بات ہے جو زیادہ دنون تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکوکاری کا زیادہ موقع ملا، اس لئے وہ جنت کے داخلہ مین اپنے ساتھیون سے پیش پیش تھا[3]،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۵۷، [2] ایضاً ص ۱۵۸، [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۶۳،

Marfat.com

احباب کی مسرت[1] وشادمانی ان کے لئے بھی سامانِ انبساط بنجاتی تھی، حضرت کعب بن مالکؓ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونیکے باعث معتوب بارگاہ تھے، ایک مدت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خطا معاف کردی اور وہ خوش خوش دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہؓ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، حضرت کعبؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہؓ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا، کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

حضرت طلحہؓ کو دوستوں کی خدمت گذاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کرا دیجئے، حضرت طلحہؓ نے فرمایا "گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا،" اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کرا دیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربارِ رسالت سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوا دیجئے تاکہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہؓ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کردی[2]۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو طرزِ عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے حضرت طلحہؓ نے اس سعادت کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم ورنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا "تمہارا حال کیسا ہے؟ کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟" کہنے لگے نہیں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا، مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا لیکن اب یاد نہیں آتا، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ

[1] بخاری باب غزوۂ تبوک۔ [2] ایضاً

باعظمت و پُر اثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ، حضرت طلحہؓ سنکر اچھل پڑے فرمایا "ہاں! خدا کی قسم یہی کلمہ ہے"[1]

حسنِ معاشرت حضرت طلحہؓ اپنے حسنِ معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے، وہ اپنے کنبہ میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی لیکن انھوں نے حضرت طلحہؓ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا "میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں، وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے اگر کوئی کام کردو تو شکر گذار ہوتے ہیں اور خطا ہوجائے تو معاف کردیتے ہیں"[2]

ذریعۂ معاش حضرت طلحہؓ کے معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، چنانچہ نیر اسلام کے طلوع ہونے کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی، جب مدینہ پہونچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراقِ عرب میں متعدد علاقے حاصل کئے، ان میں سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہیں، ان دونوں مقامات میں کاشت کاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناۃ کے کھیتوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا[3]

تموّل غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنا دیا تھا، چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لئے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے موسیٰ بن طلحہؓ سے پوچھا کہ تمھارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انھوں نے کہا "بائیس لاکھ درہم اور دولاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی" یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائداد

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۶۱ [2] کنز العمال جلد ۶ ص ۴۰۳ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸

غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا،

غذا و لباس | طرز معاش نہایت سادہ تھا، کپڑے اکثر رنگین پہنتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حالتِ احرام میں رنگین لباس زیب جسم دیکھا، بولے "طلحہؓ یہ کیا ہے؟" عرض کی "امیر المومنین یہ گیروا رنگ ہے" فرمایا "آپ لوگ ائمہ دین ہیں، عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کریگا کہ میں نے طلحہؓ کو حالتِ احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا۔"[1]

حضرت طلحہؓ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یاقوت کا نگ جڑا ہوا تھا لیکن بعد کو یاقوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا،[2] دسترخوان بھی وسیع تھا لیکن پرتکلف نہ تھا۔

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک پست، چہرہ کا رنگ سرخ و سفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوۂ احد میں شل ہو گئی تھیں،

اولاد و ازدواج | حضرت طلحہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، حمنہ بنت جحش، ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق، سعدیٰ بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، خولہ بنت القعقاع، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی، لڑکوں کے نام یہ ہیں:

محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسمٰعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف، ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں، ان کے نام یہ ہیں،

ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم،

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

نام و نسب، خاندان | عبدالرحمٰن نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفاء تھا، یہ دونوں زہری

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۵۸ [2] ایضاً ص ۱۵۶ [3] ایضاً ص ۱۵۰

خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے عبد الرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرۃ القرشی الزہری،

حضرت عبد الرحمٰنؓ کا اصلی نام عبد عمرو تھا، ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبد الرحمٰن رکھا،[1]

اسلام عام روایت کے مطابق حضرت عبد الرحمٰنؓ واقعہ فیل کے دسوین سال پیدا ہوئے تھے اس لحاظ سے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کی صدا بلند کی، اس وقت ان کا سن تیس سال سے متجاوز ہو چکا تھا فطری عفت و سلامت روی کے باعث شراب سے پہلے ہی تائب ہو چکے تھے، صدیق اکبرؓ کی رہنمائی سے صراط مستقیم کی شاہراہ بھی نظر آگئی اور بارگاہ نبوت مین حاضر ہو کر رہروانِ حق کے قافلہ مین شامل ہو گئے، اس وقت تک صرف چند روشن ضمیر بزرگون کو اس کی توفیق ہوئی تھی اور قافلہ سالار یعنی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے،[2]

ہجرت خلعتِ ایمان سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو بھی عام بلاکشانِ اسلام کی طرح جلاوطن ہونا پڑا، پہلے ہجرت کرکے حبشہ تشریف لے گئے، پھر وہان سے واپس آئے تو سب کے ساتھ سرزمین یثرب کی طرف ہجرت کر گئے۔[3]

مواخات مدینہ پہنچنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن الربیع انصاریؓ سے بھائی چارہ کرادیا، وہ انصار مین سب سے زیادہ مالدار اور فیاض طبع تھے، کہنے لگے "مین اپنا نصف مال و منال تمھین بانٹ دیتا ہون، اور میری دو بیویان ہین، ان کو دیکھو جو پسند آئے اس کا نام بتاؤ مین طلاق دیدون گا، عدت گذارنے کے بعد تم نکاح کر لینا"، لیکن حضرت عبد الرحمٰنؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا، جواب دیا "خدا تمھارے مال و منال اور اہل و عیال مین برکت دے، مجھے صرف بازار دکھا دو"، لوگون نے بنی قینقاع کے بازار مین پہنچا دیا، وہان سے واپس آئے تو کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع مین بچا لائے، دوسرے روز سے باقاعدہ تجارت شروع کر دی،

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۰۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۸۳ [3] ایضاً

Marfat.com

یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو جسم پر مراسم شادی کی علامتیں موجود تھیں، استفسار ہوا "یہ کیا ہے؟" عرض کی "ایک انصاریہ سے شادی کرلی ہے" سوال ہوا "مہر کس قدر ادا کیا؟" عرض کی "ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا" حکم ہوا "تو پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سہی"[۱]

غزوات | ۲ھ سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت عبدالرحمٰنؓ اکثر معرکوں میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریک رہے، غزوۂ بدر میں دو نوجوان انصاری پہلو میں کھڑے تھے انہوں نے آہستہ سے پوچھا "یا عم! ابوجہل کون ہے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرتا ہے؟" اسی اثنا میں ابوجہل سامنے آگیا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا "وہ دیکھو! جس کو تم پوچھتے تھے سامنے موجود ہے" ان دونوں نے جھپٹ کر ایک ساتھ وار کیا اور اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلادی[۲]

غزوۂ احد میں جس جانبازی و شجاعت سے لڑے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بدن پر بیس سے زیادہ آثار جراحت شمار کئے گئے تھے خصوصاً پاؤں میں ایسے کاری زخم لگے تھے کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ لنگڑا کر چلتے تھے[۳]

دومۃ الجندل کی مہم | شعبان ۶ھ میں دومۃ الجندل کی مہم پر مامور ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر اپنے دستِ اقدس سے عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا، اور ہاتھ میں علم دے کر فرمایا "بسم اللہ! راہ خدا میں روانہ ہوجا، جو لوگ خدا کی نافرمانی و عصیان میں مبتلا ہیں ان سے جاکر جہاد کر لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلۂ کلب کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کریں تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کرنے"

حضرت عبدالرحمٰنؓ اس اعزاز کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوکر دومۃ الجندل پہنچے اور تین دن تک دعوت و تبلیغِ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ قبیلۂ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی جو مذہباً

---

[۱] بخاری باب بنیان الکعبہ باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ [۲] مسند جلد ۱ ص ۱۹۳ و بخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جہل [۳] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۸۲

عیسائی تھے اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئے، البتہ بعضوں نے جن کو اس کی توفیق نہ ہوئی جزیہ منظور کر لیا، حضرت عبدالرحمنؓ نے حسب فرمان اصبغ کی لڑکی تماضر سے شادی کر لی اور رخصت کرا کے مدینہ ساتھ لائے، چنانچہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔[1]

فتح مکہ مکہ کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، اس کے زیر نگین ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلۂ بنو جذیمہ کے پاس جو اطراف مکہ میں مسکن گزیں تھا دعوت اسلام کے لئے بھیجا، انھوں نے غلطی سے قتل و خون ریزی کا بازار گرم کر دیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو نہایت متاسف ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ رب العالمین میں تین دفعہ اپنی برائت ظاہر کی "خدایا! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں"

حضرت عبدالرحمنؓ کے خاندان اور قبیلۂ بنو جذیمہ میں گو قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی یہاں تک کہ ان کے والد عوف کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل کیا تھا، تاہم اخوت اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا، چنانچہ اس خون ریزی سے بیزار ہو کر حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہا "افسوس تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا"، انھوں نے جواب دیا "میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا"، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا "بیشک تم نے میرے باپ کے قاتل کو مارا، لیکن درحقیقت یہ فاکہ بن مغیرہ کا انتقام تھا، جو تمہارا چچا تھا"[2] اس کے بعد دونوں میں نہایت گرم گفتگو ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو حضرت خالدؓ سے ارشاد ہوا "بس خالد! میرے اصحاب کو چھوڑ، اگر تو راہ خدا میں کوہ احد کے برابر بھی سونا صرف کرے گا تب بھی ان کے برابر نہ ہو گا"[3]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۸ [2] حضرت عبدالرحمنؓ کے والد عوف اور حضرت خالدؓ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جا رہے تھے، بنو جذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶)

[3] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۵۶

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع تک جس قدر مہمات اور جنگیں پیش آئیں، حضرت عبد الرحمٰنؓ سب میں شریک رہے آخری سفرِ حج سے واپس آنے کے بعد ۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلافت کا قصہ پیش آیا حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اسی گتھی کے سلجھانے میں شریک تھے اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں ان کا تیسرا نمبر تھا۔

عہدِ صدیقی خلیفۂ اول کے عہد میں حضرت عبد الرحمٰنؓ ایک خاص مشیر اور صائب الرائے رکن کی حیثیت سے ہر قسم کے مشوروں میں شریک رہے ۱۳ھ میں جب صدیق اکبرؓ کا آفتابِ حیات لبِ بام آیا اور ایک جانشین نامزد کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت عبد الرحمٰنؓ کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس منصبِ جلیل کے لئے فاروق اعظمؓ کا نام لیا، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے نہایت آزادی اور خلوص کے ساتھ کہا، عمر کی اہلیت میں کیا شک ہے لیکن مزاج میں سختی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا لیکن جب یہ بارِ گراں ان ہی پر آپڑے گا تو خود بخود نرم ہو جائیں گے"[1] غرض چند روزہ علالت کے بعد خلیفۂ اوّل نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور حضرت فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے

عہدِ فاروقی فاروق اعظمؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ نظامِ خلافت کو پہلے سے زیادہ منتظم و مرتب کر دیا، مہمات مسائل پر بحث و مباحثہ کے لئے ایک مستقل مجلسِ شوریٰ قائم کی، حضرت عبد الرحمٰنؓ اس مجلس کے نہایت صائب الرائے، پر جوش اور سرگرم رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، عراق پر مستقل اور باقاعدہ فوج کشی کے لئے جب دار الخلافہ کے گرد ایک عظیم الشان لشکر مجتمع ہوا اور عوام نے زور ڈالا کہ خود امیر المومنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئے تو اس وقت صرف حضرت عبد الرحمٰنؓ ہی تھے جنہوں نے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المومنین

---

[1] طبری ص ۲۱۳۶

Marfat.com

کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے حضرت عبد الرحمٰنؓ کی اس مآل اندیشی نے تمام اکابر صحابہؓ کی آنکھیں کھولدین اور سب نے پرزور الفاظ مین اس کی تائید کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس مہتم بالشان عہدہ کے لائق کوئی شخص نہ تھا، حضرت علیؓ سے کہا گیا تو انھون نے صاف انکار کر دیا، غرض اسی حیص بیص مین تھے کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ کی نگاہِ انتخاب نے یہ مشکل بھی حل کر دی، اور کھڑے ہو کر کہا مین نے پالیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون؟ بولے سعد بن ابی وقاصؓ، اس حسنِ انتخاب پر ہر طرف سے صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی[1]، اور واقعات نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب کس قدر موزون تھا،

اسی طرح معرکۂ نہاوند مین بھی حضرت عمرؓ کو موقعِ جنگ پر جانے سے روکا، لیکن کبھی کبھی جوش مآل اندیشی پر غالب آجاتا تھا، چنانچہ جب مہمِ شام مین اسلامی فوجین رومیون کی عظیم الشان تیاریون کے باعث مقاماتِ مفتوحہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئین، اور حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالارِ اعظم نے رومیون کے جوش و خروش اور ٹڈی دل اجتماع کی اطلاع دار الخلافہ مین بھیجی، تو حضرت عبد الرحمٰنؓ کو اس قدر جوش آیا کہ بیتاب ہو کر بولے امیر المومنین تو خود سپہ سالار بن اور مجھ کو ساتھ لے کر چل خدا نخواستہ اگر ہمارے بھائیون کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے[2]، لیکن اس موقع پر دوسرے مآل اندیش صحابہؓ نے مخالفت کی اور اسی پر فیصلہ ہوا،

حضرت عبد الرحمٰنؓ نے انتظامی اور قانونی حیثیت سے جو رائین دین، ان کا اجمالی تذکرہ انشاء اللہ علم و فضل کے سلسلہ مین آئے گا،

واقعۂ ہائلہ | ۲۳ھ مین ایک روز حسب معمول حضرت عمرؓ صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے کہ دفعۃً فیروز نام ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے مصلے پر کھڑا کیا، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے جلدی جلدی نماز تمام کی[3]، اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لائے،

---

[1] طبری ص ۲۲۱۵ [2] ایضاً ص ۲۱۶۱ [3] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۲۴۴،

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰنؓ کا ایثار؛ خلیفۂ دوم کی حالت غیر ہوئی تو لوگوں نے منصب خلافت کے لئے کسی کو نامزد کرنے کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کے نام پیش کر کے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے آخر وقت تک خوش رہے تھے یہ باہم کسی ایک کو منتخب کرلیں لیکن تین دن کے اندر یہ مسئلہ طے پا جائے،

خلیفۂ دوم کی تجہیز و تکفین کے بعد حسب وصیت انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا لیکن دو دن تک کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے روز حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا کہ یہ مسئلہ چھ آدمیوں میں دائر ہے اس کو تین شخصوں میں محدود کرنا چاہیئے اور جو اپنے خیال میں جس کو زیادہ مستحق سمجھتا ہے اس کا نام لے، چنانچہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی نسبت رائے دی، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لیا لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ اپنے حق سے باز آگئے اور حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اب تم دونوں میں جو احکام الٰہی، سنت نبویؐ اور طریقۂ شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کہا میں سب سے پہلے اس عہد پر راضی ہوں لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں خاموش رہے، بہرحال حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دونوں کو راضی کر کے اس کا تصفیہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ہر ایک کو علحدہ لے جاکر ان کے فضائل و مناقب یاد دلائے اور کہا "مجھے توقع ہے کہ اگر میں تمہیں یہ منصب دوں تو عدل و انصاف کرو گے اور اگر تمہارے مقابل کو یہ شرف نصیب ہو تو اطاعت سے کام لوگے" غرض اس عہد و پیمان کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مجمع عام میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہاتھ پھیلاؤ اور خود بڑھ کر بیعت کرلی۔ ان کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی[1]۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نگاہ انتخاب نے حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر کیوں ترجیح دی؟ عام خیال یہ ہے کہ یہ ان دونوں کی باہمی یگانگت و محبت اور رشتہ داری کا نتیجہ

[1] بخاری باب الاتفاق علی بیعۃ عثمانؓ، لیکن بعض تفصیلی باتیں تاریخ طبری سے ماخوذ ہیں،

Marfat.com

تھا، چنانچہ طبری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عباسؓ نے ابتدا ہی مین حضرت علیؓ سے اپنا شبہ ظاہر کر دیا تھا[1] لیکن یہ صحیح نہین ہے، رشتہ داری بیشک ایک مؤثر چیز ہے، مگر ایسے اہم معاملات مین بنائے فیصلہ نہین ہو سکتی،

اصل یہ ہے کہ گو اسلام نے قبائل کو باہم متحد کر دیا تھا تاہم ایک حد تک منافست و مسابقت کا خیال باقی تھا، اور لوگ اس کو پسند نہ کرتے تھے کہ نبوت و خلافت ایک ہی قبیلہ یعنی بنو ہاشم مین مجتمع ہو جائے، چنانچہ خلافتِ مرتضوی مین جو خانہ جنگیان برپا ہوئین، وہ اسی منافست کا نتیجہ تھین، حضرت عبد الرحمٰنؓ کی نگاہِ عاقبت بین نے اس کا پہلے ہی سے اندازہ کر لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ انھون نے حضرت عثمانؓ کو جناب امیرؓ پر ترجیح دی، ورنہ اسلام کا شیرازہ اسی وقت بکھر جاتا جیسا کہ بعد کو واقعات نے ثابت کر دیا ہے،

اس ترجیح کی ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے شیخینؓ کی روش پر کاربند ہونے مین پس و پیش کیا تھا، جیسا کہ متعدد روایتون سے ثابت ہوتا ہے، برخلاف اس کے حضرت عثمانؓ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ ہامی بھری تھی، بہرحال حضرت عبد الرحمٰنؓ نے اس عقدہ کو جس ایثار، دور اندیشی اور دانائی کے ساتھ حل کیا وہ یقیناً ان کی زندگی کا مایۂ ناز کارنامہ ہے،

وفات عہدِ عثمانی مین حضرت عبد الرحمٰنؓ نے نہایت خاموش زندگی بسر کی اور جہان تک معلوم ہے مہماتِ ملکی مین انھون نے کوئی خاص دلچسپی نہین لی، یہان تک کہ روح اطہر نے پچھتر برس تک اس سرائے فانی کی سیر کر کے ۳۲ھ مین داعیِ حق کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت علیؓ نے جنازہ پر کھڑے ہو کر کہا، اذھب یا ابن عوف فقد ادرکت صفوھا وسبقت رنقھا، یعنی ابن عوف! جاؤ تم نے دنیا کا صاف پانی پایا اور گدلا چھوڑ دیا[2] حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ اٹھانے والون مین شریک تھے اور کہتے جاتے تھے "واجبلاہ" یعنی آہ یہ پہاڑ بھی چل بسا، حضرت عثمانؓ

---

[1] طبری ص ۲۷۹۰، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷،

Marfat.com

نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا۔[1]

علم وفضل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے سینہ فضل وکمال کو علمی زر وجواہر سے پُر کر دیا تھا گو انہوں نے دوسرے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حدیثیں بہت کم روایت کیں تاہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو بہت اہم اور ضروری موقعوں پر اپنے معلومات سے فائدہ پہنچایا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا جھگڑا چھڑا تو انہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب ایران فتح ہوا اور انہیں فکر دامنگیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے تو اس وقت حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ اہل کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا تھا،[2]

۱۸ھ میں عمواس میں طاعون پھیلا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بلا کر دریافت کیا کہ طاعون زدہ مقام سے ہٹنا جائز ہے یا نہیں؟ تو کوئی اس کا قطعی جواب نہ دے سکا، حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہوں نے حاضر ہو کر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، اگر تم پہلے سے طاعون زدہ مقام میں ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔[3]

اصابتِ رائے | خدائے تعالیٰ نے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو اصابتِ رائے اور دوراندیشی کا نہایت وافر حصہ دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت مستحقینِ خلافت پر ریمارک کرتے ہوئے فرمایا تھا "عبد الرحمن نہایت صائب الرائے ہوشمند اور سلیم الطبع ہیں، ان کی رائے کو غور سے سننا اور اگر انتخاب میں مخالفت پیدا ہو جائے تو جس طرف عبد الرحمن ہوں ان کا ساتھ دینا"[4]

---

[1] استیعاب جلد ۲ و طبقات ابن سعد تذکرہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ [2] کتاب الخراج ص ۷۴، و مسند ص ۱۹۴ [3] بخاری باب طاعون [4] تاریخ طبری ص ۲۷۸۰

Marfat.com

حضرت عمرؓ کی راے صرف حسن ظن نہین بلکہ دیرینہ تجربات پر مبنی تھی، چنانچہ حضرت عبدالرحمنؓ نے خلافت کی گرہ کو جس خوبی کے ساتھ سلجھایا وہ ان کی تجربہ کاری اور ہوشمندی کی نہایت بین شہادت ہے،

اخلاق وعادات — حضرت عبدالرحمنؓ کا دامن فضل وکمال اور اخلاقی جواہر پارون سے مالامال تھا خصوصاً خوف خدا، حب رسول، صدق وعفاف، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشان اوصاف تھے،

خوف خدا — خوف خدا کے باعث دنیا کا ہر واقعہ ان کے لئے مرقع عبرت بن جاتا تھا اور اس کی ہیبت وجلال کو یاد کرکے رونے لگتے تھے، ایک دفعہ دن بھر روزہ رہے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو بے اختیار مسلمانون کا گذشتہ فقر وفاقہ یاد آگیا بولے "مصعب بن عمیرؓ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن مین صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤن کھل جاتے تھے اور پاؤن چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، اسی طرح حمزہؓ شہید ہوئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے لیکن اب دنیا ہمارے لئے کشادہ ہوگئی ہے، اور ہمین اس قدر دنیا دی نعمتین مرحمت کی گئی ہین کہ مجھے ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیون کا معاوضہ دنیا ہی مین ہوگیا، اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا[1]

حب رسول — ایک مقرب بارگاہ صحابی کی حیثیت سے حضرت عبدالرحمنؓ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خدمت وحفاظت مین ہمیشہ پیش پیش رہے، واقعہ احد صحابہؓ کی جان نثاری ومحبت کا نہایت سخت امتحان تھا، حضرت عبدالرحمنؓ اس آزمایش مین پورے اترے، بدن پر بیس زخم کھائے، پاؤن مین ایسا کاری زخم لگا کہ لنگڑا کر چلنے لگے، لیکن جذبہ جان نثاری نے میدان سے منہ موڑنے نہ دیا،

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی باہر تشریف لے جاتے تو حضرت عبدالرحمنؓ پیچھے پیچھے ساتھ ہو لیتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، حضرت عبدالرحمنؓ بھی پیچھے چلے یہان تک کہ رسول اللہ

---

[1] بخاری باب غزوۂ احد،

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان میں پہنچکر سربسجود ہوگئے اور اس قدر دیر تک سجدہ میں رہے کہ ان کو خوف ہوا کہ شاید روح اطہر خدا سے جا ملی، گھبرا کر قریب آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کیا ہے عبدالرحمن؟ انھوں نے اپنی گھبراہٹ کی وجہ عرض کی، ارشاد ہوا "جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ خداوند جل وعلا نے فرمایا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا"،[1] یعنی یہ طویل سجدہ سجدۂ شکر تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہمیشہ آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نوفل بن ایاس فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوفؓ سے اکثر لطف صحبت رہتا تھا، درحقیقت وہ خوب ہم نشین تھے، ایک روز ہم کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے پھر خود اندر داخل ہوئے اور غسل کرکے باہر نکلے، اس کے بعد کھانا آیا تو روٹی اور گوشت دیکھکر بے اختیار رونے لگے، میں نے پوچھا اے ابو محمد یہ گریہ وزاری کیسی؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی لیکن تمام عمر آپ کو اور آپکے اہل وعیال کو پیٹ بھر جو کی روٹی بھی نہ ملی ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اتنے دنوں تک دنیا میں رہنا ہمارے لئے بہتر نہیں ہے،[2]

صدق وعفاف دیانت داری، صدق وعفاف حضرت عبدالرحمنؓ کے دستار فضل وکمال کا نہایت خوشنما طرہ تھا، صحابۂ کرامؓ کو ان کی صداقت پر اس قدر اعتماد تھا کہ مدعی یا مدعا علیہ ہونے کی حیثیت میں بھی وہ تنہا ان کے بیان کو کافی سمجھتے تھے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کی عدالت میں حضرت زبیرؓ نے مقدمہ دائر کیا کہ میں نے آل عمرؓ سے ایک قطعہ زمین خریدا ہے جو عمرؓ کو دربار نبوتؐ سے بطور جاگیر مرحمت ہوا تھا، لیکن عبدالرحمنؓ کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور عمرؓ کو ایک ساتھ جاگیر ملی تھی اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ان کا حصہ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا عبدالرحمنؓ اپنے موافق یا مخالف شہادت دے سکتے ہیں،[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص میری ازواج (مطہرات) کی نگرانی و

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۱ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷ [3] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۹۲

Marfat.com

محافظت کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکوکار ہوگا چنانچہ یہ فرض مخصوص طور پر حضرت عبدالرحمٰنؓ سے متعلق تھا، وہ سفر اور حج کے موقعوں پر ساتھ جاتے تھے، سواری اور پردہ کا انتظام کرتے تھے، جہاں پڑاؤ ہوتا تھا وہاں انتظام واہتمام کے ساتھ اتارتے تھے، غرض انہیں صرف اپنی عصمت وعفت کے باعث امہات المومنینؓ کی خدمت وحفاظت کا فخر نصیب ہوا تھا جو ان کا مخصوص طغرائے امتیاز ہے۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ ہجرت کے بیان میں گذر چکا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بے نیازی اور استغنا نے تجارت کی طرف مائل کردیا تھا، چنانچہ اس میں انہوں نے اس قدر ترقی کی کہ ایک عظیم الشان دولت کے مالک ہو گئے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ واپس آیا تو اس میں سات سو اونٹوں پر صرف گیہوں آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ میں غل پڑ گیا، حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن جنت میں رینگتے ہوئے جائیں گے، حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اطلاع ہوئی تو ام المومنینؓ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی "میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب وسامان بلکہ اونٹ اور کجاوے تک راہِ خدا میں وقف ہے"۔[2]

صحابہؓ کی دولت ذاتی راحت وآسایش کے لئے نہ تھی بلکہ جو جس قدر زیادہ دولت مند تھا اسی قدر اس کا دستِ کرم زیادہ کشادہ تھا، حضرت عبدالرحمٰنؓ کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور وقتاً فوقتاً قومی ومذہبی ضروریات کے لئے گراں قدر رقمیں پیش کیں، سورۂ برأت نازل ہوئی اور صحابہؓ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دی گئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار درہم پیش کئے، پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کئے، اسی طرح جہاد کے لئے پانچسو گھوڑے اور پانچسو اونٹ حاضر کئے۔[3]

عام خیرات وصدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے، ایک

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۷، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۶، [3] ایضاً ص ۳۱۶

دفعہ انھوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی اور سب راہِ خدا میں لٹا دیا[۱]، لیکن اس فیاضی کے باوجود ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کہیں اس قدر تموّل آخرت کے لئے موجب نقصان نہ ہو، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کی "اماں! مجھے خوف ہے کہ کثرتِ مال مجھے ہلاک کر دے گی"، ارشاد ہوا بیٹا! راہِ خدا میں صرف کرو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "میرے اصحاب میں بعض ایسے ہیں کہ مفارقت کے بعد انھیں میرا دیدار نصیب ہوگا[۲]۔"

غرض فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا سلسلہ آخری لمحۂ حیات تک قائم رہا، وفات کے وقت بھی پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا میں وقف کئے، نیز بدر میں جو صحابہؓ شریک ہوئے تھے اور اس وقت تک زندہ موجود تھے ان میں سے ہر ایک کے لئے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو اصحاب بدر بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے بھی حصہ لیا[۳]۔

امہات المومنینؓ کے لئے بھی ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا، نیز اس سے پہلے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، ایک دفعہ ایک جائداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ ان کے صاحبزادہ ابوسلمہ سے اکثر بطریق تشکر دعا فرمایا کرتی تھیں خدا تمہارے باپ کو سلسبیل جنت سے سیراب کرے[۴]۔

مذہبی زندگی حضرت عبدالرحمٰنؓ نماز نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے، خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل سے شغل رکھتے تھے[۵]۔

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث تذکرہ عبدالرحمٰنؓ [۲] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۴ [۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص [۴] ترمذی ص ۶۳۱ [۵] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۰۔

Marfat.com

اکثر روزے رکھتے تھے حج کے لئے بھی بارہا تشریف لے گئے جس سال حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے، اس سال امارت حج کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی تھی۔[۱]

ذریعۂ معاش — تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھا، آخر میں زراعت کا کاروبار بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہو گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ایک وسیع جاگیر مرحمت فرمائی تھی، پھر انھوں نے خود بہت سی قابل زراعت آراضی خرید کر کاشت کاری شروع کی تھی چنانچہ صرف مقام "جرف" کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے۔[۲]

حضرت عبد الرحمٰنؓ کے کاروبار میں خدائے پاک نے غیر معمولی برکت دی تھی وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو اس کے نیچے سونا نکل آتا یہی وجہ ہے کہ اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود وہ اپنے وارثوں کے لئے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے، یہاں تک کہ چار بیویوں نے جائداد متروکہ کے صرف آٹھویں حصہ سے اسی اسی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ پڑ گئے، جائداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔

غذا ولباس — دسترخوان وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقر وفاقہ یاد کرکے آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لباس میں زیادہ تر ریشم کا استعمال تھا، کیونکہ بیماری کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر اجازت دی تھی، ایک دفعہ حضرت عبد الرحمٰنؓ کے صاحبزادے ابو سلمہ ریشمی کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس کے چیتھڑے اڑا دیئے، حضرت عبد الرحمٰنؓ نے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

---

[۱] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۱، [۱] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۳

[۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۱۷، [۲] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۱

Marfat.com

اجازت دی ہے؟" فرمایا ہاں! معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں۔[۱]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد طویل، رنگ سرخ و سپید، چہرہ خوبصورت، ریش دراز، سر پر کان سے نیچے تک گھونگھر دار کاکلیں، کلائی گٹھی ہوئی، انگلیاں موٹی اور مضبوط، سامنے کے دو دانت گر گئے تھے اور غزوۂ احد میں زخمی ہونے کے باعث پاؤں میں لنگ تھا۔[۲]

اولاد و ازواج | حضرت عبدالرحمنؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے ساتھ عموماً لطف و محبت سے پیش آتے تھے، ایک انصاریہ سے شادی کی تو بیس ہزار دینار مہر میں دیئے۔[۳] بیویوں کے نام یہ ہیں،

کلثومؓ بنت عتبہ بن ربیعہ، تماضرؓ بنت الاصبغ، کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط، سہلہؓ بنت عاصم، بحریہؓ بنت ہانی، سہلہؓ بنت سہیل، ام حکیمؓ بنت قارظ، بنتؓ ابی الخشخاش، اسماؓ بنت سلامہ، ام حریثؓ یہ بہراء سے قید ہوکر آئی تھیں، مجدؓ بنت یزید، غزالؓ بنت کسریٰ، یہ مدائن سے گرفتار ہوکر آئی تھیں بعض مورخین کا خیال ہے کہ خاندان کسریٰ کی شہزادی تھیں، زینبؓ بنت الصباح، بادیہؓ بنت غیلان۔[۴]

حضرت عبدالرحمنؓ کی اولاد نہایت کثیر تھی، جن لڑکوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں، سالمؓ اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مرے، محمدؓ، ابو سلمہ فقیہ، ابراہیمؓ، اسمٰعیلؓ، حمیدؓ، زیدؓ، معنؓ، عمرؓ، عدیؓ، عروۃؓ اکبر، سالمؓ اصغر، ابوبکرؓ، عبداللہؓ، عبدالرحمنؓ، مصعبؓ، سہیلؓ (ابوالابیض)، عثمانؓ، عروۃؓ، یحییؓ، بلالؓ،

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں۔" ام القاسم، یہ زمانۂ جاہلیت ہی میں پیدا ہوئی تھیں، حمیدہؓ، امۃ الرحمن صغریٰ ام یحییٰ، جویریہؓ، امیہؓ، مریمؓ،

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ [۲] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۶ [۳] طبقات قسم اول جزو ثالث تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ [۴] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۲،

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

نام نسب خاندان | سعد نام، ابو اسحٰق کنیت، والد کا نام مالک اور ابووقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی الزہری، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ننہال زہری خاندان میں تھی اس لئے حضرت سعد وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بارہا اس رشتہ کا اقرار فرمایا تھا۔[1]

اسلام | حضرت سعد وقاصؓ کا سِن مبارک صرف انیس سال کا تھا کہ دعوتِ اسلام کی صدائے سامعہ نواز نے توحید کا شیدائی بنادیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر خلعتِ ایمان سے مشرف ہوئے،

بخاری میں حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان سے پہلے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا اور ایک دوسری روایت میں وہ اپنے کو تیسرا مسلمان بتلاتے ہیں[2] لیکن محدثینِ عظام کی تحقیق کے مطابق چھ سات بزرگوں کو ان پر تقدم کا فخر حاصل ہو چکا تھا البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ کو ان کی اطلاع نہ ہو کیونکہ کفار کے خوف سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا اعلان نہیں کیا تھا۔

استقامت | حضرت سعد وقاصؓ کی ماں نے لڑکے کی تبدیلِ مذہب کا حال سنا تو نہایت کبیدہ خاطر ہوئیں، بات چیت، کھانا پینا سب چھوڑ بیٹھیں، چونکہ وہ اچھی ماں کے حد درجہ فرمانبردار اور اطاعت شعار تھے اس لئے یہ سخت آزمائش کا موقع تھا، لیکن جو دل توحید کا لذت آشنا ہو چکا تھا وہ پھر کفر و شرک

---

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۰ [2] بخاری مع فتح الباری مناقب سعد وقاصؓ

Marfat.com

کی طرف کس طرح رجوع ہو سکتا تھا، ماں مسلسل تین دن تک بے آب ودانہ رہیں، لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پر شکن تک نہ پڑی، خدائے پاک کو یہ شانِ استقامت کچھ ایسی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیتِ الٰہی میں والدین کے عدم اطاعت کا ایک قانون عام بنا دیا گیا۔[1] وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا[2] الآیۃ

مکہ کی زندگی | اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت نبوی تک مکہ ہی میں مقیم رہے گو یہ سرزمین عام مسلمانوں کی طرح ان کے لئے مصائب وشدائد سے خالی نہ تھی، تاہم استقلال کے ساتھ ہر قسم کی سختیاں جھیلتے رہے،

حضرت سعد وقاص رضی کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران وسنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش وعبادت فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہؓ کے ساتھ مصروفِ عبادت تھے، اتفاق سے کفار کی ایک جماعت وہاں آنکلی اور اسلام کا مذاق اڑانے لگی، حضرت سعد وقاص رضی کو اس بےبسی کی زندگی میں بھی جوش آگیا، اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے مارا کہ ایک مشرک کا سر پھٹ گیا، اور خون بہنے لگا، بیان کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد وقاص رضی کے ہاتھ سے عمل میں آئی،[3]

ہجرت | مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانۂ صبر وتحمل لبریز ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم ..... دیا، اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد وقاص رضی نے مدینہ کی راہ لی، اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کے مکان میں فروکش ہوئے،[4] جنھوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی،

یہاں پہونچکر مسلمانوں کو آزادی واطمینان نصیب ہوا، تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ

---

[1] مسلم مناقب سعد وقاص [2] ترجمہ:- اگر والدین تجھکو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں جسکا کوئی علم ویقین تیرے پاس نہیں ہے تو اس میں ان کی اطاعت نہ کر [3] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۱ [4] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۹۹

Marfat.com

موجود تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بینی کر کے حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا، حضرت سعد وقاصؓ بھی اس جماعت میں شامل تھے، غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے مٹ بھیڑ ہوئی، چونکہ محض تجسس مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، مگر حضرت سعد وقاصؓ کو کہاں تاب تھی، انہوں نے ایک تیر چلا ہی دیا، چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہِ خدا میں چلا گیا۔[1]

دوسری دفعہ خود حضرت سعد وقاصؓ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لئے روانہ کی گئی، چنانچہ یہ مقام خرار تک دورہ کر کے واپس آئے اور کوئی جنگ پیش نہ آئی، اس کے بعد عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ دشمن کی خبرگیری پر مامور ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں، انہوں نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچکر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا، میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے، حضرت سعد وقاصؓ اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمعاً و طاعۃً کہا، لیکن کچھ دور جانے کے بعد عتبہ بن غزوانؓ اور حضرت سعد وقاصؓ کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہوگیا، اور اس طرح وہ دونوں پیچھے چھوٹ گئے، عبداللہ بن جحشؓ نے نخلستان میں پہنچکر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مالِ غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی، اس لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی عبداللہ اور

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۱۳،

ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ ۲۷)

لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہدو اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ سے روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ گشت و خون سے زیادہ برا ہے،

قریش فدیہ لیکر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ بن غزوان رضؓ اور سعد وقاص رضؓ کا کچھ پتہ نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک یہ دونوں صحیح وسلامت پہونچ نہ جائیں تمھارے قیدی رہا نہ ہوں گے، غرض جب یہ دونوں جان نثار واپس آگئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے،

غزوات

غزوۂ بدر معرکۂ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوئی حضرت سعد وقاص رضؓ نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت وجان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیل کفار کو تہ تیغ کیا، حضرت سعدؓ کو اس کی ذوالکتیفہ نامی تلوار پسند آگئی تھی لئے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھدو،

حضرت سعدؓ کے برادر عزیز حضرت عمیرؓ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس، غرض غمگین وملول واپس آئے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ

Marfat.com

انفال نازل ہوئی اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دیدی[1]،

غزوۂ احد — سنہ ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت سے اتفاقاً مسلمانوں کی فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد وقاص رضی ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے، جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی، حضرت سعد رضی تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لیے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے یاسعد ارم فداک ابی و امی، یعنی "اے سعد! تیر چلا میرے باپ ماں تجھ پر فدا ہوں[2]"

حضرت علی رضی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سعد رضی کے سوا اور کسی کے لئے "فداک ابی و امی" کا جملہ نہیں سنا، لیکن دوسری روایتوں میں حضرت طلحہ رضی اور حضرت زبیر رضی کی نسبت بھی ایسے ہی جملے منقول ہیں، بہرحال محدثین کا فیصلہ ہے کہ غزوۂ احد میں یہ فخر صرف حضرت سعد وقاص رضی کے لئے مخصوص تھا[3]،

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا، حضرت سعد رضی نے تعمیلِ ارشاد کے لئے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا اس صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قادر اندازی اور اس کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے یہاں تک کہ دندانِ مبارک نظر آنے لگے[4]،

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۸۰ و مسلم مناقب سعد وقاص رضی [2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد [3] فتح الباری کتاب المناقب سعد وقاص رضی
[4] مسلم کتاب المناقب مناقب سعد رضی

Marfat.com

اور ترتیب کردا خلِ سفر ہوا[۱]

متفرق غزوات | غزوۂ احد سے فتح مکہ تک جس قدر معرکے پیش آئے، حضرت سعدؓ بہادری و جانبازی کے ساتھ سب میں پیش پیش رہے، پھر فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین میں اسی فدویت، جان نثاری اور ثبات و پامردی کا کارنامہ پیش کیا جس کا اظہار غزوۂ احد میں کر چکے تھے،

غزوۂ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے، پھر سنہ ۱۰ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد وقاصؓ ہمرکاب تھے، لیکن مکہ پہنچکر سخت علیل ہو گئے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے، اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کارِ خیر میں لگا دوں؟ ارشاد ہوا "نہیں" پھر عرض کی "ثلث نہیں تو نصف سہی"، حکم ہوا نہیں صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار و تونگر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال نہ پھیلاتے پھریں، تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لئے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے[۲]

ایک مبارک پیشگوئی | حضرت سعدؓ کو مدینہ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بیقراری بڑھتی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکبار دیکھ کر پوچھا "روتے کیوں ہو؟" عرض کی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی جس کو خدا اور رسول کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی اللّٰھم اشف سعدًا! اللّٰھم اشف سعدًا یعنی اے خدا سعد کو صحت عطا کر، سعد کو صحت عطا کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے

---

[۱] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۰ [۲] مسلم کتاب الوصیہ ص ۳۳ ایضاً،

جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریضِ بسترِ مرگ کے لئے آبِ حیات ثابت ہوئے، یعنی دعا مقبول ہوئی اور وہ صحیح وتندرست ہوئے، ساتھ ہی یہ بشارت سنائی کہ اے سعد! تم اس وقت تک نہ مروگے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے[1] یہ پیشینگوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجم قوم نے آپ کے ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا،

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی سقیفۂ بنی ساعدہ میں کثرتِ آراء سے مسند نشینِ خلافت ہوئے، حضرت سعد وقاص رضی نے بھی جمہور کا ساتھ دیا اور خلیفۂ اوّل کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی،

خلیفۂ اوّل نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعیِ حق کو لبیک کہا اور فاروق رضی اعظم کو جانشین کر کے رحلت گزینِ عالمِ جاودان ہوئے، اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوجکشی کی ابتدا ہو چکی تھی، حضرت عمر رضی نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش وخروش کی آگ بھڑکا دی، اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا، خصوصاً عراق کی فوجکشی پر سب سے پہلے توجہ صرف کی، چونکہ حضرت سعد وقاص رضی کے آیندہ کارناموں کا تعلق تمام تر اسی سرزمین سے وابستہ ہے، اس لئے اس ملک کی لشکر کشی کے ابتدائی حالات تسلسل قائم رہنے کے خیال سے درج ذیل ہیں،

عراق کی فوجکشی

اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بارہا عربوں کے تفرق، اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام عرب کو تباہ وبرباد کر دیا تھا، خصوصاً عراقِ عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جما لیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع پاتے بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے

[1] مسلم کتاب الوصیۃ،

Marfat.com

باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور اُبلّہ کی طرف غارت گری شروع کر دی، یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، مثنیٰ نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی، چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطۂ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا، اس بنا پر خلیفۂ اوّل نے مثنیٰ کو اجازت دیدی اور حضرت خالد سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا، انھوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لئے لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین کر کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں، لیکن خالدؓ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعۃً سرد پڑ گئی،

حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی اور حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک فوجِ گران کے ساتھ اس طرف روانہ فرمایا، انھوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متصلہ علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا، غنیم کی ایک زبردست فوج کے سامنے صف آرائی کی چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا، اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں، ابو عبیدہؓ نے سردارانِ فوج کے اختلاف کے باوجود شجاعت کے نشے میں خود دریا پار اتر کر مقابلہ کیا لیکن اس غلطی کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے وہ ہوا یعنی مسلمانوں کو نہایت افسوسناک شکست ہوئی،

حضرت عمرؓ نے کمک بھیجکر فوج کو از سرِ نو مستحکم کر دیا اور چونکہ ابو عبیدہؓ کام آ چکے تھے اس لئے مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالاری کی خدمت سپرد کی، انھوں نے معرکۂ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے

شکستین دیکر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کرلیا۔

ایرانیون کو اب تک مسلمانون کی جارحانہ قوتون کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھین کھول دین، ارکینِ سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لیئے نئی تدبیرین اختیار کین، پوران دخت کو جو ایک عورت تھی تخت سے اتار کر خاندانِ کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک مین اتحاد، اتفاق اور جوش وخروش کی آگ بھڑکا دی، یہان تک کہ مسلمانون کے مفتوحہ مقامات مین بھی بغاوت وسرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرحد مین ہٹ آنا پڑا،

حضرت عمرؓ نے ان واقعات سے مطلع ہوکر تمام عرب مین پرجوش وجادو بیان خطیب پھیلا دیئے، کہ وہ اپنی پُرتاثیر تقریرون سے قبائلِ عرب کو جنگ مین شریک ہونے کے لئے آمادہ کرین، اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین دارالخلافت کی طرف جنگ آزما بہادرون کا ایک طوفان امنڈ آیا، حضرت سعد وقاصؓ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل تھے، انھون نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے، جن مین سے ہر ایک تیغ وتفنگ کا ماہر تھا، غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہوگئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزون نظر نہ آتا تھا، حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی تو انھون نے بھی اس بارِ گران کے اٹھانے سے انکار کردیا، عوام کے اصرار سے خود حضرت عمرؓ تیار ہوگئے، لیکن اہل الرائے صحابہؓ مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہین ہے، لوگ اسی حیص بیص مین تھے کہ دفعۃً حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ مین نے پالیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاصؓ، تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اٹھے اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی[1]؛

سپہ سالاری حضرت سعدؓ نہایت بلند پایہ صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، اس کے

---

[1] طبری ص ۲۲۱۰،

ساتھ بہادری و شجاعت میں بھی بے نظیر تھے، تمام فوج نے ان کی سپہ سالاری کو نہایت پسندیدگی و فخر کی نگاہ سے دیکھا، حضرت عمرؓ کو گو سپہ سالاری کے لحاظ سے ان کی قابلیتوں کا تجربہ نہ تھا، تاہم انہوں نے تائید عام سے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور ہر قسم کی ہدایتیں اور نشیب و فراز سمجھا کر رزمگاہ کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دیدی،

غرض اس طرح حضرت سعدؓ کی تاریخ زندگی کا وہ صفحہ شروع ہوا جو سب سے زیادہ درخشان و تابان ہے اور جس نے دنیا کے بڑے بڑے اولو العزم، حوصلہ مند اور خوش تدبیر نامآوروں کی صف میں ان کو ممتاز کر دیا ہے، وہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبیہ پہونچے، یہاں تین مہینے تک قیام رہا، پھر وہاں سے چل کر شراف میں خیمہ زن ہوئے، مثنیٰ مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے رہ گزین عالم جاودان ہوئے، معنیٰ نے حسب ہدایت شراف میں آکر ملاقات کی اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے، حضرت سعد وقاصؓ سے بیان کئے،

حضرت سعدؓ نے شراف میں اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا، جو کم و بیش تیس ہزار تھی، پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ، فرودگاہ کا ڈھنگ، لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب الہجانات کے قلعہ پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے،

حضرت سعدؓ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے سرداران قبائل میں سے چودہ نامور اشخاص منتخب کر کے

Marfat.com

سفیر بنا کر مدائن روانہ کیا تاکہ شاہ ایران کو اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی دعوت دین، چنانچہ انھون نے پہلے اسلام پیش کیا، اور طرفین مین بڑی رد و قدح ہوتی رہی، آخر مین مسلمانون نے کہا اگر تم اسلام نہین قبول کرتے تو ہم اپنے نبی کی پیشین گوئی یاد دلاتے ہین کہ ایک دن تمھاری زمین ہمارے تصرف مین آئے گی، مسلمانون کی صاف بیانی پر غضبناک ہوکر، مسلمانون کی اس دلیری پر جھلا کر خاک دھول منگا کر کہا لو یہ تم کو ملے گی، عمرو بن معدی کرب نے اس کو اپنی چادر مین لے لیا، اور سعدؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رکھ کر کہا کہ "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی،" غرض سفرا واپس آگئے، اور جنگ کی تیاریان شروع ہوگئین، عجمی سپہ سالار رستم نے بھی جو ساباط مین مقیم تھا، اپنی فوج کو آگے بڑھا کر قادسیہ مین ڈیرے ڈالے،

رستم کی فوجین قادسیہ پہنچین تو حضرت سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے ہر وقت مطلع کرتے رہین، نیز غنیم کی فوج کا رنگ ڈھنگ، لشکر کی ترتیب اور پڑاؤ کی حالت دریافت کرنے کے لئے فوجی افسر متعین کر دیئے، اس مین کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہوجاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ رات کے وقت غنیم کے کیمپ مین گشت کر رہے تھے، ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا بندھا دیکھا، تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکا لی، لوگون نے ان کا تعاقب کیا تو ایک سپاہی کو قید کر کے لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، قیدی نے حضرت سعدؓ کے سامنے آکر اسلام قبول کیا، اور عجمی فوج کے بہت سے اسرار بیان کئے،

عرصہ تک صرف اسی قسم کی جھڑپ ہوتی رہی، اور کوئی باقاعدہ جنگ پیش نہ آئی، رستم قصداً جنگ سے جی چراتا تھا، اس نے ایک دفعہ پھر صلح کی کوشش کی اور حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر متعدد سفارتین روانہ کین، آخری سفارت مین مغیرہ بھیجے گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، رستم کو ناکامی ہوئی تو اس نے غضبناک ہوکر کہا کہ کل تمھاری فوجین تہ و بالا کر ڈالون گا، مغیرہ نے

Marfat.com

واپس آکر رستم کا مقولہ بیان کیا تو حضرت سعدؓ نے بھی جوش و خروش کے ساتھ مسلمانون کو تیاری کا حکم دے دیا،

جنگ قادسیہ

رستم اس قدر غضبناک ہوگیا تھا کہ اس نے اسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دیدیا اور دوسرے روز صبح کے وقت دریان کی نہر کو عبور کرکے میدانِ جنگ مین صف آرا ہوا، دوسری طرف حضرت سعدؓ کا لشکر بھی تیار تھا مشہور شعراء اور پرجوش خطیب رزمیہ اشعار اور رجاد و اثر تقریرون سے تمام بہادر سپاہیون کے شجاعانہ ولولے بھڑکا رہے تھے، اس کے ساتھ قاریون کی خوش الحانی اور جہاد کی آیتون نے جنت کے عاشقون کو بیتاب کر رکھا تھا،

حضرت سعدؓ نے قاعدے کے موافق اللہ اکبر کے تین نعرے بلند کئے، اور چوتھے پر جنگ شروع ہوگئی، گو وہ خود عرق النساء کے عارضہ مین مبتلا ہونے کے باعث عام فوج کا ساتھ نہ دے سکے اور خالد ابن عرطفہ کو قائم مقام کرکے میدانِ جنگ کے قریب جو قصر تھا اس کے بالاخانہ پر رونق افروز ہوئے تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب سمجھتے تھے، پرچون پر لکھ کر اور گولیان بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد ان ہی ہدایتون کے مطابق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے، ایک دفعہ ایرانی ہاتھیون کے ریلے سے قریب تھا کہ بجیلہ سوارون کے پاؤن اکھڑ جائین حضرت سعدؓ نے یہ رنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو مدد پہنچائین، پھر جب اس کالی آندھی نے اس طرف رخ کیا تو قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی اور قادر اندازی مین کمال رکھتے تھے کہلا بھیجا کہ تمہارا کمال ہاتھیون کے مقابلہ مین کیا ہوا؟ یہ سنکر انھون نے اس جوش سے تیر برسائے کہ دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا، غرض تمام دن اسی زور کا رن ہوا، شام ہوئی تو دونون فریق اپنے اپنے پڑاؤ مین واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا جس کو عربی مین یوم الارماث کہتے ہین،

دوسرے روز پھر جنگ شروع ہوئی، عین ہنگامۂ کارزار مین شام کی امدادی فوجین بھی پہونچ

Marfat.com

گئیں، اس تائید غیبی سے مسلمانوں کا جوش دوبالا ہوگیا اور اس زور شور سے تیغ و سنان اور تیر و تفنگ کا بازار گرم ہوا کہ دور سے دیکھنے والوں کی رگِ شجاعت میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا، ابو محجن ثقفی جن کو حضرت سعدؓ نے شراب خواری کے جرم میں اپنے قصر میں مقید کر دیا تھا، اس ولولہ انگیز منظر کو دیکھ کر بیتاب ہو رہے تھے، ضبط نہ کر سکے تو سلمیٰ (سعدؓ کی بیوی) سے درخواست کی کہ اس وقت مجھ کو چھوڑ دو، لڑائی سے جیتا بچا تو پھر خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا، سلمیٰ نے انکار کیا تو حسرت کے ساتھ یہ اشعار پڑھنے لگے،

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا   واترک مشدودا علی وثاقیا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں   اور میں زنجیر میں بندھا پڑا ہوں

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت   مصاریع دونی تصم المنادیا

جب میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر باگ کھینچ لیتی ہے   اور دروازے اس طرح سامنے بند کر دیے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے

ان اشعار سے سلمیٰ نے متاثر ہو کر ان کی بیڑیاں کاٹ دیں اور وہ حضرت سعدؓ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑے، اور لوگوں کو اپنی شجاعت و جانبازی سے متحیر کر دیا، حضرت سعدؓ بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ شام کو جنگ ختم ہوئی تو ابو محجن نے خود آکر بیڑیاں پہن لیں، سلمیٰ نے یہ حالات سعدؓ سے بیان کئے تو انھوں نے کہا خدا کی قسم میں ایسے فدائی اسلام کو سزا نہیں دے سکتا، اور اسی وقت رہا کر دیا، ابو محجن پر بھی اس قدردانی کا یہ اثر ہوا کہ آئندہ شراب سے توبہ کر لی،

تیسرے روز حسب معمول پھر معرکہ شروع ہوا، حضرت سعدؓ نے آج آخری فیصلہ کا ارادہ کر لیا تھا، لیکن شام ہو گئی اور جنگ کے زور و شور میں کچھ فرق نہ آیا، زیادہ دقت ہاتھیوں کی وجہ سے تھی، وہ جس طرف جھک پڑتے تھے صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، حضرت سعدؓ نے قعقاع اور چند دوسرے بہادر سپاہیوں کو بلا کر کہا کہ تم ہاتھیوں کو مار لو تو پھر میدان تمہارے ہاتھ میں ہے، انھوں نے نہایت جانبازی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور نرغہ کر کے بڑے بڑے ہاتھیوں کو مار ڈالا تو دوسرے ہاتھی خود

Marfat.com

بخود بھاگ کھڑے ہوئے، ہاتھیوں سے میدان صاف ہوتا تھا کہ حضرت سعدؓ نے اپنی فوج کو سمیٹ کر پھر نئے سرے سے ترتیب دیا اور حکم دیا کہ جب مین تیسرا نعرہ بلند کرون تو غنیم پر حملہ کر دیا جائے، لیکن ابھی پہلا ہی نعرہ بلند ہوا تھا کہ قعقاع نے جوش سے بیتاب ہو کر حملہ کر دیا، حضرت سعدؓ نے فرمایا اللّٰھم اغفرلہ وانصرہ یعنی اے خدا تو قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا، قعقاع کو دیکھ کر دوسرے قبائل بھی ٹوٹ پڑے، حضرت سعدؓ ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اس کو معاف کرنا اور معین و مددگار رہنا، غرض دن ختم ہونے کے بعد تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لیکن بالآخر مسلمانون کے ثبات و استقلال نے ایرانیون کے پاؤن اکھاڑ دیئے، رستم کو بھی مجبوراً بھاگنا پڑا، مگر ہلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کر کے اس کا کام تمام کر دیا،

حضرت سعدؓ نے بارگاہ خلافت مین نامہ فتح روانہ کر کے مقتولین و مجروحین کی تجہیز و تدفین اور مرہم پٹی کا اہتمام کیا، چونکہ وہ خود اس جنگ مین شریک نہ تھے اس لئے بعض سپاہیون کو ان کی طرف سے بدگمانی تھی چنانچہ ایک شاعر نے علانیہ اس خیال کو ظاہر کر دیا،

وقاتلت حتی انزل اللہ نصرہ — وسعد بباب القادسیۃ معصم

ہم نے جنگ کی یہان تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی — حالانکہ سعد قادسیہ کے دروازہ سے چمٹے رہے،

فابنا وقد آمت نساء کثیرۃ — ونسوۃ سعد لیس فیھن ایم

ہم لوٹے تو بہت سی عورتین بیوہ ہوئین — حالانکہ سعد کی بیویون مین سے کوئی بھی بیوہ نہ ہوئی

حضرت سعدؓ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک مفصل تقریر کر کے اپنی معذوری ظاہر کی،

عراق عرب پر عام لشکرکشی حضرت سعدؓ نے معرکۂ قادسیہ کے بعد ۱۵ھ مین تمام عراق عرب کو زیرنگین کر لینے کا تہیہ کر لیا، ایرانی بابل مین پناہ گزین تھے، اس لئے سب سے پہلے اسی طرف بڑھے، انھون نے خود

Marfat.com

عجمیون پر اس قدر رعب بٹھا دیا تھا کہ راہ مین بڑے بڑے سردارون نے پیشوائی کر کے صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجین آسانی کے ساتھ گذر جائین، بابل پہنچکر حضرت سعدؓ نے ایک ہی حملہ مین اس کو فتح کر لیا اور خود یہان قیام کر کے زہرہ کی افسری مین کچھ فوجین آگے روانہ کر دین، انھون نے کوثی پہنچکر دم لیا اور وہان کے رئیس شہریار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا،

کوثی ایک تاریخی جگہ تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہین قید کیا تھا چنانچہ قید خانہ کی جگہ اس وقت تک محفوظ تھی، حضرت سعدؓ بابل سے تشریف لائے تو اس کی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ،

کوثی سے آگے بڑھ کر پایہ تخت کے قریب ایک مستحکم مقام بہرہ شیر تھا، اس نام کی وجہ یہ تھی کہ یہان خاص کسریٰ کا شکاری شیر رہتا تھا، حضرت سعدؓ کا لشکر جب اس شہر کے قریب پہنچا تو شیر مقابلہ کے لئے چھوڑا گیا، اس نے تڑپ کر اسلامی فیرون پر حملہ کیا، لیکن حضرت سعدؓ کے بھائی ہاشمؓ نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہین ڈھیر ہو گیا، حضرت سعدؓ نے اس بہادری پر خوش ہو کر ان کی پیشانی چوم لی، اور انھون نے ان کے قدم کا بوسہ دیا،

بہرہ شیر کا کامل دو ماہ تک محاصرہ رہا اور اس اثنا مین متعدد ہولناک جنگین ہوئین لیکن کچھ فیصلہ نہ ہو سکا، ایک روز خود ایرانی فوجین تنگ آکر جوش و خروش کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلین اور دیر تک شجاعانہ لڑتی رہین، اسی حالت مین ان کا سپہ سالار شہر براز جو نہایت بہادر افسر تھا، ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ عجمی فوجین بھاگ کھڑی ہوئین، اور شہر والون نے صلح کا پھریرا اڑا دیا،

بہرہ شیر اور مدائن (پایہ تخت عراق) کے درمیان صرف دجلہ حائل تھا، ایرانیون نے مسلمانون کے خوف سے جہان جہان پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیئے تھے، لیکن حضرت سعدؓ کی اولوالعزمی کے

Marfat.com

آگے دنیا کی کون چیز حائل ہو سکتی تھی؟ انھون نے اہل فوج کو مخاطب کر کے کہا، برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن مین پناہ لی ہے، آؤ اس کو بھی تیر جائین تو پھر مطلع صاف ہے، یہ کہہ کر گھوڑا دریا مین ڈال دیا، سپہ سالار اعظم کی جانبازی دیکھکر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈالدیئے اور باہم باتین کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے، ایرانی اس عجیب و غریب جوش و استقلال کا منظر دیکھ کر "دیوان آمدند" کہتے ہوے بھاگے تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جارہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا، لیکن مسلمانون نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، اور مدائن پہونچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا، یزدگرد شاہ ایران پہلے ہی بھاگ چکا تھا، البتہ تمام اسباب و سامان موجود تھا جو بجنسہ مدینہ روانہ کیا گیا،

حضرت سعدؓ جس وقت مدائن مین داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا، نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار زبان سے یہ آیتین نکلین،

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ	رہگئی قومین، کسقدر باغ، چشمے، کھیتیان اور طرح طرح کی
كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ	نعمتین، عمدہ عمدہ محلات چھوڑ کر چلبسین جن مین خوش باش
وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ	زندگی بسر کرتی تھین، اور ہم نے ان چیزون کا مالک
(دخان ع ۲)	دوسری قومون کو بنادیا،

مدائن فتح ہونے کے ساتھ تمام عراق عرب پر تسلط قائم ہو گیا، بڑے بڑے رؤسا اور جاگیردارون نے سپر ڈال کر صلح کر لی، اور تمام ملک مین امن و امان کی منادی ہو گئی، جو لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے وہ پھر واپس آگئے اور حاکم و محکوم مین اس قدر ارتباط پیدا ہوا کہ باہم ازدواج و مناکحت کا سلسلہ جاری ہو گیا،

عراق عرب کے مفتوح ہونے کے بعد حضرت سعدؓ کے اہتمام سے جلولا، اور تکریت پر فوج کشی

Marfat.com

ہوئی اور نہایت کامیابی و فیروزمندی کے ساتھ ان مقامات پر اسلامی پھریرا نصب کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دربارِ خلافت سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی تو جواب آیا کہ "دولت و حکمرانی کے مقابلہ میں مجھے ایک ایک سپاہی کا خون زیادہ محبوب ہے، کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان سدِ سکندری حائل ہوتی کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھتے اور نہ وہ ہم پر حملہ آور ہوتے، غرض سرِدست اسی پر اکتفا کر کے ممالکِ مفتوحہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لو"

امارت اس فرمان کے مطابق حضرت سعدؓ کی سپہ سالاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور وہ والیِ ملک کی حیثیت سے مدائن کو صوبہ کا مرکز بنا کر نظم و نسق میں مصروف ہو گئے، اصل یہ ہے کہ کسی غیر قوم پر حکمرانی اور ملکی نظام کو بہترین اصول پر مرتب کرنا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر کسی ملک کو فتح کرنا، حضرت سعدؓ اپنی فطری قابلیت کے باعث ان دونوں مشکلات پر غالب آئے، انہوں نے جس خوبی و عمدگی کے ساتھ اپنے عہدۂ جلیلہ کے فرائض انجام دیئے اس سے زیادہ اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، دربارِ خلافت کے ایماء سے تمام عراق کی مردم شماری اور پیمائش کرائی، اراضیِ مفتوحہ کو ملک کے اصلی باشندوں کے ہاتھ میں رہنے دیا، البتہ جس زمین کا کوئی وارث نہ تھا اس کا پھر نئے سرے سے بندوبست کیا، اسی طرح لگان اور جزیہ کے اصول بنائے اور رعایا کے امن و آسائش کا انتظام کیا، عجمیوں کے ساتھ اس قدر خلق و شفقت سے پیش آئے کہ ان کے دل پر قبضہ کر لیا، چنانچہ بڑے بڑے امراء اور رؤسا اسی اثر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے، جس ابن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل اور فیروز وغیرہ جو عراق کے مشہور رؤسا تھے خود بخود مسلمان ہو گئے، اسی طرح دیلم کی چار ہزار فوج جو شاہی رسالہ کے نام سے موسوم تھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی،

تعمیرِ کوفہ حضرت سعدؓ نے ایک عرصہ تک مدائن میں قیام کرنے کے بعد محسوس کیا کہ یہاں کی آب و ہوا نے اہلِ عرب کا رنگ روپ بالکل بدل دیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس سے مطلع کیا تو حکم آیا کہ عرب کی سرحد میں کوئی مناسب سرزمین تلاش کر کے ایک نیا شہر بسائیں اور عربی قبائل کو آباد کر کے اس کو

Marfat.com

مرکز حکومت قرار دین، حضرت سعدؓ نے اس حکم کے مطابق مدائن سے نکل کر ایک موزون جگہ منتخب کر کے کوفہ کے نام سے ایک وسیع شہر کی نبیاد ڈالی، عرب کے جدا جدا قبیلون کو جدا جدا محلون مین آباد کیا، وسطِ شہر مین ایک عظیم الشان مسجد بنوائی جسمین تقریباً چالیس ہزار نمازیون کی گنجایش رکھی گئی، مسجد کے قریب ہی بیت المال کی عمارت اور اپنا محل تعمیر کرایا جو قصرِ سعد کے نام سے مشہور تھا،

کچھ دنون کے بعد بیت المال مین چوری ہوگئی، حضرت سعدؓ نے اس کی رپوٹ دار الخلافت مین بھیجی تو حکم آیا کہ بیت المال کو مسجد سے ملا دیا جائے تاکہ ہر وقت نمازیون کی آمد و رفت سے خزانہ محفوظ رہے، چنانچہ انھون نے روزبہ نام ایک مشہور پارسی معمار کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی، اس نے نہایت خوبی و موزونی کے ساتھ بیت المال کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا، حضرت سعدؓ نے اس کی کاریگری کی بڑی قدر کی، اور خوش ہو کر اس کو دار الخلافت بھیجدیا، جہان ہمیشہ کے لئے اس کا روزینہ مقرر ہوگیا،

حضرت سعدؓ کا قصر چونکہ وسطِ بازار مین تھا، اس لئے شور و شغب کے باعث باہم گفتگو کرنا بھی دشوار تھا، انھون نے اس سے بچنے کے لئے قصر کے سامنے ایک ڈیوڑھی بنوائی، اور اس مین پھاٹک لگوایا، بارگاہِ خلافت مین اس ڈیوڑھی کی اطلاع پہنچی تو اس خیال سے کہ اہلِ حاجت کے لئے یہ سدِّ راہ نہ ہوجائے، حضرت محمد بن سلمہؓ کو حکم ہوا کہ کوفہ جا کر اس مین آگ لگا دین، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور حضرت سعد وقاصؓ اطاعت شعاری کے ساتھ خاموشی سے دیکھا کئے،

متفرق انتظامات کوفہ دراصل ایک فوجی چھاؤنی تھی، جہان تقریباً ایک لاکھ نبرد آزما سپاہی بسائے گئے تھے، ان کو علی قدر مراتب تنخواہین دی جاتی تھین، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ دس دس سپاہیون پر افسر ہوتے تھے، جو امراء الاعشار کہلاتے تھے، تنخواہین ان کو دی جاتی تھین اور وہ اپنے ماتحت سپاہیون کو تقسیم کر دیتے تھے، ایک دفعہ امراے اعشار نے تنخواہون کی تقسیم مین بے اعتدالی کی، اور اس کی وجہ سے فوج مین برہمی کے آثار نمایان ہوئے، حضرت سعدؓ نے فوراً دربارِ خلافت کو اس واقعہ سے مطلع کیا

Marfat.com

اور فرمانِ خلافت کے مطابق دوبارہ نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے[1]
اور اس دفعہ دس کے بجائے سات سات سپاہیوں پر ایک ایک افسر متعین کیا؛

شام کی اسلامی فوجوں نے حمص پر چڑھائی کی تو اہل جزیرہ ایک جمعیت عظیم کے ساتھ رومیوں کی مدد کے لئے روانہ ہوئے لیکن حضرت سعد وقاصؓ نے جو ملک کے اندرونی و سرحدی واقعات سے ہر وقت باخبر رہتے تھے ایک فوج گران بھیجکر ان کو وہین روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔[2]

سنہ۲۱ھ مین ایرانیون نے عراق عجم مین نہایت عظیم الشان جنگی تیاریان کین اور مسلمانون کو ان کے مفتوحہ ممالک سے نکال دینا چاہا، حضرت عمرؓ نے ان تیاریون کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزون مین اسلامی فوج کو بھی آراستہ کرنے کے احکام صادر کئے، کوفہ سب سے بڑا مرکز تھا، حضرت سعد وقاصؓ نے یہان نہایت اہتمام کے ساتھ تیاریان شروع کین اور دربارِ خلافت کے ایماء سے نعمان بن مقرن کو جو پہلے ان کی ماتحتی مین افسر مال تھے، اس فوج کا امیر عسکر مقرر کیا، لیکن یہان ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو قصداً جنگ سے جی چراتی تھی اور کہتی تھی کہ بصرہ والون نے خواہ مخواہ فارس پر حملہ کر کے یہ لڑائی مول لی ہے، حضرت سعد وقاصؓ نے بارگاہِ خلافت مین ان لوگون کی شکایت لکھی تو ان مین سے جراح بن سنان اور اس کے چند ساتھیون کو ان سے شدید عداوت پیدا ہو گئی اور انھون نے مدینہ پہنچکر شکایت کی کہ وہ نماز اچھی طرح نہین پڑھاتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعد وقاصؓ جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابی کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی، حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا تاہم رفعِ حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات کے لئے روانہ فرمایا، انھون نے کوفہ کی ہر ایک مسجد مین گشت کر کے اس شکایت کی حقیقت دریافت کی تو ہر جگہ سب نے یک زبان ہو کر اس کی تکذیب کی اور لغو بتایا، محمد بن مسلمہؓ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونون فریق کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ پہنچے، حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے ساتھ پوچھا، سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے

[1] طبری ص ۲۴۹۵ [2] ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۸۱

ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں، "انھون نے جواب دیا کہ پہلی دو رکعتون میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں، ور دونون آخری میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرتا ہون، حضرت عمرؓ نے فرمایا بیشک تمھاری نسبت یہی گمان ہو سکتا ہے[1]،

معزولی اگو الزام بے بنیاد ثابت ہوا تاہم حضرت عمرؓ اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہو گئی تھی ان کو اس عہدہ سے سبکدوش ہی کر دینا مناسب سمجھا، چنانچہ حضرت سعد وقاصؓ جن کو اپنا جانشین بنا آئے تھے حضرت عمرؓ نے ان ہی کو مستقل کر دیا اور ان کو دوبارہ واپس جانے کی زحمت نہ دی[2]،

حضرت سعد وقاصؓ کو اپنے اوپر اس بیہودہ الزام کے قائم ہونے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہ خدا میں تیر اندازی کی ہے، ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے سوکھے پتے کھا کھا کر پڑے تھے لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا[3]،

فاروق اعظمؓ کی سفارش | ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے ایک مجوسی غلام کے ہاتھ سے شہادت پائی، حالتِ نزع میں لوگون نے خلیفہ نامزد کرنے کی طرف توجہ دلائی تو انھون نے اس منصب کے لئے چھ آدمیون کے نام پیش کئے، ان میں ایک حضرت سعدؓ بھی تھے اور فرمایا کہ اگر وہ خلافت کے لئے منتخب نہ ہوسکیں تو جو منتخب ہو اُسے چاہیئے کہ ان کے خدمات سے فائدہ اٹھائے کیونکہ میں نے انھیں کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معطل نہیں کیا تھا،

دوبارہ تقرری | فاروق اعظم کی تجہیز و تکفین کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کے سر پر دستار خلافت باندھی، اور انھون نے حسب وصیت حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا، لیکن اس تقرری کے تین سال بعد یعنی ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے کے

[1] طبری ص ۲۶۷۴، ۲۶۷۶ [2] ایضاً ص ۲۶۷۰ [3] بخاری باب مناقب سعدؓ

باعث، پھر معزول ہو گئے،[1]

دورِ فتنہ اور حضرت سعدؓ کی گوشہ نشینی

حضرت سعدؓ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ مین عزلت نشینی اختیار کر لی یہان تک کہ جب خلیفۂ ثالثؓ کے آخری عہدِ حکومت مین فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری مین مخل نہ ہوا، البتہ جب مفسدین نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو ان کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن معاملاتِ ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اس وقت بھی قائم رہے، چنانچہ حضرت علیؓ جب حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے مقابلہ مین اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے تو لوگون نے ان کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، لیکن انھون نے معذرت کی اور کہا: مجھے ایسی تلوار دو جو مسلم و کافر مین امتیاز رکھے۔[2]

حضرت سعد وقاصؓ سے خود ان کے صاحبزادہ عمر بن سعدؓ نے ایک دفعہ جب کہ وہ جنگل مین اونٹ چرا رہے تھے آکر کہا، کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل مین اونٹ چرائین اور لوگ بادشاہت و حکومت کے لئے اپنی قسمت آزمائین، حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا، خاموش! مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "خدا مستغنی اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے"[3]

جنابِ مرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے منازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے جب پنچایت مقرر ہوئی، تو حضرت سعد وقاصؓ بھی اس خوشی مین کہ اب خانہ جنگیون اور خونریزیون کا خاتمہ ہو جائے گا فیصلہ سننے کے لئے دومۃ الجندل تشریف لائے، لیکن جب یہ بے نتیجہ ثابت ہوئی تو پھر اپنے عزلتکدہ مین واپس گئے اور تمام جھگڑون سے قطعی طور پر کنارہ کش رہے،

وفات حضرت سعدؓ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر بمقام عقیق مین اپنے لئے ایک قصر تعمیر کرایا تھا،

---

[1] استیعاب جلد ۲ تذکرۂ سعدؓ [2] ابن سعد جزو ۳ قسم اوّل ترجمہ سعد بن ابی وقاصؓ [3] اسد الغابہ تذکرۂ سعدؓ مین اجمالاً اس کا ذکر ہے

Marfat.com

چنانچہ عزلت نشینی کی زندگی اسی میں بسر ہوئی، آخر عمر میں قویٰ مضمحل ہوگئے تھے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ ۵۵ھ میں طائر روح نے باغ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لئے اس قفس عنصری کو خیرباد کہا، حضرت سعدؓ نے وصیت کی تھی کہ جنگ بدر میں جو اونی کپڑا میرے جسم پر تھا اس سے کفن کا کام لیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا[1] اور لاش مدینہ لائی گئی، بعض امہات المومنین اس وقت تک زندہ تھیں، انہوں نے حکم دیا کہ اس جانثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ مسجد میں لایا جائے چنانچہ مسجد میں ان کے حجروں کے سامنے نماز ادا کی گئی، امہات المومنینؓ بھی نماز میں شریک تھیں، کسی نے مسجد میں نماز جنازہ پر اعتراض کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لوگ کس قدر جلد بھول گئے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل بن البیضاؓ پر مسجد میں نماز نہیں پڑھائی تھی[2]"۔

غرض اس تزک و احتشام کے ساتھ مقام بقیع میں مدفون ہوئے ستر برس سے زیادہ عمر پائی اور اس عرصہ میں وہ اپنے عظیم الشان کارناموں کی ایسی یادگار چھوڑ گئے کہ ان کے اخلاف قیامت تک فخر و مباہات کے ساتھ ان پر رطب اللسان رہیں گے۔

علم و فضل حضرت سعد وقاصؓ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحصیل علم میں کبھی پس و پیش یا شرم و حجاب دامنگیر نہ ہوتا تھا، ایک دفعہ بارگاہ نبوت میں حاضر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ عطیے مرحمت فرمائے لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعدؓ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے، ارشاد ہوا مومن یا مسلم، لیکن حضرت سعدؓ کو تشفی نہ ہوئی، انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا، غرض حضرت سعدؓ

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ثالث [2] اسد الغابہ تذکرہ سعد [3] ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرہ سعد بن ابی وقاصؓ،

Marfat.com

نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا یہان تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تشفی کر دی کہ بسا اوقات اس سے جس کو عطیہ دیتا ہون وہ شخص جس کو کچھ نہین دیتا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے[1]،

اخلاق وعادات حضرت سعدؓ کے صحف اخلاق مین خشیت الٰہی، حب رسول، تقوی، زہد، بے نیازی، اور خاکساری سب سے روشن ابواب ہین خوف خدا اور عبادت گذاری کا یہ حال تھا کہ عموماً رات کے اخیر حصے مین مسجد نبوی مین آکر نمازین پڑھا کرتے تھے[2]، طبیعت رہبانیت کی طرف بہت مائل تھی لیکن اسلام مین ممنوع ہونے کی وجہ سے مجبور تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عثمان بن مظعونؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت اور تبتل سے منع نہ فرمایا ہوتا تو مین اس کو اختیار کر لیتا[3]،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وجان نثاری کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تقریباً تمام غزوات مین ہمرکاب رہے، غزوۂ احد مین جب شکست رونما ہوئی اور تمام صحابہؓ پریشانی اور گھبراہٹ مین منتشر ہو گئے تو اس وقت تھوڑی دیر تک تنہا انھون نے اور حضرت طلحہؓ نے خیر الانامؐ کی حفاظت کا فرض انجام دیا تھا، سفر مین عموماً خود شوق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے گرد رات رات بھر پہرا دیتے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، رات کے وقت ایک جگہ قیام ہوا، یہان دشمنون کا سخت خطرہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک جاگتے رہے اور فرمانے لگے کہ کاش میرے اصحاب مین سے کوئی مرد صالح آج پہرہ دیتا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ تمام بھی نہین ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سننے مین آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ عرض کی سعد بن ابی وقاصؓ، ارشاد ہوا "تم کیسے آئے" عرض کی خود بخود یہ خیال پیدا ہوا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا چاہئے اس فرض کو انجام دینے آیا ہون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس

---

[1] بخاری کتاب الایمان باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ [2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۰ ، [3] ایضاً ص ۵ ، ،

جان نثاری سے نہایت خوش ہوئے اور دعا دی۔۱؎

عتبہ بن ابی وقاص حضرت سعدؓ کے حقیقی بھائی تھے، انھون نے حالت کفر مین غزوۂ احد مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک زخمی کیا تھا، حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے "واللہ مین عتبہ سے زیادہ کبھی کسی شخص کے خون کا پیاسا نہین ہوا"۔

اتباع سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کی کامل پیروی کو وہی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، بعض اہل کوفہ نے دربار خلافت مین شکایت کی کہ یہ نماز اچھی نہین پڑھاتے تو فرمانے لگے کہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سر مو انحراف نہین کرتا۔۲؎

ایک دفعہ مدینہ سے اپنے قصر کی طرف جو مقام عقیق مین تھا تشریف لیجا رہے تھے راہ مین ایک غلام کو درخت کاٹتے دیکھا، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا تھا، اس لئے انہون نے اس کے اوزار چھین لئے، غلام کے مالک نے آکر اس کا مطالبہ کیا تو فرمانے لگے، معاذ اللہ! مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش کو واپس کردونگا؟ اور اوزار کے واپس دینے سے قطعاً انکار کردیا۔۳؎

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اسلام حکومت و بادشاہت کے جھگڑون مین مبتلا تھی، اس وقت وہ مدینہ کے ایک گوشہ مین بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائین مانگ رہے تھے اور جو کوئی ان جھگڑون کی متعلق کچھ پوچھتا تو فرماتے کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا، جسمین سونے والا بیٹھنے والے سے، بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اچھا ہوگا"۔۴؎

تواضع اور خاکساری کا صرف اس سے اندازہ ہوگا کہ سپہ سالار کی اور گورنری کے بعد بھی جب کسریٰ کے وارثون نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لئے خالی کردیا تھا ان کو اونٹ اور بکریان تک

۱؎ مسلم مناقب سعدؓ ۲؎ بخاری باب صفة الصلوٰة ۳؎ مسلم باب فضل المدینہ ۴؎ مسند جلد ۱ ص ۱۶۹

Marfat.com

چرانے میں عار نہ تھا، افسر کی اطاعت کا یہ حال تھا کہ گھر میں آگ لگا دی گئی تو وہ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھتے رہے،

ذریعۂ معاش و جاگیر ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعدؓ رخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں جانبازی دکھاتے تھے لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادی حیثیت سے بھی اپنے فدائیوں کی عسرت و تنگ حالی کو دولت و ثروت سے مبدل کر دیا، خیبر کی مفتوحہ اراضی میں جاگیر ملی، ایران کے مال غنیمت میں حصہ ملا، اسی طرح دو فتنہ و فساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا، غرض آخیر زندگی میں ایک بڑی دولت کے مالک ہوئے کوفہ میں اور مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں عالیشان محلات تعمیر کرائے مگر باوجود اس کے غذا و لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، جسم فربہ، ناک چپٹی، سر بڑا اور ہاتھ کی انگلیاں نہایت موٹی اور مضبوط،

ازدواج حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں،

بنتؓ الشہاب، بنتؓ قیس بن معدی کرب، امؓ عامر بنت عمرو، زبدؓ، ام بلالؓ بنت ربیع، ام حکیم بنت قارظ، سلمیٰ بنت حفص، طیبہ بنت عامر، ام حجرؓ،

اولاد حضرت سعدؓ کے چونتیس اولادیں تھیں، ان میں سے لڑکے سترہ تھے، لڑکیاں بھی اسی قدر تھیں، سب کے نام حسب ترتیب ذیل ہیں،

لڑکے اسحاقؓ اکبر، عمرؓ، محمدؓ، عامرؓ، اسحاقؓ اصغر، اسمٰعیلؓ، ابراہیمؓ، موسیٰؓ، عبداللہؓ، عبداللہؓ اصغر، عبدالرحمٰنؓ، عمیرؓ اکبر، عمیر الاصغر، عمروؓ، عمرانؓ، صالحؓ، عثمانؓ،

لڑکیاں ام الحکیم کبریٰ، حفصہؓ، ام القسمؓ، کلثومؓ، ام عمرانؓ، ام الحکم صغریٰ، ام عمروؓ، ہندؓ، ام الزبیرؓ، ام موسیٰؓ، حمنہؓ، ام عمرؓ، ام ایوبؓ، ام اسحاقؓ، ملہؓ، عمرہؓ، عائشہؓ،

Marfat.com

حضرت ابو عُبَیدہ بن الجرّاحؓ

نام، نسب، خاندان عامر نام، ابو عبیدہ کنیت، امین الامۃ لقب، گو والد کا نام عبد اللہ تھا، لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے، سلسلۂ نسب یہ ہے عامر بن عبد اللہ بن الجراح بن ہلال بن اُہیب بن ضبہ بن الحارث بن الفہر القرشی الفہری، حضرت ابو عبیدہؓ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں فہر پر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے،

ماں بھی اسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اصحاب سیر کی تحقیق کے مطابق مسلمان ہوئیں،

اسلام حضرت ابو عبیدہؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تبلیغ و دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے[1]،

ہجرت اسلام قبول کرنے کے بعد قریش مکہ کے ظلم و ستم سے دو مرتبہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے، پھر آخری دفعہ سب کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت سعد بن معاذؓ میں باہم بھائی چارہ کرا دیا[2]،

غزوات مشرکین قریش نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور مبارزت طلبی کر کے میدان جنگ کی دعوت دی، چنانچہ غزوۂ بدر اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ اس جنگ میں سرگرم پیکار ہوئے، ان کے والد عبد اللہ بھی اس وقت تک زندہ تھے اور کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، انھوں نے تاک تاک کر خود اپنے لختِ جگر کو نشانہ بنانا چاہا،

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۲۹۷، [2] اصابہ جلد ۴ ص ۲۷،

Marfat.com

حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے لیکن جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتے تو بالآخر جوش توحید نسبی تعلق پر غالب آگیا، اور ایک ہی ہاتھ میں ان کا کام تمام کر دیا، درحقیقت یہ والہانہ جوش اور مذہبی وارفتگی کی نہایت سچی مثال تھی جس میں ماں باپ، بھائی، بہن، غرض تمام رشتہ دار بالکل ایک اجنبی دشمن کی طرح نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک نے اس انقطاع الی اللہ کی ان الفاظ میں داد دی،

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ	تم نہ پاؤ گے اس قوم کو جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائی کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفین سے محبت رکھتے ہوں گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا ان کے کنبہ ہی کے کیوں نہ ہوں، یہی وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنے فیضان غیبی سے ان کی مدد کی ہے،
(سورہ مجادلہ رکوع ۳)	

غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوگیا اور زرہ کی دو کڑیاں چبھ گئی تھیں، جس سے سخت تکلیف تھی، حضرت ابو عبیدہؓ نے دانت سے پکڑ کر کھینچا، اگرچہ ان کڑیوں نے نکلتے نکلتے ان کے دو دانت شہید کر دیئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری میں دو دانت کیا جان بھی نثار ہو جاتی تو پروا نہ تھی۔[1]

غزوۂ خندق، اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرم پیکار تھے، پھر ۶ھ میں جب قبیلہ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطراف مدینہ میں غارت گری شروع کی تو بارگاہ رسالت سے انکی سرکوبی پر مامور ہوئے، چنانچہ انھوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں چالیس آدمیوں کے ساتھ ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے جس نے

۱؎ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۸۵، ۲؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۹۸

Marfat.com

مدینہ پہنچ کر بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا،[1]

اسی سال بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے، بلکہ مقامِ حدیبیہ میں قریشِ مکہ سے جو عہد نامہ طے پایا، اس پر اُن کی شہادت بھی تھی،[2] پھر ۷ھ میں خیبر کی فتح کشی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے، اور اس کی فتح میں شجاعت و بہادری کے ساتھ حصہ لیا، ان مہمات سے فارغ ہونیکے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ذات السلاسل کی طرف روانہ فرمایا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے انہوں نے دربارِ رسالت سے کمک طلب کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ کی زیرِ امارت دو سو جنگی بہادر روانہ فرمائے، اس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے، غرض جب یہ فوج حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج سے مل گئی، تو قدرتاً امامت و سپہ سالاریِ عام کی بحث پیدا ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کی جلالتِ شان و علو رتبت کے مقابلہ میں حضرت عمرو بن العاصؓ کو اس شرفِ گرامی کا استحقاق نہ تھا، تاہم اُن کے ضد اور اصرار سے حضرت ابو عبیدہؓ نے امامت کا طوق خود اپنے گلے میں ڈال لیا، اور نہایت کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے غنیم کو زیر و زبر کر دیا،[3]

رجب ۸ھ میں ایک دوسری مہم خود حضرت ابو عبیدہؓ کی زیرِ قیادت ساحلی علاقوں کی طرف روانہ کی گئی، تاکہ قریشی قافلوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، اور سامانِ رسد میں صرف کھجوریں ساتھ کر دی گئیں، یہاں تک کہ جب یہ سرمایہ ختم ہونے لگا تو چند دنوں تک صرف ایک ایک کھجور پر قناعت کرنا پڑی، لیکن خدائے پاک نے بہت جلد یہ مصیبت دور کر دی، اور سمندر کے کنارے ایک ایسی عظیم الشان مچھلی مل گئی کہ مجاہدین نے عرصہ تک اس پر گذر اوقات کی اور کامیابی کے ساتھ

۱؎ ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ص ۹۵

Marfat.com

مدینہ واپس آئے[1]،

اسی سال مکہ فتح ہوا، پھر حنین اور طائف کی جنگیں پیش آئیں، حضرت ابو عبیدہؓ ان تمام معرکوں میں جانبازی کے ساتھ پیش پیش رہے،

متفرق خدمات جنگی مہمات کے علاوہ حضرت ابو عبیدہؓ کو بعض دوسری اہم خدمتیں بھی سپرد ہوئیں، مثلاً ۹ھ میں اہل نجران نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر ایک معلم دین کی درخواست کی جو مذہبی تعلیم و تلقین کے سوا ان کے جھگڑوں کو بھی فیصل کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو عبیدہ اٹھو" جب وہ کھڑے ہوئے تو اہل نجران سے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ امت کا امین ہے اس کو تمہارے ساتھ کرتا ہوں[2]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بحرین سے مصالحت کر لی تھی اور علاء بن الحضرمی کو بحرین کا امیر مقرر کیا تھا، حضرت ابو عبیدہؓ ایک دفعہ وہاں سے جزیہ کی رقم لانے پر مامور ہوئے، جب لیکر مدینہ پہنچے تو اس روز نماز صبح میں انصار کا غیر معمولی مجمع ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متبسم ہو کر فرمایا شاید تم لوگوں کو ابو عبیدہ کے آنے کی اطلاع ہو گئی ہے، لوگوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "بشارت ہو کہ آج تمہیں خوش کر دوں گا، لیکن خدا کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا بلکہ مجھے خوف ہے کہ پہلی قوموں کی طرح تمہارے اوپر بھی دنیا کشادہ ہو جائیگی، اور جس طرح ان کو منافست باہمی اور حسد و طمع نے ہلاک کر دیا ہے تمہیں بھی ہلاک کرے گی[3]"

۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے، حضرت ابو عبیدہؓ ہمرکاب تھے اس سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا پیدا ہو گیا، لیکن صلحاء امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہو گیا، اس آتشِ خرمن سوز

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ سیف البحر، [2] بخاری قصہ اہل نجران [3] بخاری کتاب الرقاق باب ما یحذر من زہرۃ الدنیا،

Marfat.com

کے بچھانے مین این امت کی کوششین بھی کسی سے کم نہ تھین، چنانچہ انھون نے انصارؓ کو مخاطب کر کے فرمایا

یامعشر الانصار انکم کنتم اول من نصر فلا تکونوا اول من غیرﷺ — اے گروہ انصار تم نے سب سے پہلے امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا اسلئے تم ہی سب سے پہلے افتراق و اختلاف کے بانی

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خود ان کے نام کو پیش کر کے فرمایا، دیکھو یہ عمر بن الخطاب موجود ہین جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اُن کی ذات سے خدا نے دین کو معزز کیا ہے، یہ دیکھو عبیدہ بن الجراحؓ موجود ہین جن کو امین الامت کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونون مین سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو، لیکن ان دونون بزرگون نے بالاتفاق صدیق اکبرؓ کی موجودگی مین اپنے استحقاق سے انکار کیا، اور بڑھ کر سب سے پہلے بیعت کر لی[1]، اس کے بعد تمام مہاجرین و انصار بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے، اور فتنہ کا ابر تاریک افق اسلام سے چھٹ گیا،

شام کی سپہ سالاری حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ مین ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرحبیل کو اردن پر، عمرو بن العاصؓ کو فلسطین پر مامور کیا، اور ہدایت کی کہ جب سب ایک جگہ مجتمع ہو جاین، تو ابو عبیدہؓ سپہ سالار عام ہون گے،

حضرت ابو عبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے، تو کثیر التعداد رومی فوجون کا سامنا ہوا یہ دیکھکر انھون نے تمام اسلامی فوجون کو یکجا کر لیا، اور دربار خلافت سے مزید کمک طلب کی، چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ جو عراق کی مہم پر مامور تھے، دربار خلافت کے حکم سے راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیان لڑتے بھڑتے شامی فوج سے آکر مل گئے، اور متحدہ فوج نے بصری فحل اور اجنادین کو فتح کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا،

---

[1] مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۸، مسند ابن حنبل

فتح دمشق دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ خلیفۂ اول نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور فاروق اعظمؓ کی ابتدائی حکومت میں خالد بن ولیدؓ بیدار مغزی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ فصیل پھاند گئے، اور شہر میں داخل ہوکر دروازے کھول دیئے، حضرت ابو عبیدہؓ اپنی فوج کے ساتھ تیار کھڑے تھے، فوراً اندر گھس گئے، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھا تو مصلحت اندیشی کے ساتھ اسلامی سپہ سالار اعظم سے مصالحت کرلی، حضرت خالدؓ کو خبر نہ تھی، وہ شہر کے دوسرے حصہ میں سرگرم پیکار تھے، عیسائی آکر ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچایئے، وسط بازار میں دونوں آدمیوں کا سامنا ہوا، حضرت ابو عبیدہؓ نے صلح کرلی، اور مفتوحہ حصہ کو بھی صلح میں رکھا، اور اس پر صلح کے شرائط جاری کئے[۱]

معرکۂ فحل دمشق فتح کر کے اسلامی فوجیں آگے بڑھیں، اور مقامِ فحل میں خیمہ افگن ہوئیں، رومیوں کا پڑاؤ فحل کے سامنے مقام بیسان میں تھا، انھوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیام بھیجا اور گفت و شنید کے لئے ایک سفیر طلب کیا، چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل اسی عہدہ پر مامور ہوئے، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور رومیوں نے براہِ راست حضرت ابو عبیدہؓ سے گفتگو کرنے کے لئے قاصد بھیجا، جس وقت وہ پہنچا تو دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ یہاں ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور افسری اور ماتحتی کی کوئی تمیز نظر آتی، آخر اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، اس وقت وہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، اس نے متعجب ہوکر کہا کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ فرمایا ہاں، قاصد نے کہا تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ، حضرت ابو عبیدہؓ نے انکار فرمایا، اور قاصد کے تیور دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا، غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، حضرت ابو عبیدہؓ ایک ایک صف میں جاکر کہتے تھے،

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر — خدا کے بندو! صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو کیونکہ

[۱] ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۳۰

بالصّبر فَاِنَّ اللّٰہ مع الصَّابِرِین   خدا صبر کرنے والون کے ساتھ ہے،

حضرت ابو عبیدہؓ خود قلبِ فوج مین تھے، اور دانشمندی کے ساتھ سب کو لڑا رہے تھے، یہان تک کہ مسلمانون کی قلیل تعداد نے رومیون کی پچاس ہزار باقاعدہ فوج کو شکست دیدی، اور ضلع اردن کے تمام مقامات فرزندانِ توحید کے زیرنگین ہوگئے،

فتح حمص یہان سے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرتے ہوئے حمص کی طرف بڑھے، اور محاصرہ کا سامان پھیلا دیا، اہلِ حمص کچھ عرصہ تک کمک کی امید پر مدافعت کرتے رہے، لیکن جب ہر طرف سے مایوسی ہوئی تو انھون نے خود بخود شہر حوالہ کردیا،[1] حضرت ابو عبیدہؓ نے یہان عبادہ بن صامتؓ کو چھوڑ کر لاذقیہ کا رُخ کیا، اور راہ مین شیزر، حماۃ، معرۃ النعمان اور دوسرے مقامات مین اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے منزل مقصود پر دم لیا،

لاذقیہ نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو فتح کرنے کی ایک نئی تدبیر اختیار کی، یعنی میدان مین بہت سے پوشیدہ غار کھدوائے، اور محاصرہ اٹھا کر حمص کی طرف روانہ ہوگئے، شہر والون نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے، اس کو تائیدِ غیبی خیال کیا، اور اطمینان کے ساتھ شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار مین مصروف ہوگئے، لیکن حضرت ابو عبیدہؓ اسی رات کو اپنے سپاہیون کے ساتھ پلٹ کر غار مین چھپ رہے تھے، صبح کے وقت نکل کر دفعۃً شہر مین گھس گئے، اور آسانی کے ساتھ اسلام کا علم بلند کردیا،[2]

یرموک کی فیصلہ کن جنگ رومیون کی متواتر ہزیمتون نے اُن کے آتشِ غیظ و غضب کو بھڑکا دیا،[3] ہرقل شہنشاہ روم کی دعوت پر تمام اطرافِ ملک سے ٹڈی دل فوج جمع ہوگئی، حضرت ابو عبیدہؓ کو خود شامی امرا اور رؤسا نے جو باوجود مذہبی اختلاف کے اُن کے اخلاق کے گرویدہ ہوگئے تھے تمام

---

[1] ابن اثیر ج ۲ ص ۳۸۰ و فتوح البلدان ص ۱۳۷ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۹،

واقعات کی اطلاع دی، انھون نے اچھی طرح سے غنیم کی تیاریون کی تحقیقات کرکے اپنے ماتحت افسرون کو جمع کیا اور ایک پرجوش تقریر کے بعد اس مہیب سیلاب کے روکنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، یزید بن ابی سفیانؓ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ عورتون اور بچون کو شہر مین چھوڑ کر ہم لوگ مقابلہ کے لیے نکلیں، اس کے ساتھ خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئین" شرجیل بن حسنہ نے کہا "یزید کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے لیکن ہم کو اپنا ننگ وناموس شہر کے عیسائی باشندون کے رحم پر نہ چھوڑنا چاہیے" حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، تو پھر سر دست اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیون کو شہر بدر کردین، شرجیل نے اٹھ کر کہا، اے امیر یہ صریحاً نقض عہد ہوگا تجھکو ہرگز اس کا حق نہین ہے" حضرت ابو عبیدہؓ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کرلی، اور بالآخر بحث ومباحثہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ مفتوحہ ممالک چھوڑکر تمام فوجین دمشق مین مجتمع ہون، غرض اس قرارداد کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے عیسائیون سے جو کچھ جزیہ یا خراج لیا تھا، سب واپس کردیا، اور فرمایا کہ یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا لیکن جب ہم سر دست اس سے عاجز ہین تو پھر ہم کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی استحقاق نہین ہے، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی سب واپس کردی گئی، عیسائیون پر اس حق پسندی وانصاف کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدا تم کو پھر واپس لائے"[1]

دمشق مین جب اسلامی فوجین مجتمع ہوگئین تو حضرت ابو عبیدہؓ نے آگے بڑھ کر یرموک کے میدان مین (جو جنگی ضروریات کے لحاظ سے نہایت مناسب موقع تھا) مورچہ جمایا، اسی اثنا مین اردن سے حضرت عمرو بن العاصؓ کا خط پہنچا کہ آپ کی مراجعت نے اس علاقہ پر نہایت برا اثر ڈالا ہے اور ہر طرف بغاوت وشورش پھیل گئی ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب مین لکھا کہ ہم کو مصلحتاً پیچھے ہٹنا پڑا تاکہ تمام منتشر قوت مجتمع ہوجائے، بہرحال تم اپنی جگہ جمے رہو مین عنقریب آکر تم سے ملتا ہون،

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۳، ۱۴۴

Marfat.com

مسلمانون کے پیچھے ہٹ آنے سے رومیون کی ہمت بڑھ گئی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ یرموک پہنچکر مسلمانون کے مقابلہ مین خیمہ زن ہوئے تاہم جو عربی تلوار کا مزہ چکھ چکے تھے وہ دل سے صلح کے متمنی تھے، سپہ سالار اعظم باہان کی بھی یہی خواہش تھی، غرض جارج نامی ایک رومی قاصد اسلامی لشکرگاہ مین پہنچا کہ کسی مسلمان سفیر کو ساتھ لے جائے، اس وقت شام ہو چکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمانون کے موثر طریقۂ عبادت، خشوع وخضوع اور محویت واستغراق نے اس پر عجیب وغریب کیفیت طاری کی، وہ استعجاب کے ساتھ دیکھتا رہا، یہان تک کہ جب نماز ہو چکی تو اس نے حضرت ابو عبیدہؓ سے چند سوالات کئے، جن مین ایک یہ بھی تھا کہ عیسیٰؑ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت ابوعبیدؓ نے قرآن کی یہ آیتین پڑھین،

یَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ (نساء ع ۲۳)	اے اہل کتاب اپنے دین مین زیادہ غلو نہ کرو، اور خدا کی طرف حق کے سوا غلط باتین نہ منسوب کرو حقیقت مین مسیح بن مریم خدا کے رسول اور اس کا کلمہ مین جس کو اس نے اُنکی طرف ڈالدیا تھا،
لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ (نساء ع ۲۳)	مسیح بن مریم اور ملائکہ مقربین کو خدا کی بندگی مین عار نہین ہے،

جارج نے ان آیتون کا ترجمہ سنا تو بے اختیار پکار اٹھا بے شک عیسیٰؑ کے یہی اوصاف ہین اور درحقیقت تمھارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہکر بطیب خاطر مسلمان ہو گیا، وہ اپنی قوم مین واپس جانا نہین چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ رومیون کو بد عہدی کا گمان نہ ہو واپس جانے پر مجبور کیا، اور فرمایا کہ کل جو سفیر یہان سے جائے گا اس کے ساتھ چلے آنا،[1]

---

[1] طبری کے نزدیک جارج خالدؓ کی کوشش سے اسلام لایا،

Marfat.com

غرض دوسرے روز حضرت خالدؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے لیکن اس سفارت کا بھی اس کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ دونوں فریق اور بھی زیادہ جوش وخروش کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہوگئے کیونکہ مسلمانوں کی طرف دو شرطیں تھیں جو ہر موقع پر پیش کی جاتی تھیں اور ان میں تغیر وتبدل قطعاً ناممکن تھا یعنی "اسلام" یا "جزیہ" دوسری طرف رومی جو اپنی شاہنشاہی کے نشہ میں سرشار تھے ایسے شرائط کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے،

بہرحال جنگ شروع ہوئی اور گو مسلمان تعداد میں صرف تیس پینتیس ہزار تھے تاہم افسران فوج کی دانشمندی، فن سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی جوش نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیئے اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ستر ہزار رومی کھیت رہے اسلمان بھی کم وبیش تین ہزار شہید ہوئے جن میں ضرار بن ازورؓ، ہشام بن العاصؓ، ابان، سعیدؓ وغیرہ جیسے جنگ آزما افسر بھی تھے،

فتح یرموک کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے خیر مقدم کے لئے تیار تھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے حمص پہنچکر حضرت خالدؓ سیف اللہ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے یہ دونوں مقامات آسانی کے ساتھ مفتوح ہوگئے چند دنوں کے بعد اہل انطاکیہ نے بھی سپر ڈالدی، غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہوگیا،

بیت المقدس ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ فلسطین کی مہم حضرت عمرو بن العاصؓ کے سپرد تھی، چنانچہ وہ بڑے بڑے شہر فتح کر کے عرصہ سے بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ہوئی تو وہ بھی اس فوج سے آملے، عیسائیوں نے ایک عرصہ کی قلعہ بندی سے تنگ آکر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط لگائی کہ امیر المومنین خود یہاں آکر اپنے ہاتھ سے معاہدۂ صلح لکھیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر اس شرط سے مطلع کیا اور ملک شام تشریف لانے کی دعوت دی، حضرت عمرؓ مدینہ سے روانہ ہوکر مقام جابیہ پہنچے، حضرت ابوعبیدہؓ

Marfat.com

نے اپنے ماتحت افسرون کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بیت المقدس کے نمایندے بھی یہین پہنچے اور معاہدۂ صلح ترتیب پانے کے بعد اس مقدس شہر پر قبضہ ہوگیا[1]

رومیون کی آخری کوشش | شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کا ہاتھ سے نکل جانا رومیون کے لئے سخت سوہان روح تھا، انھون نے جزیرہ اور آرمینیہ والون کی امداد سے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کی اور ایک عظیم الشان جمعیت کے ساتھ حمص کی طرف بڑھے،

حضرت ابو عبیدہؓ نے بھی ادھر ادھر سے فوجین جمع کین اور دربار خلافت کو تمام واقعات سے مطلع کیا، چنانچہ امیر المومنین کے حکم سے عراق سے ایک بہت بڑی کمک پہنچ گئی اور حضرت ابو عبیدہؓ اس عظیم الشان قوت کے ساتھ رومی سیلاب کو روکنے کے لئے آگے بڑھے، میدان جنگ مین پہنچکر باقاعدہ صف آرائی کی اور ایک پر جوش و موثر تقریر کے بعد فرمایا "مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی، مین گواہی دیتا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت مین جائے گا" اس زمانہ مین اسلام کا ہر ایک فرزند جوش ملی اور غیرت دینی کا مجسم نمونہ تھا، اس تقریر نے اور بھی گرما دیا، غرض مجاہدین نے اس زور سے حملہ کردیا کہ رومیون کے پاؤن اکھڑ گئے اور مرج الدیباج تک بھاگتے چلے گئے، اسی طرح رومیون کی آخری کوشش بھی ناکام رہی اور پھر انھین کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہ ہوا،

امارت | حضرت خالد سیف اللہ دمشق کے امیر یا والی مقرر ہوئے تھے، لیکن ۱۷ھ مین حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کرکے یہ عہدہ بھی حضرت ابو عبیدہؓ کو تفویض کیا، حضرت خالد دمشق سے روانہ ہونے لگے تو انھون نے لوگون سے کہا "تمھین خوش ہونا چاہئے کہ امین امت تمھارا والی ہے" حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کے جواب مین کہا، مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "خالد خدا کی تلوارون مین سے ایک تلوار

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۵

ہے" غرض اسی لطف و محبت کے ساتھ امارت یا ولایت کا چارج لینے کے بعد ملکی انتظامات میں مصروف ہوئے،

حضرت عمرؓ نے انتظامی حیثیت سے ملک شام میں جو مختلف اصلاحیں جاری کیں، ان میں سے اکثر حضرت ابو عبیدہؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئیں، سنہ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو نہایت سرگرمی کے ساتھ شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھیجے[1]، اشاعت اسلام کا بھی ان کو خاص خیال تھا، چنانچہ قبیلۂ تنوخ، بنو سلیح اور عرب کے دوسرے بہت سے قبائل جو مدت سے شام میں آباد ہوگئے تھے اور عیسوی مذہب کے پیرو تھے، حضرت ابو عبیدہؓ کی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، بعض شامی اور رومی عیسائی بھی ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام لائے،

طاعونِ عمواس | سنہ۱۸ھ میں تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی، خصوصاً شام میں اس نے بہت نقصان پہنچایا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ خود تدبیر و انتظام کے لئے دار الخلافہ چھوڑ کر مقام سرغ پہنچے، حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے سرداروں نے یہاں استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے شدت کی کیفیت سنکر پہلے مہاجرینؓ اور پھر انصارؓ سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، اس کے بعد مہاجرینِ فتح سے جو عموماً قریش کے بوڑھے تجربہ کار لوگ تھے مشورہ چاہا، انھوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سردست یہاں سے لوگوں کا منتقل ہو جانا مناسب ہوگا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں کل صبح واپس جاؤں گا سب ساتھ چلیں، چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے، اس لئے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا اور آزادی کے ساتھ کہا، "افرارًا من قدر اللہ"، یعنی تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؛ حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابو عبیدہؓ کی رائے سے اختلاف ظاہر کرنا ناپسند کرتے تھے اس لئے انھوں نے کہا کاش! تمھارے سوا کوئی دوسرا یہ جملہ کہتا، ہاں تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں لیکن تقدیر

[1] طبری ص ۲۵۷۰

Marfat.com

الٰہی کی طرف[1]"

غرض حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے اور حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھ کر بلایا کہ کچھ دنون کے لئے یہان چلے آؤ، تم سے کچھ کام ہے، حضرت ابو عبیدہؓ اس طلبی کا مقصد سمجھ گئے اور لکھا کہ جو مقدر ہے وہ ہوگا مین مسلمانون کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہان سے ٹل نہین سکتا، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ٹلنے کا نام نہین لیتے تو پھر تاکید لکھا کہ فوج کو لیکر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف چلے جاؤ، اس وقت جہان پڑاؤ ہے وہ نہایت نشیبی اور مرطوب جگہ ہے، حضرت ابو عبیدہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے انتخاب پر جابیہ اٹھ گئے[2]،

جابیہ پہنچکر حضرت ابو عبیدہؓ طاعون مین مبتلا ہوئے، جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی، تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو جو ان کے اسلامی بھائی تھے اپنا جانشین کیا اور لوگون کو جمع کرکے ایک نہایت موثر تقریر کی، آخر مین فرمایا "صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور تمھارے نبی کریم کی دعوت ہے، پہلے بہت سے صلحاے روزگار اس مین جان بحق ہوئے ہین، اور اب عبیدہ بھی اپنے خدا سے اس سعادت مین حصہ پانے کا متمنی ہے[3]"

نماز کا وقت آیا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے جانشین کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، ادھر نماز ختم ہوئی اور ادھر راضی برضاے الٰہی یعنی عبیدہ بن الجراحؓ امین الامت نے داعی حق کو لبیک کہا، حضرت معاذ ابن جبل نے تجہیز و تکفین کا سامان کیا اور حاضرین کے سامنے ایک موثر و پر درد تقریر کے بعد کہا "صاحبو! آج تم مین سے ایک ایسا شخص اٹھ گیا کہ خدا کی قسم مین نے اس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، سیر چشم، عاقبت اندیش، باحیا اور خیر خواہ خلق کبھی نہین دیکھا، پس خدا سے اس کے لئے رحم و مغفرت کی دعا کرو[4]"

[1] مسلم باب الطاعون، [2] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۵۹، [3] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶، [4] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲

Marfat.com

حضرت ابو عبیدہؓ نے اٹھاون برس کی عمر پائی اور اس قلیل عرصہ میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے، فانا للہ وانا الیہ راجعون

اخلاق وعادات | حضرت ابو عبیدہؓ کے صحیفۂ اخلاق میں خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقویٰ زہد، تواضع، مساوات اور ترحم کے ابواب نہایت روشن ہیں،

خوفِ خدا کا یہ حال تھا کہ محض معمولی واقعات ان کے لئے سرمایۂ عبرت بنجاتے اور اکثر خدا کی ہیبت وجلال کو یاد کر کے چشم پرنم ہوجاتے تھے ایک دفعہ ایک شخص ان کے گھر آیا دیکھا تو زار وقطار رو رہے ہیں اس نے متعجب ہو کر پوچھا ابو عبیدہؓ خیر ہے؟ یہ رونا دھونا کیسا؟ کہنے لگے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے آیندہ فتوحات، اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا، ابو عبیدہ! اگر اس وقت تک تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے ایک خاص تمہاری ذات کے لئے، ایک تمہارے اہل وعیال کے لئے اور ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے، اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہیں، ایک تمہارے لئے، ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب وسامان کے لئے لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسی حال میں ملے گا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا،[1]

ہادیِ دین کی اطاعت، محبت اور خدمت گذری میں امینِ امت سے زیادہ کون پیش پیش رہتا؟ واقعۂ بدر میں باپ کو قتل کیا، رسولِ برحق کی راحت رسانی کے لئے دو دانت شہید کئے، غزوۂ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاصؓ سے اختلاف ہوا تو صرف اس لئے طوقِ اطاعت گلے میں ڈال لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاق باہمی کی ہدایت کی تھی اور فرمایا کہ میں تمہاری اطاعت

---

[1] مسند ج ۱ ص ۱۹۶

نہیں کرتا بلکہ فرمانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر گردن جھکاتا ہوں[1]

ایمنِ امت کا آخری لمحۂ حیات بھی اطاعتِ رسول میں گذرا، شام میں طاعون کی شدت ہوئی تو بڑے بڑے ثابت قدم بزرگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے، لیکن انھوں نے صرف اس وجہ سے ٹلنے کا نام نہ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھاگنے کی ممانعت کی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے، ان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتیں ایک حقیر ذرہ سے بھی زیادہ بے وقعت تھیں،

شام کی آب و ہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرزِ معاشرت کو بدل دیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے سفرِ شام کے موقع پر افسروں کو پر تکلف قبائیں اور زرق برق پوشاک پہنے دیکھا تو اس قدر غصہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں لیکن حضرت ابو عبیدہؓ جس حال میں ملے وہ وہی عرب کی سادگی تھی، بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی نکیل بھی معمولی رسی کی تھی، حضرت عمرؓ ان کے قیام گاہ پر تشریف لائے تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی تھی یعنی ڈھال، تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامانِ راحت نہ تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابو عبیدہؓ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے"، اس بے نیازِ عالم نے جواب دیا "امیر المومنین! ہمارے لئے یہی بس ہے"[2]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے، انھوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کر دی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ رکھا حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا، الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں[3]،

ایمنِ امت کی خاکساری اور تواضع کا اس سے اندازہ ہوگا کہ انھوں نے باوجود سپہ سالارِ اعظم ہونے کے جاہ و حشم سے کبھی سروکار نہ رکھا، رومی سفراء جب کبھی اسلامی لشکر گاہ میں آئے تو انھیں ہمیشہ

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۱۹۶ [2] اصابہ جلد ۴ ص ۱۲ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۰۱

سردارِ فوج کی شناخت مین وقت پیش آئی، ایک دفعہ ایک رومی قاصد آیا، وہ یہ دیکھکر متحیر ہو گیا کہ یہان سب ایک ہی رنگ مین ڈوبے ہوئے ہین، بالآخر اس نے گھبرا کر پوچھا تمھارا سردار کون ہے؟ لوگون نے حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، دیکھا تو ایک نہایت معمولی وضع قطع کا عرب فرشِ خاک پر بیٹھا ہے،

مساواتِ اسلامی کا صد درجہ خیال تھا، ان کے لشکر گاہ مین ایک معمولی مسلمان سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے، ایک دفعہ ایک مسلمان نے غنیم کے ایک سپاہی کو پناہ دی، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، لیکن سپہ سالارِ اعظم حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے فرمایا، ہم اس کو پناہ دیتے ہین کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک مسلمان سب کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے [1]۔"

حضرت ابو عبیدہؓ کا خلق و ترحم تمام خلق اللہ کے لئے عام تھا، شام مین ان کی شفقت اور رعایا پروری نے عیسائیون کو بھی مرہونِ منت بنا رکھا تھا، وہان عیسائیون کو نماز کے وقت ناقوس بجانے کی اور عام گذرگاہون مین صلیب نکالنے کی سخت ممانعت تھی، لیکن انھون نے عرضی پیش کی کہ کم سے کم سال مین ایک دفعہ عید کے روز صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابو عبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کر لی، اس رواداری کا یہ اثر ہوا کہ شامی خود اپنے ہم مذہب رومیون کے دشمن ہو گئے اور خوشی کے ساتھ جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے،

حضرت ابو عبیدہؓ کی خانگی زندگی کے حالات نامعلوم ہین تاہم اس قدر یقینی ہے کہ جذبۂ انقطاع الی اللہ نے بیوی بچون سے غیر معمولی شغف پیدا ہونے نہ دیا

[1] مسند جلد اص ۱۹۵

Marfat.com

حلیہ: حلیہ یہ تھا، قد لنبا، جسم نحیف و لاغر، چہرہ کم گوشت، سامنے کے دو دانت خدمت رسولؐ میں قربان ہوگئے تھے، ڈاڑھی گھنی نہ تھی، اور بعض روایات کے مطابق خضاب استعمال کرتے تھے،

اولاد و ازواج: حضرت ابو عبیدہؓ کی صرف دو بیویوں سے اولاد ہوئی، ہند بنت جابر سے یزید اور ورجا سے عمیر پیدا ہوئے، لیکن دونوں لاولد فوت ہوئے،

حضرت سعید بن زیدؓ

نام نسب، خاندان: سعید نام، ابو الاعور کنیت، والد کا نام زید اور والدہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی،

حضرت سعید بن زیدؓ کا سلسلۂ نسب کعب بن لوی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نفیل پر حضرت عمرؓ سے مل جاتا ہے، حضرت سعیدؓ کے والد زید ان سعادت مند بزرگوں میں تھے جن کی آنکھوں نے اسلام سے پہلے ہی کفر و شرک کے ظلمت کدہ میں توحید کا جلوہ دیکھا تھا اور ہر قسم کے فسق و فجور یہاں تک کہ مشرکین کے ذبیحہ سے بھی محترز رہے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بعثت وادیٔ بلدحؔ میں ملاقات ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے انکار فرمایا، پھر زید سے کہا گیا تو انھوں نے بھی انکار کیا اور کہا میں تمہارے بتوں کا چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتا،[۲]

زید کا دل کفر و شرک سے متنفر ہوا تو جستجوے حق میں دور دراز ممالک کی خاک چھانی، اور شام پہنچکر ایک یہودی عالم سے مقصود کی رہبری چاہی، اس نے کہا اگر خدا کے غضب میں حصہ

[۱] تنعیم کی راہ میں ایک مقام کا نام تھا فتح الباری جلد ۷ ص ۱۸۰۔ [۲] بخاری باب حدیث زید،

لینا ہے تو ہمارا مذہب حاضر ہے، زید نے کہا دین اسی سے بھاگا ہون، پھر اس مین گرفتار نہین ہو سکتا البتہ کوئی دوسرا مذہب بتا سکتے ہو تو بتاؤ" اس نے دین حنیف کا پتہ دیا، انھون نے پوچھا دین حنیف کیا ہے، بولا "دین حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب ہے جو نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ صرف خداے واحد کی پرستش کرتے تھے" یہان سے بڑھے تو ایک عیسائی عالم سے چارہ خواہ ہوئے، اس نے کہا "اگر خدا کی لعنت کا طوق چاہتے ہو تو ہمارا مذہب موجود ہے" زید نے کہا "خدارا کوئی ایسا مذہب بتاؤ جس مین نہ خدا کا غضب ہو نہ لعنت، مین ان دونون سے بھاگا ہون" بولا میرے خیال مین ایسا مذہب صرف دین حنیف ہے" غرض جب ہر جگہ سے دین ابراہیم کا پتہ ملا تو شام سے واپس ہوئے اور دونون ہاتھ اٹھا کر کہا "خدایا! تجھے گواہ بناتا ہون کہ اب مین دین حنیف کا پیرو ہون[1]"

زید کو اس کفرستان مین اپنے موحد ہونے کا نہایت فخر تھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ مین نے ایک دفعہ زید کو دیکھا کہ کعبہ سے پشت ٹیک کر کہہ رہے تھے "اے گروہ قریش! خدا کی قسم میرے سوا تم مین کوئی بھی دینِ ابراہیم پر قائم نہین ہے[2]"

ایام جاہلیت مین اہل عرب عموماً اپنی لڑکیون کو زندہ دفن کر دیتے تھے، لیکن خداے واحد کے اس تنہا پرستار کو ان معصوم ہستیون کے بچانے مین خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اور جب کوئی ظالم باپ اپنی بے گناہ بچی کے حلق پر چھری پھیرنا چاہتا تھا تو اس کی کفالت اپنے ذمہ لے لیتے اور جب جوان ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے "جی چاہے لے لو، یا میری ہی کفالت مین رہنے دو[3]"

اسلام جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حنیف کو زیادہ مکمل صورت مین دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور دعوتِ توحید شروع کی، تو گو اتفاق سے شیدائی زید منغفر ہستی پر موجود نہ تھے تاہم

---

[1] بخاری باب حدیث زید مین مفصل قصہ مذکور ہے ۱۲ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

ان کے فرزند سعیدؓ کے لئے یہ آواز بالکل مانوس تھی، انھوں نے نہایت ... کے ساتھ لبیک کہا اور اپنی نیک بخت بیوی کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے،

حضرت سعیدؓ کی بیوی حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں لیکن وہ خود اس وقت تک اسلام کی حقیقت سے ناآشنا تھے، بہن اور بہنوئی کی تبدیل مذہب کا حال سنکر نہایت برافروختہ ہوئے اور دونوں میاں بیوی کو اس قدر مارا کہ لہولہان ہوگئے، لیکن یہاں کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اس تمام زدوکوب کا صرف یہی ایک جواب تھا ؎

من زجانان گرچہ صد اندوہ جاں خواہم کشید ۔۔۔ نانہ پنداری کہ خود را ابرکران خواہم کشید

یہاں تک کہ ان بزرگوں کی اسی استقامت و استقلال نے خود حضرت عمرؓ کو بھی اسلام کی حقانیت کا جلوہ دکھا دیا، اور بالآخر عمر بن الخطاب سے فاروقِ اعظمؓ بنا دیا،

ہجرت اور غزوات

حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور حضرت رفاعہ بن عبد المنذرؓ انصاری کے مہمان ہوئے، کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت رافع بن مالکؓ انصاری میں بھائی چارہ کرادیا،[۱]

سنہ ۲ھ میں قریش مکہ کا وہ مشہور قافلہ جس کی وجہ سے جنگِ بدر پیش آئی ملک شام سے آرہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت طلحہؓ کو اس تجسس پر مامور فرمایا، یہ دونوں حدودِ شام میں بتجار پہنچکر کشد جہنی کے مہمان ہوئے اور جب قافلہ وہاں سے آگے بڑھا تو نظر بچاکر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کیفیت سے مطلع کریں، لیکن قافلہ نے کچھ سن گن پاکر ساحلی راستہ اختیار کیا، اور کفارِ قریش کی ایک بڑی جمعیت جو اس کی مدد کے لئے آئی تھی، اور پرستارانِ حق کے درمیان بدر کے میدان میں وہ مشہور معرکہ پیش آیا جس نے

[۱] ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۹۲ [۲] طبقات ابن سعد حصہ ... میں ترجمہ سعید بن زید،

Marfat.com

اسلام کو شکست سے محفوظ کر دیں۔

غرض جب وقت حضرت سعیدؓ مدینہ پہنچے، اس وقت غازیان دین فاتحانہ سرور و انبساط کے ساتھ میدان جنگ سے واپس آ رہے تھے چونکہ یہ بھی ایک خدمت پر مامور تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر کے مال غنیمت میں حصہ مرحمت فرمایا اور جہاد کے ثواب کی بھی بہرہ ور ہونے کی بشارت دی۔

حضرت سعیدؓ جنگ بدر کے سوا تمام غزوات میں مردانگی و شجاعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ لیکن افسوس ہے کہ کسی غزوہ کے متعلق کوئی تفصیلی واقعہ نہیں ملتا۔

عہد فاروقی میں جب شام پر باقاعدہ فوج کشی ہوئی تو حضرت سعیدؓ حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت پیدل فوج کی افسری پر متعین ہوئے، دمشق کے محاصرہ اور یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں نمایاں شجاعت و جانبازی کے ساتھ شریک کارزار تھے، اثنائے جنگ میں حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا۔ لیکن شوق جہاد نے اس سے بیزار کر دیا، حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں، اس لئے خط پہنچنے کے ساتھ کسی کو میری جگہ بھیج دیجئے میں عنقریب آپ کے پاس پہنچتا ہوں، حضرت ابوعبیدہؓ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر متعین کیا اور حضرت سعیدؓ پھر میدان رزم میں پہنچ گئے۔

وفات | فتح شام کے بعد حضرت سعیدؓ کی تمام زندگی نہایت سکون و خاموشی سے بسر ہوئی یہاں تک کہ ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ستر برس تک اس سرائے فانی میں رہ کر رحلت گزین عالم جاودانی ہوئے، چونکہ نواح مدینہ میں بمقام عقیق آپ کا مستقل مسکن تھا اس لئے وہیں وفات پائی جمعہ کا دن تھا حضرت

۱؎ طبقات ابن سعد تذکرہ سعید بن زیدؓ، ۲؎ ایضاً حصہ بدریین تذکرہ سعید بن زیدؓ،

Marfat.com

عبداللہ بن عمرؓ نماز جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ وفات کی خبر سنی اسی وقت عقیق کی طرف روانہ ہوگئے، حضرت سعد وقاصؓ نے غسل دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مدینہ لاکر سپردِ خاک کیا انا للہ وانا الیہ راجعون،[1]

ذاتی حالات اور اخلاق وعادات

حضرت سعیدؓ کا دل دنیاوی جاہ وحشمت سے مستغنی تھا، صرف مقام عقیق کی جاگیر پر گذر اوقات تھی، آخر میں حضرت عثمانؓ نے عراق میں بھی ایک جاگیر دی تھی،

امیر معاویہؓ کے عہد میں اروی نام ایک عورت نے جس کی زمین ان کی جاگیر سے ملی ہوئی تھی مدینہ کے عامل مروان بن حکم کے دربار میں شکایت کی کہ انھوں نے اس کی کچھ زمین دبا لی ہے، مروان نے تحقیقات کے لئے دو آدمی متعین کئے، حضرت سعیدؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کے آگے قتل ہو وہ شہید ہے" پھر مروان سے کہا، کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر کوئی کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم وزبردستی سے لے گا تو ویسی ہی سات زمینیں قیامت میں اس کے گلے کا ہار ہوں گی، مروان نے قسم کھانے کو کہا تو یہ اپنی زمین سے باز آگئے اور اس عورت کے حق میں بددعا کے طور پر فرمایا "اے خدا! اگر یہ جھوٹی ہے تو اندھی ہوکر مرے اور اس کے گھر کا کنواں خود اس کے لئے قبر بنے، خدا کی قدرت بددعا کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگا، وہ عورت بہت جلد بصارت کی نعمت سے محروم ہوگئی اور ایک روز گھر کے کنویں میں گر کر راہی عدم ہوئی، چنانچہ یہ واقعہ اہل مدینہ کے لئے ضرب المثل ہوگیا، اور وہ عموماً یہ بددعا دینے لگے، اعماک اللہ کما اعمی اروی"[2]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ ۳ بدریین تذکرۂ سعید بن زیدؓ، [2] استیعاب جلد ۲ ص ۵۵۴

Marfat.com

حضرت سعیدؓ کے سامنے بہت سے انقلابات برپا ہوئے، بیسیون خانہ جنگیان پیش آئین اور گو وہ اپنے زہد و اتقاء کے باعث ان جھگڑون سے ہمیشہ کنارہ کش رہے تاہم جس کی نسبت جو رائے رکھتے تھے اس کو آزادی کے ساتھ ظاہر کرنے مین تامل نہین کرتے تھے، حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو وہ عموماً کوفہ کی مسجد مین فرمایا کرتے تھے "تم لوگون نے عثمانؓ کے ساتھ جو سلوک کیا، اس سے اگر کوہ احد متزلزل ہوجائے تو کچھ عجب نہین[1]،

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، ایک روز وہ جامع مسجد مین عوام کے ایک حلقہ مین بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زیدؓ داخل ہوئے تو انھون نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا، اسی اثناء مین ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان مین نا ملائم کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعیدؓ سے ضبط نہ ہوسکا بولے "مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمھارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثارون کو گالیان دیتے ہین اور تم منع نہین کرتے، اس کے بعد اصحاب عشرہؓ مین سے آٹھ آدمیون کا نام لیکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو مین نوین آدمی کا نام بھی لے سکتا ہون، لوگون نے اصرار کیا تو فرمایا نوان مین ہون[2]،

حضرت سعیدؓ کے حالات بہت کم معلوم ہین تاہم وہ بالاتفاق ان صحابۂ کرامؓ مین تھے جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ ہین، وہ لڑائیون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے رہتے تھے اور نماز مین پیچھے[3]،

حلیہ یہ تھا قد لانبا بال بڑے بڑے اور گھنے،

اہل وعیال حضرت سعیدؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کی تھین، بیویون کے نام یہ ہین،

---

[1] بخاری باب اسلام سعید بن زیدؓ [2] مسند جلد اص ۱۸۸ [3] اسد الغابہ ترجمہ سعید بن زیدؓ

Marfat.com

فاطمہ (ام جمیل) علیہ بنت سوید، امامہ بنت الذبیح، حزمہ بنت قیس، ام الاسود، صبح بنت الاصبغ، بنت قریبہ، ام خالد، ام بشیر بنت ابی مسعود الغفاری،

ان بیویوں نیز لونڈیوں کے بطن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد ہوئی لیکن ان میں سے اکثر لاولد ہوئی جن لڑکوں اور لڑکیوں کے نام معلوم ہو سکے وہ علیحدہ علیحدہ درج ذیل ہیں،

لڑکے	عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اصغر، عبداللہ اکبر، عبداللہ اصغر، عمر اکبر، عمر اصغر، محمد، اسود، زید، طلحہ، خالد، ابراہیم اکبر، ابراہیم اصغر،
لڑکیاں	عاتکہ، ام موسیٰ، ام الحسن، ام سلمٰی، ام حبیب کبریٰ، ام حبیب صغریٰ، ام زید کبریٰ، ام زید صغریٰ، ام سعید، ام سلمہ، حفصہ، ام خالد، عائشہ، زینب، ام عبد الحولا، ام صلح

سیدالشہدا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب

نام و نسب حمزہ نام، ابو یعلی اور ابو عمارہ کنیت، اسد اللہ لقب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے، ان کی طرف سے یہ تعلق تھا کہ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کی چچازاد بہن تھیں، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے حمزہ بن عبد المطلب بن ہاشم ابن عبد مناف بن قصی،

اس نسبی تعلق کے علاوہ حضرت حمزہؓ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے، یعنی ابولہب کی لونڈی حضرت ثویبہؓ نے دونوں کو دودھ پلایا تھا، سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برس بڑے تھے، شمشیر زنی، تیر اندازی اور پہلوانی کا بچپن ہی سے شوق تھا، سیر و شکار سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ زندگی کا بڑا حصہ اسی مشغلہ میں بسر ہوا،

۱؎ ازواج و اولاد کی تمام تر تفصیل طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

اسلام | دعوتِ توحید کی صدا گو ایک عرصہ سے مکہ کی گھاٹیون مین گونج رہی تھی تاہم حضرت حمزہؓ جیسے سپاہی منش کوان باتون سے کیا تعلق ؟ انھین صحرانوردی اور سیر وشکار سے کب فرصت تھی جو شرک وتوحید کی حقانیت پر غور کرتے لیکن خدا نے عجیب طرح سے ان کی رہنمائی کی، ایک روز جب معمول شکار سے واپس آرہے تھے کو وصفا کے پاس پہنچے تو ایک لونڈی نے کہا ابو عمارہ! کاش تھوڑی دیر پہلے تم اپنے بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے، وہ خانۂ کعبہ مین اپنے مذہب کا وعظ کہہ رہے تھے کہ ابو جہل نے نہایت سخت گالیان دین اور بہت بری طرح ستایا لیکن محمدؐ نے کچھ جواب نہ دیا اور بے بسی کے ساتھ لوٹ گئے، یہ سننا تھا کہ رگِ حمیت مین جوش آگیا، تیزی کے ساتھ خانۂ کعبہ کی طرف بڑھے ان کا قاعدہ تھا کہ شکار سے واپس آتے ہوئے کوئی راہ مین مل جاتا تو کھڑے ہو کر ضرور اس سے دو دو باتین کر لیتے تھے لیکن اس وقت جوشِ انتقام نے مغلوب الغضب کر دیا تھا، کسی طرف متوجہ نہ ہوئے اور سیدھے خانۂ کعبہ پہنچکر ابو جہل کے سر پر زور سے اپنی کمان دے ماری جس سے وہ زخمی ہوگیا، یہ دیکھ کر بنی مخزوم کے چند آدمی ابو جہل کی مدد کے لئے دوڑے اور بولے، حمزہ شاید تم بھی بددین ہوگئے، فرمایا وہ جب اس کی حقانیت مجھ پر ظاہر ہوگئی تو کون چیز اس سے باز رکھ سکتی ہے؟ ہان! مین گواہی دیتا ہون کہ محمدؐ خدا کے رسول ہین اور جو کچھ وہ کہتے ہین سب حق ہے، خدا کی قسم اب مین اس سے پھر نہین سکتا، اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو، ابو جہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو، خدا کی قسم مین نے ابھی اس کے بھتیجے کو سخت گالیان دی ہین[۱]

یہ اسلام کا وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین تھے، اور مومنین کا حلقہ صرف چند کمزور وناتوان ہستیون پر محدود تھا لیکن حضرت حمزہؓ کے اضافہ سے دفعۃً حالت بدل گئی اور کفار کی مطلق العنان دست درازیون اور ایذا رسانیون کا سدِ باب ہوگیا،

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۹۳

Marfat.com

کیونکہ ان کی شجاعت وجانبازی کا تمام مکہ لوہا مانتا تھا،[1]

حضرت امیر حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ نے آستانۂ نبوتؐ پر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، اس لئے صحابۂ کرامؓ کو تردد ہوا لیکن اس شیر خدا نے کہا، "کچھ مضائقہ نہیں آنے دو اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دون گا" غرض وہ اندر داخل ہوئے تو کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا اور مسلمان جوشِ مسرت سے اللہ اکبر کے نعرے بلند کر رہے تھے،[2]

مواخات مکہ کی مواخات مین حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زید بن حارثہؓ حضرت حمزہؓ کے اسلامی بھائی قرار پائے، ان کو حضرت زیدؓ سے اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ جب غزوات مین تشریف لیجاتے تو ان ہی کو ہر قسم کی وصیت کر جاتے تھے،[3]

ہجرت بعثت کے تیرہوین سال تمام صحابۂ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے، جہان ان کو زور بازو اور فداوادِ شجاعت کے جوہر دکھانے کا نہایت اچھا موقع ہاتھ آیا، چنانچہ پہلا اسلامی پھریرا ان ہی کو عنایت ہوا، اور تیس آدمیون کے ساتھ ساحلی علاقہ کی طرف روانہ کئے گئے کہ قریشی قافلون کے سدِ راہ ہون، غرض وہان پہنچکر ابوجہل کے قافلہ سے جس مین تین سو سوار تھے مڈ بھیڑ ہوئی اور طرفین نے جنگ کے لئے صف بندی کی، لیکن مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کرکے لڑائی روک دی اور حضرت امیر حمزہؓ بغیر کشت وخون واپس آئے،[4]

غزوات اسی سال ماہ صفر مین خود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی دفعہ تقریباً ساٹھ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ قریشِ مکہ کی نقل وحرکت مین سدِ راہ ہونے کے لئے ابواء پر فوج کشی فرمائی، حضرت حمزہؓ علمبردار تھے اور تمام فوج کی کمان ان کے ہاتھ مین تھی لیکن قریش کا قافلہ آگے

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حمزہؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۹ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث،

[4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۲،

بڑھ چکا تھا اس لئے جنگ وجدل کا موقع پیش نہ آیا تاہم اس مہم کا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اثر یہ تھا کہ بنو ضمرہ سے ایک دوستانہ معاہدہ طے پاگیا۔[1]

اسی طرح سنہ ۲ھ میں غزوہ عشیرہ پیش آیا، اس میں بھی علمبرداری کا طرۂ افتخار حضرت امیر حمزہؓ کے دستار فضل وکمال پر آویزاں تھا، لیکن اس دفعہ بھی کوئی جنگ واقع نہ ہوئی اور صرف بنو مدلج سے امداد باہمی کا ایک عہدنامہ طے پایا۔[2]

غزوۂ بدر | اسی سال بدر کا مشہور معرکہ پیش آیا، صف آرائی کے بعد عتبہ، شیبہ، اور ولید نے کفار کی طرف سے نکل کر مبارزطلبی کی تو غازیان دین میں سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھے لیکن عتبہ نے پکار کر کہا، محمدؐ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے ہمارے مقابل والوں کو بھیجو، ارشاد ہوا حمزہ! علی! عبیدہ! اٹھو اور آگے بڑھو، حکم کی دیر تھی کہ یہ تینوں نبرد آزما بہادر تیغ و خنجر سے کھیلتے ہوئے اپنے حریف کے مقابل جا کھڑے ہوئے، حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی حملہ میں عتبہ کو واصل جہنم کیا، حضرت علیؓ بھی اپنے حریف پر غالب آئے لیکن حضرت ابوعبیدہؓ اور ولید میں دیر تک کشمکش جاری رہی، دونوں زخمی ہوگئے تو ان دونوں نے ایک ساتھ حملہ کرکے اس کو تہ تیغ کردیا،[3] یہ دیکھ کر طعیمہ بن عدی جوش انتقام میں آگے بڑھا لیکن شیر خدا نے ایک ہی وار میں اس کو بھی ڈھیر کردیا، مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کردیا، دوسری طرف سے مجاہدین اسلام بھی اپنے دلاوروں کو نرغہ میں دیکھ کر ٹوٹ پڑے، نہایت گھمسان کا رن پڑا، اسد اللہ حمزہؓ کے دستار پر شتر مرغ کی کلغی تھی اس لئے جس طرف گھس جاتے تھے صاف نظر آتے تھے، دونوں ہاتھ میں تلوار تھی اور مردانہ وار دودستی حملوں سے پرے کے پرے صاف کررہے تھے، غرض جب تھوڑی دیر میں غنیم بہت سے قیدی اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا تو بعض قیدیوں نے پوچھا وہ کلغی لگائے یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا حمزہؓ! بولا آج ہم کو سب سے زیادہ نقصان اسی نے پہنچایا۔[4]

غزوۂ بنی قینقاع | بنو قینقاع [illegible] تھی، چونکہ یہ عبداللہ بن

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص [illegible] ابوداؤد جلد [illegible] ص [illegible] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ [illegible]

ابی سلول کے حلیف تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستانہ معاہدہ طے پا گیا تھا لیکن غزوۂ بدر کی کامیابی نے ان کے دلوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑکا دی، اور علانیہ سرکشی پر آمادہ ہوگئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد شکنی کے باعث اسی سال ماہ شوال میں ان پر فوجکشی فرمائی، اور بزور اطراف مدینہ سے جلاوطن کردیا، حضرت حمزہؓ اس معرکہ میں بھی علمبرداری کے منصب پر مامور تھے،[1]

غزوۂ احد | بدر کی شکست فاش نے مشرکین قریش کے توسن غیرت کے لئے تازیانہ کا کام کیا، اور جوش انتقام سے برانگیختہ ہوکر ۳ھ میں قریش کا سیلاب عظیم پھر مدینہ کی طرف بڑھا، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کے ساتھ نکل کر کوہ احد کے دامن میں اس کو روکا، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سباع نے بڑھ کر مبارز طلبی کی تو حضرت امیر حمزہؓ اپنی شمشیر خاراشگاف تولتے ہوئے میدان میں آئے اور للکار کر کہا "اے سباع! اے ام انمار مقنعہ نجس کے بچے! کیا تو خدا اور اس کے رسول سے لڑنے آیا ہے؟" یہ کہکر اس زور سے حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام ہوگیا،[2] اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوئی، اس شیر خدا نے روباہ کفر کے ٹڈی دل میں گھس کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے، جس طرف جھک پڑے صفیں کی صفیں الٹ دیں، غرض اس جوش سے لڑے کہ تنہا تیس کافروں کو واصل جہنم کردیا،[3]

شہادت | حضرت امیر حمزہؓ نے چونکہ جنگ بدر میں چن چن کر اکثر صنادید قریش کو تہ تیغ کیا تھا، اس لئے تمام مشرکین قریش سب سے زیادہ ان کے خون کے پیاسے تھے، چنانچہ جبیر بن مطعم نے ایک غلام کو جس کا نام وحشی تھا اپنے چچا طعیمہ بن عدی کے انتقام پر خاص طور سے تیار کیا تھا اور اس صلہ میں آزادی کا لالچ دلایا تھا، غرض وہ جنگ احد کے موقع پر ایک چٹان کے پیچھے گھات میں بیٹھا ہوا حضرت حمزہؓ کا انتظار کر رہا تھا، اتفاقاً وہ ایک دفعہ قریب سے گذرے تو اس نے اچانک اس زور سے اپنا حربہ پھینک کر

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۹، [2] بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہؓ [3] اسد الغابہ تذکرہ حمزہؓ،

Marfat.com

مارا کہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑے[1]، اس شیر خدا کی شہادت پر کفار کی عورتوں نے خوشی و مسرت کے ترانے گائے، ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے ناک کان کاٹ کر زیور بنائے، اور شکم چاک کرکے جگر نکالا اور چبا چبا کر تھوک دیا، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو پوچھا، اُس نے کچھ کھایا بھی ہے؟ لوگوں نے عرض کی نہیں، فرمایا خدا حمزہ کے کسی جزو کو جہنم میں داخل ہونے نہ دیتا[2]،

تجہیز و تکفین اختتام جنگ کے بعد شہداء اسلام کی تجہیز و تکفین شروع ہوئی، حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی لاش پر تشریف لائے، چونکہ ہندہ نے ناک، کان کاٹ کرکے نہایت دردناک صورت بنادی تھی۔ اس لئے یہ منظر دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا، اور مخاطب ہو کر فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہے، کیونکہ تم رشتہ داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے، نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، اگر مجھے صفیہ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تمہیں اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرند کھا جائیں اور تم قیامت میں ان ہی کے شکم سے اٹھائے جاؤ، خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب ہے، میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا"، لیکن تھوڑے ہی دیر کے بعد وحی الٰہی نے اس ناجائز انتقام کی ممانعت کر دی، اس لئے کفارہ یمین ادا کرکے صبر و شکیبائی اختیار فرمائی[3]،

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں، بھائی کی شہادت کا حال سنا تو روتے ہوئے جنازہ کے پاس آئیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے نہ دیا اور تسلی و تشفی دیکر واپس فرمایا، حضرت صفیہؓ اپنے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ کو دو چادریں دے گئی تھیں کہ ان سے کفن کا کام بن جائے لیکن پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور و کفن تھی، اس لئے انھوں نے دونوں شہیدوں میں ایک ایک چادر تقسیم کر دی، اس ایک چادر سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چادر سے چہرہ چھپاؤ اور پاؤں پر گھاس اور پتے ڈال دو غرض

۱؎ بخاری باب قتل حمزہؓ، ۲؎ طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص، ۳؎ ایضاً ص،،

Marfat.com

اس عبرت انگیز طریقہ سے سید الشہداء کا جنازہ تیار ہوا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد ایک ایک کرکے شہدائے احد کے جنازے ان کے پہلو میں رکھے گئے اور آپ نے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر نماز پڑھائی، اس طرح تقریباً ستر نمازوں کے بعد غازیانِ دین نے بعد اندوہ و الم اس شیرِ خدا کو اسی میدان میں سپردِ خاک کیا۔ [1] انا للہ وانا الیہ راجعون،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ پر شدید قلق تھا، مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی عبد اشہل کی عورتوں کو اپنے اپنے اعزہ واقارب پر روتے سنا تو فرمایا، افسوس! حمزہ کے لئے رونے والیاں بھی نہیں، انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو آستانۂ نبوت پر بھیجدیا، جنہوں نے نہایت رقت آمیز طریقہ سے سید الشہداء پر گریہ وزاری شروع کی، اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد بیدار ہوئے تو دیکھا کہ وہ اب تک رو رہی ہیں، فرمایا کیا، خوب! یہ سب اب تک بیٹھی رو رہی ہیں، انھیں حکم دو کہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر نہ روئیں، [1] بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت سے مدینہ کی عورتوں کا یہی دستور ہوگیا تھا کہ جب وہ کسی پر رونے بیٹھتی تھیں تو پہلے حضرت امیر حمزہؓ پر دو آنسو بہالیتی تھیں،

قاتل سے بیزاری

حضرت حمزہؓ کے قاتل حضرت وحشیؓ اسلام قبول کرکے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر پوچھا، کیا تم ہی وحشی ہو؟ عرض کی "ہاں" فرمایا، تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟ بولے حضور کو جو کچھ معلوم ہوا وہ صحیح ہے، ارشاد ہوا، کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟ عرض اسی وقت باہر آ پڑا اور پھر تمام عمر سامنے نہ جاسکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب مسیلمہ کذاب پر فوج کشی ہوئی تو یہ بھی اس میں شریک ہوئے کہ شاید میں اس کو قتل کرکے حمزہؓ کے نقصان کی تلافی کرسکوں، چنانچہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوئے، [2] اسی طرح خدا نے ان کی ذات سے اسلام کو جبرِ قدر

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۷ [2] ایضاً ص ۱۰، [3] بخاری باب قتل حمزہؓ

نقصان پہنچایا تھا اس سے زیادہ فائدہ پہنچایا،

اخلاق | حضرت امیر حمزہؓ کے اخلاق میں سپاہیانہ خصائل نہایت نمایاں ہیں شجاعت، جانبازی، اور بہادری ان کے مخصوص اوصاف تھے، مزاج قدرۃً تیز و تند تھا، شراب حرام ہونے سے پہلے اس کے عادی تھے، ایک دفعہ ایک انصار کے میخانہ میں صحبتِ احباب گرم تھی، اور دورِ ساغر کے ساتھ ایک رقاصہ کی خوش الحان راگنیوں سے محفل کا رنگ جما ہوا تھا اسی حالت میں اس نے دو اونٹوں کی طرف اشارہ کرکے جو سامنے بندھے ہوئے تھے یہ مصرعہ پڑھا،

الا یا حمزۃ للشرف النواء

حضرت حمزہؓ نشہ کی مدہوشی میں بے اختیار کود پڑے اور دونوں کے جگر اور کوہان کاٹ لائے، یہ اونٹ حضرت علیؓ کے تھے، انھوں نے یہ حال دیکھا تو آبدیدہ ہوکر دربارِ نبوت میں شکایت پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اور حضرت زید بن حارثہؓ کو ساتھ لئے ہوئے اسی وقت اس محفلِ طرب میں تشریف لائے اور حضرت حمزہؓ کو ملامت فرمانے لگے، لیکن یہاں ہوش و حواس پر نشہ کا قبضہ ہوچکا تھا، انھوں نے ایک دفعہ سر سے پاؤں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھور کر دیکھا اور آنکھیں لال پیلی کرکے بولے، "تم سب ہمارے باپ کے غلام ہو"، آپ نے مدہوشی کی یہ کیفیت دیکھی تو الٹے پاؤں لوٹ آئے،[1]

حضرت امیر حمزہؓ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور تمام نیک کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش سے مخاطب ہوکر اس طرح ان محاسن کی داد دی تھی،

رحمۃ اللہ علیک فانک کنت ما علمت — تم پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے

[1] بخاری کتاب فرض الخمس،

Marfat.com

وھو کان اللہ رحم فعی کا بلغ لہم[1]۔ تم قرابت داروں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے،

ازواج واولاد — حضرت حمزہؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، بنت الملہ، خولہ بنت قیس، سلمیٰ بنت عمیس، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے اولاد ہوئی، لڑکوں کے نام یہ ہیں، ابو یعلیٰ، عامر، عمارہ آخر الذکر دونوں لاولد فوت ہوئے، ابو یعلیٰ سے چند اولادیں ہوئیں لیکن وہ سب بچپن ہی میں قضا کر گئیں، اس طرح حضرت حمزہؓ کا سلسلۂ نسل شروع ہی میں منقطع ہوگیا[2]،

سلمیٰ بنت عمیس کے بطن سے امامہ نام ایک لڑکی بھی تھی، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت فرمائی تو بھائی بھائی لیکر اس نے پیچھا کیا، حضرت حمزہؓ کے رشتہ داروں میں سے حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ نے اس کو اپنی اپنی تربیت میں لینے کا دعویٰ پیش کیا لیکن آپ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ دیا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس، امامہ کی حقیقی خالہ تھیں، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ سے شادی کرنیکی ترغیب دی تھی، لیکن آپ نے انکار کردیا اور فرمایا حمزہؓ میرا رضاعی بھائی تھا[3]

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

نام، نسب — عباس نام، ابو الفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے،

عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف الہاشمی القرشی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباسؓ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶، [2] ایضاً ص ۶، [3] ایضاً،

Marfat.com

دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے[1]،

ابتدائی حالات

حضرت عباسؓ عہدِ طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہوگئے تھے، ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح وسلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک و احتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھیں جنہوں نے ایامِ جاہلیت میں خانۂ کعبہ کو دیبا و حریر سے مزین کیا[2]،

زمانۂ جاہلیت میں وہ قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے، خانۂ کعبہ کا اہتمام و انصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا[3]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوتِ توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباسؓ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا تاہم وہ دل سے اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہلِ یثرب نے جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانۂ حج میں بہتر انصار نے کفار سے چھپ کر منی کی ایک گھاٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس رازداری کے موقع پر حضرت عباسؓ بھی موجود تھے، انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا، گروہ خزرج! تم کو معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان میں معزز و محترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی صاف جواب دیدو[4]، انصارؓ نے اس کے جواب میں جاں نثاری و وفا شعاری کی ہامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے،

شرکت غزوۂ بدر

مشرکینِ قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکۂ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ

---

[1] اصابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلب [2] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ [3] ایضاً [4] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۴۳

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں ابو البختری عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے آجائیں تو قتل نہ کیے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، حضرت ابو حذیفہؓ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگذر نہیں کرتے تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، ابو حفص! دیکھتے ہو عم رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا، "اجازت دیجئے کہ اس کا سر اڑا دوں"، لیکن حضرت ابو حذیفہؓ ایک بلند پایہ صحابی تھے یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا آپ نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔[1]

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباسؓ، عقیلؓ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اس قدر کسی کر باندھی گئی تھیں کہ وہ درد کی آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرما سکے، صحابہ کرامؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کردیں۔[2]

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کپڑے بنوائے، لیکن حضرت عباسؓ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا، عبد اللہ بن ابی نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا،[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لئے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

دربار رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ (خزرج) سے تھیں، اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] ابن سعد قسم اول جزء سوم ص ۵، [2] ایضاً ص، [3] طبقات ابن سعد قسم اول دور ربع ص،،

Marfat.com

نے سادات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی[1]

حضرت عباسؓ نے ناداری کا عذر پیش کر کے کہا میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، مشرکین نے مجھ کو بجبر اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہو سکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباسؓ نے متعجب ہو کر کہا خدا کی قسم! اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بیشک آپ رسولِ خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی[2]

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت | حضرت عباسؓ کا ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا در حقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے راز ہائے سربستہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لئے تنہا مامن وملجا تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے جب کبھی رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ "آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا"[3]

گو حضرت عباسؓ نے عرصہ تک اپنے ایمان و عقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاطؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ آئے، اس زمانہ میں جنگ خیبر درپیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی

[1] بخاری جلد ۲ ص ۵۷۰، [2] مسند جلد ۱ ص ۳۵۳ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰،

ہوئے، خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ہلی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گرفتار ہوئے، اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے، میں اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجر دن کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مالِ غنیمت خرید لوں،

اس خبر سے یکایک تمام مکہ میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، وادی بطحاء کا ہر بچہ بادۂ انبساط سے مخمور ہوگیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباسؓ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج بنؓ علاط سے تخلیہ میں ملے اور پوچھا۔ حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے؟" بولے "نہیں، خدا کی قسم آپ کے لئے نہایت خوش آیند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر رؤسائے خیبر قتل کیے گئے، ان کا تمام مال و اسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخلِ حرم ہورہی تھی، میں اسلام قبول کرچکا ہوں، اور یہاں صرف اس لئے آیا ہوں کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے"

حضرت عباسؓ کی مسرت و انبساط کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کرکے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے خانۂ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا، خدا کی قسم! یہ مصیبت پر اظہارِ صبر ہے"، بولے "قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہوگیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے"۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا، یہ خبر کہاں سے آئی؟" فرمایا "حجاج بنؓ علاط نے بیان کیا جو اسلام قبول کرچکے ہیں اور یہاں محض اپنا مال لینے آئے تھے، اس حقیقت نے مشرکینِ مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملادی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی

Marfat.com

طرح دانت پیسنے لگے،[1]

اسلام وہجرت | فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباسؓ کو ہجرت کی اجازت مل گئی چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کرکے مستقل طور سے مدینہ مین سکونت پذیر ہوئے،

غزوات | مکہ کی فوج کشی مین شریک تھے، حنین کی جنگ مین حضرت خیر الانام کے ہمرکاب تھے، اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، فرماتے ہین کہ اثنائے جنگ مین جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانون کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا عباس! نیزہ بردارون کو آواز دو، فطرۃً میری آواز نہایت بلند تھی مین نے "این اصحاب السمرۃ" کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکایک پلٹ پڑے اور مسلمانون کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا،[2] محاصرۂ طائف، غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع مین بھی شریک تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات | حجۃ الوداع سے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، مرض روز بروز بڑھتا گیا، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علیؓ باہر نکلے، لوگون نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ حالت بظاہر سنبھل گئی تھی اس لئے انھون نے کہا کہ "خدا کے فضل سے اب آپ اچھے ہین"، لیکن حضرت عباسؓ خاندانِ ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انھون نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا تمھارا کہان خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کروگے، مین آنکھون سے دیکھ رہا ہون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض مین وفات پائین گے، کیونکہ مین خاندانِ عبد المطلب کے چہرون سے موت کا اندازہ کرسکتا ہون، آؤ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لین کہ آپ کے بعد منصب

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حجاج بن علاط [2] مسند جلد اص ۲۰۷

Marfat.com

خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو یہ معلوم ہوجائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لئے وصیت فرماجائیں، حضرت علیؓ نے کہا، خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کردیا تو پھر آیندہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہوجاؤں گا"[1] حضرت علیؓ کے انکار سے حضرت عباسؓ کو بھی جرأت نہ ہوئی،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز و تکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، خاندان ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لئے تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے،[2]

بارگاہ نبوت میں اعزاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انھوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر غضبناک ہوئے اور فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لئے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ ہوگا، چچا باپ کا قائم مقام ہے،[3]

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطابؓ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انھوں نے حسب قاعدہ حضرت عباسؓ سے بھی رقم طلب کی، انھوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے سختی سے تقاضا کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر صورت واقعہ عرض کی، آپ نے فرمایا تم عباسؓ سے کیا چاہتے ہو، بدر کے ذریعہ میں تم ان سے سبب کچھ لے چکے، عباس رسولِ خدا کا چچا ہے، اور چچا باپ کا قائم مقام ہے،[4]

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰ [2] استیعاب تذکرہ العباس بن عبد المطلب [3] جامع ترمذی مناقب حضرت عباسؓ و مسند جلد ۱ ص ۲۰۷ [4] جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباسؓ،

Marfat.com

خلفائے راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے بھی حضرت عباسؓ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں"[1]

حضرت عمرؓ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے، اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا، خدایا! پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے، اور اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر[2] ان کے بعد حضرت عباسؓ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تو یکایک صاف و شفاف آسمان پر لکہ ہائے ابر نمودار ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے،

سأل الامام وقد تتابع جدبنا فسقى الغمام بغرة العباس

امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا

عم النبی وصنو والده الذی ورث النبی بذاك دون الناس

وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انھوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت پائی

احیی الاله به البلاد فاصبحت مخضرة الاجناب بعد الیاس

ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور ناامیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے

چونکہ بارش نہایت غیر متوقع تھی، اس لئے لوگ فرطِ مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے "ساقی حرمین! مبارک ہو" "ساقی حرمین! مبارک ہو"[3]

---

[1] استیعاب تذکرہ عباسؓ [2] بخاری جلد ا ص ۵۲۶ [3] استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلبؓ،

Marfat.com

وفات حضرت عباسؓ اٹھاسی برس کی عمر پاکر ۳۲ھ میں بماہ رجب یا رمضان جمعہ کے روز رہگزین عالم جاودان ہوئے، خلیفۂ ثالثؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا،[1]

اخلاق حضرت عباسؓ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحمدل تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو آتے دیکھ کر فرمایا "یہ عباسؓ عم رسول ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دست ہیں اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں"[2]

دل نہایت نرم تھا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا،

تمول و ذریعہ معاش حضرت عباسؓ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے، چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا،[3]

تجارت ذریعۂ معاش تھی ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشہور تاریخی خطبہ دیا تو اس میں فرمایا "آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کئے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلبؓ کا ہے"[5]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ خلیفۂ اول سے

---

[1] استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلبؓ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۰ [3] مسند جلد ۱ ص ۵۳ [4] ... [5] صحیح مسلم وابوداؤد

Marfat.com

فدک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری متروکہ جائداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن لا نورث ماترکنا صدقۃ کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں باغ فدک حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے حوالہ کر دیا تھا لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ سکے اور بارگاہ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لئے دیا گیا ہے، اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔[1]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد بلند وبالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک،

ازدواج واولاد | حضرت عباسؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں، فضل، عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمن، قثم، معبد، ام حبیبہ، ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں، کثیر، تمام، صفیہ، امیمہ، تیسری بیوی حجیلہ تھیں، ان کے بطن سے حارث تھے۔[2]

حضرت بلال بن رباحؓ

نام ونسب | بلال نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے۔[3]

اسلام | حضرت بلالؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیہ فام حبشی تھے تاہم آئینۂ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا جب کہ وادی بطحا کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن ونخوت میں ضلالت وگمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک

[1] بخاری باب غزوۂ خیبر [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۴ ص ۱، [3] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶،

Marfat.com

کہا تھا ان مین صرف سات آدمیون کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن مین ایک یہ غلام حبشی بھی تھا[1] سچ ہے،

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء واستقامت

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم وستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلالؓ کی جو ذاتی حالت تھی اس کے لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموسِ جفا کے شکار ہوئے، گوناگون مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال واستقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریگ، جلتے ہوئے سنگریزون اور دہکتے انگارون پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکون نے گلوے مبارک مین رسیان ڈال کر بازیچۂ اطفال بنایا لیکن ان تمام روح فرسا وجان گسل آزمائشون کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزون پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھدیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کردیتی تو کہتا، بلال! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہنِ مبارک سے یہی "احد" "احد" نکلتا،[2]

ستم پیشہ مشرکین مین امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیون نے ظلم وجفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے اذیتین پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال مین لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ مین بٹھاتا اور کہتا "تمھارا خدا لات اور عزیٰ ہے،" لیکن اس وارفتۂ توحید کی زبان سے "احد" "احد" کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کرسکتی،[3]

آزادی

حضرت بلالؓ ایک روز حسبِ معمول وادیٔ بطحا مین مشقِ ستم بنائے جارہے تھے حضرت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۶ [2] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۶، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۵،

Marfat.com

ابو بکر صدیقؓ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا، "ابو بکر! تم مجھے بھی اس میں شریک کر لو" عرض کی "یا رسول اللہ! میں آزاد کر چکا ہوں"۔[1]

ہجرت

وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے، حضرت ابو رویحہؓ عبد اللہ بن عبد الرحمن الخثعمیؓ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی، عہد فاروقی میں حضرت بلالؓ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟" عرض کی "ابو رویحہؓ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔[2]

مؤذنی

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ ہی اسلام و دینِ متین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لئے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلالؓ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔[3]

حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و دلکش تھی، ان کی ایک صدائے توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد دنیا کا روبار، عورتیں شبستانِ حرم اور بچے کھیل کو د چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول اللہ (یعنی یا رسول اللہ! نماز تیار ہے) غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلالؓ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگانِ توحید کو بارگاہِ ذو الجلال و الاکرام میں سربسجود ہونے کے لئے صف

بصف

[1] ایضاً و بخاری [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۷۰ [3] بخاری باب بدء الاذان

Marfat.com

کھڑا کر دیتی ہے۔[1]

حضرت بلالؓ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہؓ اور حضرت عمرو بن ام مکتومؓ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتومؓ دیتے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا جب لوگ ان سے کہتے تھے کہ "صبح ہو گئی" تو ٹھہر کر اذان دیتے، آنحضرت صلعم فرماتے تھے اسی بنا پر رمضان میں بھی حضرت بلالؓ کی اذان کے بعد اکل و شرب جائز تھا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بلالؓ کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے ہیں وہ اب کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کریں، لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے۔[2]

حضرت بلالؓ سفر و حضر ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر درپیش تھا، ایک جگہ رات ہو گئی، بعض صحابہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا، ارشاد ہوا "مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی، حضرت بلالؓ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے، حضرت بلالؓ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاق وقت اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ہشیار نہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا "بلال! تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟" عرض کی "یا رسول اللہ! آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا" ارشاد ہوا

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸ [2] بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب اذان الاعمی۔

Marfat.com

بیشک خدا جب چاہتا ہے تمھاری روحون پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم مین واپس کر دیتا ہے، اچھا اٹھو

اذان دو اور لوگون کو نماز کے لئے جمع کرو"[۱]

غزوات حضرت بلالؓ تمام مشہور غزوات مین شریک تھے، غزوۂ بدر مین انھون نے امیہ بن خلف کو تہِ تیغ

کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور خود ان کی ایذا رسانی مین بھی اسی کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا،[۲]

فتح مکہ مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، آپ خانۂ کعبہ مین داخل ہوئے تو اس

مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا،[۳] انھین حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پر عظمت صدائے

تکبیر بلند کرین، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابو الانبیا ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش

کے لئے تعمیر کیا تھا، مدتون صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونجا،[۴]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے اپنے محسن و ولی نعمت حضرت صدیق

اکبرؓ سے عرض کی "یا خلیفہ رسول اللہ! آپنے خدا کے لئے آزاد کیا ہے، یا اپنی مصاحبت کے لئے" فرمایا "خدا

کے لئے" بولے "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ راہِ خدا مین جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر

کام ہے، اس لئے مین چاہتا ہون کہ پیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمۂ حیات بنا لون" حضرت ابو بکرؓ نے

فرمایا "بلال! مین تمھین خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہون کہ تم مجھے اس عالم پیری مین داغِ مفارقت

نہ دو" اس مؤثر فرمان نے حضرت بلالؓ کو عہد صدیقی کے غزوات مین شریک ہونے

سے باز رکھا،[۵]

حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو انھون نے پھر شرکتِ جہاد

کی اجازت طلب کی، خلیفۂ اول کی طرح خلیفۂ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوشِ جہاد کا پیمانہ لبریز

---

[۱] بخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت، [۲] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۷، [۳] کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من

اعلیٰ مکہ، [۴] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷، [۵] بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸،

Marfat.com

ہو چکا تھا، بعد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم میں شریک ہو گئے،[۱] حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسرانِ فوج کے ساتھ حضرت بلالؓ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہم رکاب رہے، ایک روز حضرت عمرؓ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، یہ کہکر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت و شوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی؛[۲]

شام میں توطن | حضرت بلالؓ کو ملک شام کی سرسبز و شاداب زمین پسند آگئی تھی، انھوں نے خلیفۂ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابو رویحہؓ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دیجائے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابو الدرداء انصاریؓ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آکر آباد ہو گیا تھا، رشتہ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا، ہم دونوں کافر تھے خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتۂ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے ورنہ کوئی شکایت نہیں، اسلام نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تفریق مٹا دی تھی، انصار نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی[۳]

---

[۱] بخاری و طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۸، [۲] تاریخ طبری و اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸، [۳] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۹

Marfat.com

حضرت بلالؓ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "بلال! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمھارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟" اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پرلطف افسانے یاد دلا دیئے، عشق ومحبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش ومحبت کے ساتھ جگر گوشگانِ رسول یعنی حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے، گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اذان نہ دیں گے تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرۂ توحید نے اس کو اور بھی پرعظمت بنا دیا، لیکن جب اشهد ان محمدا رسول الله کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول کے رخسارے آنسوؤں سے تر ہو گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پُر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا،[۱]

وفات ۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیرباد کہا، کم وبیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے،[۲]

اخلاق محاسنِ اخلاق نے حضرت بلالؓ کے پایۂ فضل وکمال کو نہایت بلند کر دیا تھا، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ابوبکرؓ سیدنا واعتق سیدنا یعنی ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، اور انھوں نے سردار بلالؓ کو آزاد کیا ہے،[۳]

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصدِ حیات تھا، ہر وقت

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۰۸، [۲] ایضاً ص ۲۰۹، [۳] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۴،

Marfat.com

بارگاہِ نبوی میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لیجاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے عیدین واستسقاء کے مواقع پر نیزے لے کر آگے آگے چلتے[1]، وعظ وپند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس وناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا "بلال! یہ کہاں سے؟" عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لئے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا "اُف! اُف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے، پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے"[2]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم ومصائب کے متحمل ہوئے، اس سے انکی غیر معمولی استقامت واستقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تواضع وخاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی، لوگ ان کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے "میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا"[3]، صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنادیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہمکو بخوشی منظور ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا "میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق ومذہب کے لحاظ سے یہ برا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۰ [2] بخاری جلد ۱ ص ۱۱۳، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۹

انکار کرو"، انھوں نے کہا "بلال! تم جس کے بھائی ہو گئے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں"[1]

مذہبی زندگی حضرت بلالؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانۂ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا، معاملاتِ دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت وشب زندہ داری ان کا خاص شغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عملِ خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے، عرض کی میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے، البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے[2] نمازمیں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو[3]

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور[4]

حلیہ حلیہ یہ تھا قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گون بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال نہایت گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے[5]

ازواج حضرت بلالؓ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف ومعزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، ابوبکرؓ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرا دیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے خاندان میں بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی[6]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳، [2] بخاری جلد ۱ ص ۱۵۴، [3] اصابہ تذکرۂ بلالؓ بحوالہ بخاری، [4] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰۴، [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۷۰، [6] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۹،

Marfat.com

حضرت جعفر طیارؓ

نام، نسب | جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف (ابوطالب) اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الہاشمی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سگے بھائی تھے، اور عمر میں ان سے تقریباً دس سال بڑے تھے،

اسلام | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت علیؓ کے ساتھ مشغولِ عبادت تھے، خاندانِ ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہِ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفرؓ کی طرف دیکھ کر کہا، "جعفر! تم بھی اپنے ابن عم کے ایک پہلو میں کھڑے ہو جاؤ،" حضرت جعفرؓ نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زید بن ارقمؓ کے گھر میں پناہ گزین ہونے کے قبل ہمیشہ کے لئے اس کے پرستاروں میں داخل ہو گئے، اس وقت تک اکتیس[1] آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے،

ہجرت حبش | مشرکین قریش کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر جب مسلمانوں کی جماعت نے حبش کی راہ لی تو حضرت جعفرؓ بھی اس کے ساتھ ہو گئے، لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا، نجاشی کے دربار میں مکہ سے گرانقدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو کر

---

[1] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۲۸۷ و ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۲۲،

حضور کے قلمرو ے حکومت مین چلے آئے ہین، انھون نے ایک انیا نیا لامذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگون اور رشتہ دارون نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگون کو ہمارے ساتھ واپس کردین،" درباریون نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی، نجاشی نے مسلمانون سے بلا کر پوچھا کہ "وہ کون سا نیا مذہب ہے، جس کے لئے تم لوگون نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟"

حضرت جعفرؓ کی دربار حبش مین اسلام پر تقریر

مسلمانون نے نجاشی سے گفتگو کے لئے اپنی طرف سے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا، انھون نے اس طرح تقریر کی "بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریان کرتے تھے، رشتہ دارون اور پڑوسیون کو ستاتے تھے، طاقت ور کمزورون کو کھا جاتا تھا، غرض ہم اسی بدبختی مین تھے کہ خدا نے خود ہماری جماعت مین سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی کی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ دارون سے محبت کا سبق ہم کو سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولین، بے وجہ دنیا مین خونریزی نہ کرین، بدکاری اور فریب سے باز آئین، یتیم کا مال نہ کھائین، شریف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین، بت پرستی چھوڑ دین، ایک خدا پر ایمان لائین، نماز پڑھین، روزے رکھین، زکوٰۃ دین، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے، ہم نے بتون کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کر کے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کامون مین مبتلا کرنا چاہا، یہان تک کہ ہم لوگ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آپ کی حکومت مین چلے آئے"

نجاشی نے کہا "تمھارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہو اس کو کہین سے پڑھ کر سناؤ"، حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتین تلاوت کین تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، اس نے

Marfat.com

کہا "خدا کی قسم! یہ اور تورات ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں"، اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا "واللہ! میں ان کو کبھی واپس جانے نہ دوں گا"،

سفرائے قریش نے ایک دفعہ پھر کوشش کی اور دوسرے روز دربار میں باریاب ہو کر عرض کی، "حضور! کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے"، نجاشی نے جواب دینے کے لئے مسلمانوں کو بلایا، ان لوگوں کو سخت تردد تھا کہ کیا جواب دیں، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے، غرض دربار میں پہنچے تو نجاشی نے پوچھا "حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تمہارا کیا اعتقاد ہے؟" حضرت جعفرؓ نے کہا "ہم ان کو خدا کا بندہ، پیمبر اور اس کی روح مانتے ہیں" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا "واللہ جو کچھ تم نے کہا عیسیٰ بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں"، یہ سنکر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے، نہایت برہم ہوئے، نتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں آنے لگیں لیکن نجاشی نے کچھ پروا نہ کی، اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی، [1]

حبش سے مدینہ

حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کی ہجرت کے چھ سال بعد تک حبشہ ہی میں رہے، ۷ھ میں وہ حبش سے مدینہ آئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ خیبر فتح ہو گیا تھا اور مسلمان اسکی خوشی منا رہے تھے، کہ مسلمانوں کے اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کی واپسی کی دوہری خوشی ہوئی، حضرت جعفرؓ سامنے آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا "میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے" [2]،

حضرت جعفرؓ کی واپسی کو ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ اُن کے امتحان کا وقت آ گیا،

---

[1] مسند احمد جلد ۱ ص ۲۰۱ تا ۲۰۳، [2] طبقات ابن سعد جلد ۴ قسم اول ص ۲۳، مختصراً بخاری ذکر غزوۂ خیبر میں ہے،

Marfat.com

غزوۂ موتہ | جمادی الاولیٰ ۸ھ میں موتہ پر فوج کشی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا علم حضرت زید بن حارثہؓ کو عطا کر کے فرمایا کہ "اگر زید شہید ہوں تو جعفرؓ اور اگر جعفر بھی شہید ہوں تو عبداللہ ابن رواحہؓ اس جماعت کے امیر ہوں گے"،[1] چونکہ حضرت جعفرؓ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ شرفِ امارت ان ہی کو حاصل ہوگا، اس لئے انھوں نے کھڑے ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پہ امیر بنائیں گے" ارشاد ہوا "اس کو جانے دو تم نہیں جان سکتے کہ بہتری کس میں ہے"،[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ کے انجام و نتیجہ سے آگاہ تھے، اس لئے فرمایا کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر علم سنبھالیں، اگر وہ بھی شہید ہوں تو عبداللہ بن رواحہ ان کی جگہ لیں،[3]

شہادت | موتہ پہنچ کر معرکۂ کارزار گرم ہوا، تین ہزار غازیانِ دین کے مقابلہ میں غنیم کا ایک لاکھ[4] ٹڈی دل تھا، امیرِ فوج حضرت زیدؓ شہید ہوئے تو حضرت جعفرؓ گھوڑے سے کود پڑے اور علم سنبھال کر غنیم کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے، دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا، تیغ و تبر، تیر و سنان کی بارش ہو رہی تھی، یہاں تک کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہوگیا، دونوں ہاتھ بھی یکے بادیگرے شہید ہوئے مگر اس جانباز نے اس حالت میں بھی توحید کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے نہ دیا، بالآخر جب شہید ہو کر گرے تو عبداللہ بن رواحہؓ نے اور ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کو بچا لائے،[5]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرؓ کی لاش کو تلاش کر کے دیکھا تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے، تمام بدن کے زخموں کا شمار تو نوے سے بھی متجاوز تھا،[6]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ موتہ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۲۲ [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی غزوۂ موتہ [4] اسد الغابہ جلد ا ص ۲۸۸ [5] طبقات ابن سعد حصہ مغازی [6] بخاری باب غزوۂ موتہ،

Marfat.com

لیکن اُن میں سے کوئی زخم پشت پر نہ تھا،[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال میدانِ جنگ میں جو کچھ ہو رہا تھا خدا کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا، چنانچہ خبر آنے سے پہلے ہی آپ نے حضرت جعفرؓ وغیرہ کی شہادت کا حال بیان فرما دیا اُس وقت آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے، اور روئے انور پر حزن وملال کے آثار نمایاں تھے،[2]

حضرت جعفرؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں آٹا گوندھ چکی تھی، اور لڑکوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور فرمایا جعفر کے بچوں کو لاؤ، میں نے اُن کو حاضرِ خدمت کیا، تو آپ نے آبدیدہ ہو کر اُن کا پیار فرمایا، میں نے کہا میرے ماں باپ فدا ہوں، حضور آبدیدہ کیوں ہیں کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے فرمایا ہاں! وہ شہید ہوگئے، یہ سُن کر میں چیخنے چلانے لگی، محلہ کی عورتیں میرے ارد گرد جمع ہوگئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے، اور ازواجِ مطہراتؓ سے فرمایا کہ آلِ جعفر کا خیال رکھنا، آج وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں،[3]

سیّدۂ جنت حضرت فاطمہ زہراؓ کو بھی اپنے عم محترم کی مفارقت کا شدید غم تھا، شہادت کی خبر سُن کر بادیدۂ تر واعماہ! واعماہ! کہتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک! جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہئے، آپ کو عرصہ تک شدید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے یہ بشارت دی کہ خدا نے جعفر کو دو کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلہ میں دو نئے بازو عنایت کئے ہیں جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروفِ پرواز رہتے ہیں[4] چنانچہ ذوالجناحین اور طیار ان کا لقب ہوگیا،

---

[1] بخاری باب غزوۂ موتہ، [2] ایضاً [3] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۸۷ [4] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۰۹ [5] ایضاً،

Marfat.com

فضائل ومحاسن | حضرت جعفرؓ کشادہ دست وفیاض تھے، غربا و مساکین کو کھانا کھلانے میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ابو المساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کو کنکروں سے دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی رہتی تو اس کو لوگوں سے پوچھا پھرتا، کہ شاید کوئی مجھ کو اپنے گھر لیجائے اور کچھ کھلائے، لیکن میں نے جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں (اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لیجاتے تھے اور جو کچھ ہوتا تھا، سامنے لاکر رکھدیتے تھے یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی شکیزہ تک لادیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے سامنے رکھدیتے اور ہم اس کو چاٹ لیتے تھے[1]۔

حضرت جعفرؓ کے فضائل ومناقب کا پایہ نہایت بلند تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمایا کرتے تھے کہ "جعفر! تم میری صورت اور سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو[2]" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "مجھ سے پہلے جس قدر نبی گذرے ہیں ان کو صرف سات رفیق دیئے گئے تھے لیکن میرے رفقائے خاص کی تعداد چودہ ہے، ان میں سے ایک جعفر بھی ہیں[3]"، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر سب سے افضل ہیں[4]"، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے صاحبزادہ کو سلام کرتے تو کہتے "السلام علیک یا ابن ذی الجناحین[5]"، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں حضرت علیؓ سے کچھ مانگتا تو وہ انکار کردیتے لیکن جب اپنے والد جعفر کا واسطہ دیتا تو بغیر کچھ دیئے نہ رہتے،

ازواج واولاد | بیویوں کی صحیح تعداد نہیں معلوم، آپ کی بیوی اسماءؓ سے تین صاحبزادے تھے عبداللہ محمد اور عوف، ان میں صرف عبداللہ سے نسل چلی،

[1] صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ [2] ایضاً [3] جامع ترمذی مناقب اہل بیت [4] جامع ترمذی مناقب حضرت جعفرؓ [5] صحیح بخاری غزوہ موتہ،

حضرت زید بن حارثہؓ

نام، نسب | زید نام، ابو اسامہ کنیت، حبّ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لقب، والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب ابن عبد العزیٰ بن امراؤالقیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ،

ابتدائی حالات | گذشتہ بالا نسب سے ظاہر ہوا ہوگا کہ حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے جو یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر اپنے میکے گئیں اسی اثنا میں بنو قین کے سوار جو غارتگری سے واپس آرہے تھے اس نونہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھالائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں فروخت کے لئے پیش کیا، ستارہ اقبال بلند تھا، غلامی میں بھی سیادت مقدر تھی، حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کی خدمت میں پیش کیا، جن کی وساطت سے سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شاہنشاہیاں قربان ہیں،[1]

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ بن شرحبیل کو قدرۃً اپنے لخت جگر کے گم ہوجانے کا شدید غم ہوا، آنکھوں سے سیل اشک بہائے، دل آتش فراق سے بھڑک اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول ص ۲۰،

Marfat.com

کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج و الم کو نقشہ کھینچا،

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل　　　احیٌّ فیرجی ام اتی دونہ الاجل

مین نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیا ہوگیا، آیا زندہ ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آگئی،

فواللہ ما ادری وان کنت سائلاً　　　اغالک سہل الارض ام غالک الجبل

خدا کی قسم مین نہین جانتا اگرچہ پوچھتا بھی ہون کہ،، کیا تجھے نرم زمین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا؟،،

فیالیت شعری ہل لک الدہر رجعۃ　　　فحسبی من الدنیا رجوعک لی بجل

کاش، مین جانتا کہ آیا تیرا آنا کبھی ممکن ہے؟ بس تیرا واپس آنا ہی میرے لئے دنیا مین کافی ہے،

تذکرنیہ الشمس عند طلوعہا　　　وتعرض ذکراہ اذا قارب الطفل

آفتاب اپنے طلوع ہونیکے وقت اسکو یاد دلاتا ہے، اور جب غروب کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کردیتا ہے،

وان ہبت الارواح ہیجن ذکرہ　　　فیا طول ما حزنی علیہ ویا وجل

بادبہاری کی لپٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کردیتی ہے، آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج و الم ہے،

ساعمل نص العیس فی الارض جاہداً　　　ولا اسام التطواف او تسام الابل

عنقریب مین اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان مارون گا، مین اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہین تھکونگا یہان تک کہ اونٹ

حیاتی او تاتی علی منیتی　　　وکل امرءٍ فانٍ وان غرہ الامل

یا مجھ پر موت آجائے .... ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے

واوصی بہ قیساً وعمراً کلیہما　　　واوصی یزید ثم من بعدہم جبل

مین قیس اور عمرو دونون کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہون، اور یزید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہون

جبل سے مراد جبلہ بن حارثہ ہین جو حضرت زید رضؓ کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے اخیافی بھائی تھے،

Marfat.com

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انھون نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرائے غم کہہ سنایا، بولے یقیناً انھون نے میری فرقت مین نوحہ خوانی کی ہوگی، تم میری طرف سے میرے خاندان والون کو یہ اشعار سنا دینا۔"

احن الی قومی وان کنت نائیا	بانی قطین البیت عند المشاعر
مین اپنی قوم کا مشتاق ہون گو ان سے دور ہون	مین خانہ کعبہ مین مشعر حرام کے قریب رہتا ہون
فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم	ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر
اس لئے اس غم سے باز آجاؤ جس نے تم کو پر الم بنا رکھا ہے	اور اونٹون کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو
فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ	کرام معد کابرا بعد کابر
الحمد للہ کہ مین بنی معد کے ایک معزز	اور اچھے خاندان مین ہون جو پشتہا پشت سے معزز ہے

بنی کلب کے زائرون نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھین چمک اٹھین اور دفور یاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا، بولے "رب کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نور نظر تھا؟" ان لوگون نے جب تفصیل کے ساتھ حلیہ، جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کئے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر بصد منت و لجاجت عرض کی "اے ابن عبد اللہ! اے ابن عبد المطلب!! اے اپنی قوم کے رئیس زادہ!!! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدون کی دستگیری کرتے ہو، قیدیون کو کھانا دیتے ہو، ہم تمھارے پاس اس غرض سے آئے ہین کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بناؤ، زر فدیہ جس قدر چاہو لو، ہم بیش قرار معاوضہ دینے کو تیار ہین۔" ارشاد ہوا "وہ کون ہے" بولے "زید بن حارثہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا "کیا اس کے سوا تمھاری کوئی اور حاجت نہین؟"

Marfat.com

عرض کی "نہیں"، فرمایا "بہتر زید کو بلا کر اختیار دو، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں"، حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی حضرت زیدؓ بلائے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟" عرض کی "ہاں! یہ میرے باپ اور چچا ہیں"، آپ نے ان کے ہاتھ میں قرعۂ انتخاب دے کر فرمایا "میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو میری ہمنشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمھیں اختیار ہے چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو"، حضرت زیدؓ رضی اللہ عنہ کو شہنشاہِ کونین کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدہا آزادیاں نثار تھیں، بولے "میں ایسا نہیں ہوں جو حضور پر کسی کو ترجیح دوں، آپ ہی میرے باپ ماں ہیں"، حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ وفاشعاری نے ان کے باپ اور چچا کو محوِ حیرت کر دیا، تعجب سے بولے "زید! افسوس تم آزادی، باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو"، فرمایا "ہاں! مجھے اس ذاتِ پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آئے ہیں کہ میں اس پر کسی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا"،

حضرت زیدؓ نے اپنی غیر متزلزل وفاشعاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لیجا کر اعلان فرمایا کہ "زید آج سے میرا فرزند ہے، میں اس کا وارث ہوں گا وہ میرا وارث ہوگا"، اس اعلان سے ان کے باپ اور چچا کے افسردہ دل گلِ شگفتہ کی طرح کھل گئے گو والد کو مفارقت گوارا نہ تھی تاہم اپنے لختِ جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوشِ عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا، اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے،

اس اعلان کے بعد حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمدؐ کے نام سے زبانِ زدِ عام و خاص ہوئے، یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی

Marfat.com

الہامی زبان نے صرف اپنے نسبی آباء کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے،[1]

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زیدؓ نے ابتدا ہی مین شرف بیعت حاصل کیا، محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلامون مین سب سے پہلے مومن تھے، حضرت حمزہؓ ایمان لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھائی چارہ کرا دیا، ان دونون مین اس قدر محبت ہوگئی تھی کہ حضرت حمزہؓ جب غزوات مین تشریف لیجاتے تھے تو ان ہی کو اپنا وصی بنا کر جاتے تھے،[2]

شادی حضرت ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا اور کنیز تھین، آپ ان کو نہایت محبوب رکھتے تھے، اور اماں کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، ایک روز آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی جنتی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو ام ایمن سے نکاح کرنا چاہیئے، حضرت زیدؓ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہین دیتے تھے) ان سے نکاح کر لیا، چنانچہ حضرت اسامہ بن زیدؓ جو اپنے والد کے بعد حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے، ان ہی کے بطن سے مکہ مین پیدا ہوئے،[3]

ہجرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح یہ بھی حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے، حضرت اسید بن حضیرؓ انصاری جو قبیلہ عبد الاشہل کے معزز رئیس تھے، ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے، وہ اب تک خاندان نبوت کے ایک ممبر کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، لیکن یہان پہنچکر آپ نے ان کے لئے ایک علیحدہ مکان مخصوص فرما دیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کر دیا، اس طرح درحقیقت یہ دوسرا طرۂ افتخار تھا جو حضرت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۰ تا ص ۲۹، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث تذکرۂ حمزہؓ، [3] ایضاً ص ۳۰،

Marfat.com

زید رضی اللہ عنہ کے دستار فضل پہ نصب ہوا، لیکن یہ پیوند زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا، نسبی و خاندانی عدم توازن نے دونوں کے سطح مزاج میں نشیب و فراز پیدا کر دیا، حضرت زیدؓ نے دربار نبوت میں بار بار ناموافقت کی شکایت کی اور بالآخر طلاق دینے پر مجبور ہو گئے، انقضاے عدت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کی معرفت پیام نکاح بھیجا تو انھوں نے کہا، جب تک خدا کی طرف سے کچھ حکم نہ آئے میں کچھ نہیں کر سکتی، چنانچہ اس کے بعد ہی اس آیت نے ان کو امہات المومنین میں داخل کر دیا[1]

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا — جب زید نے حاجت پوری کی تو ہم نے اس کو تم سے بیاہ دیا،

حضرت زیدؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی اور زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے، اس لئے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے "محمد ایک طرف تو بہو سے نکاح کرنا حرام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف خود اپنے لڑکے زید کی بیوی سے نکاح کرتے ہیں لیکن قرآن پاک نے اس مفسدہ پردازی کا اس طرح پردہ فاش کر دیا،

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ، — محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ خدا کے رسول اور انبیاء کی مہر ہیں،

اور مسلمانوں کو حکم ہوا،

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ — لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو، یہ خدا کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے،

چنانچہ اس کے بعد ہی وہ اپنے والد حارثہ کی نسبت سے زید بن حارثہ مشہور ہوئے[2]

---

[1] طبقات ابن سعد جز و ۳ ق اول ص ۳۰ [2] بخاری کتاب التفسیر،

Marfat.com

غزوات حضرت زیدؓ تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے، ان کا شمار ان مشاہیر صحابہ میں تھا جو اس فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے معرکۂ بدر سے غزوۂ موتہ تک جس قدر اہم خونریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی و شجاعت کے ساتھ شریکِ کارزار ہوئے، غزوۂ مریسیع میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا فخر بخشا اس لئے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے[1]

متفرق کارنامے مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان کی سپہ سالاری میں سر ہوئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس فوج کشی میں زید شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا عہدہ ان ہی کو عطا ہوتا تھا[2] اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے[3] ان مہمات میں سے پہلی مہم سریۂ قردہ تھی جس میں انھوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ شکست دی اور بہت سے اونٹ، مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن حیان عجلی کو گرفتار کرکے لائے[4]

ربیع الثانی ۶ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام جموم میں مسکن گزین تھے، اس مہم میں بھی حضرت زیدؓ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، بہت سے اونٹ، بکریاں اور قیدی پکڑ کر لائے[5]

اسی سال قریش کے ایک قافلہ کو جو شام سے واپس آرہا تھا روکنے کا حکم ہوا، حضرت زیدؓ ایک سو ستر سواروں کے ساتھ یکایک مقام عیص میں اس قافلہ پر جا پڑے اور تمام اہل قافلہ کو مع ساماں گرفتار کر لائے، مالِ غنیمت میں چاندی کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو صفوان بن امیہ کے لئے شام سے آرہا تھا، قیدیوں میں ابو العاص بن الربیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی تھے جنھوں نے اپنی اہلیہ اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نیک اختر

---

[1] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۱، [3] ایضاً [4] طبقات حصۂ مغازی باب سریۂ قردہ ص ۲۴، [5] ایضاً سریۂ جموم ص ۶۲

حضرت زینبؓ کی پناہ حاصل کرکے مخلصی پائی،[1]

اسی سال ماہ جمادی الثانی میں مقام طرف پر حملہ آور ہوئے لیکن کوئی جنگ نہ ہوئی، کیونکہ غنیم پہلے ہی خائف ہو کر بھاگ گیا تھا،[2] اس کے بعد مقام حسمیٰ پر فوج کشی ہوئی، پانچسو جانباز مجاہدان کے زیر کمان تھے، حضرت زیدؓ احتیاط کے خیال سے دن کو پہاڑوں میں چھپ جاتے تھے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے قطع منازل کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز یکایک غنیم پر جا پڑے، ہنید اور اس کے خاندان کو جس نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو قسطنطنیہ کی سفارت سے واپس آتے وقت لوٹ لیا تھا، تہ تیغ کیا اور ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سے قیدی گرفتار کرکے زید بن رفاعہ کے ساتھ دربار نبوت میں ارسال کئے، چونکہ اس قوم کے ایک ممبر ابو یزید بن عمرو نے دور اندیشی سے پہلے ہی پہنچکر اسلام قبول کرلیا تھا اس لئے ان کی سفارش پر تمام قیدی رہا کر دیئے گئے، اور مال غنیمت واپس کر دیا گیا،[3] پھر اسی سال ماہ رجب میں وادی قریٰ کی مہم پر بھیجے گئے اور کامیابی کے ساتھ واپس آئے،

ماہ رمضان المبارک ۶ھ میں حضرت زیدؓ ایک اسلامی کاروان تجارت کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا بہت سا سامان تجارت ان کے ساتھ تھا، مدینہ سے سات منزل دور وادی قریٰ کے نواح میں پہنچے تو بنی بدر کی ایک رہزن وغارت پیشہ جماعت نے تمام قافلہ کو لوٹ لیا اور کلمہ گویان توحید کو سخت اذیتیں پہنچائیں، حضرت زیدؓ بمشکل جان بچا کر مدینہ واپس آئے اور دربار نبوت میں اس واقعہ کی اطلاع دی، چونکہ اس قسم کے متعدد واقعات پیش آچکے تھے، اس لئے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور فرمایا، حضرت زیدؓ

---

[1] طبقات حصہ مغازی باب سریہ عیص ص ۶۳، [2] ایضاً سریہ طرف ص ۶۳، [3] ایضاً ص ۶۳-۶۴،

کمال احتیاط کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکایک ان ڈاکوؤن پر جا پڑے اور قرار واقعی سزا دے کر مدینہ واپس آئے، انھون نے آستانۂ نبوت پر پہنچکر دستک دی تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جس حالت مین تھے اُسی حالت مین باہر تشریف لے آئے اور جوشِ مسرت سے گلے لگا کر ان کی پیشانی کا بوسہ دیا، اور دیر تک مفصل کیفیت دریافت فرماتے رہے،[1]

مہم موتہ اور شہادت | موتہ دمشق کے قریب ایک مقام کا نام تھا حضرت حارث بن عمیر ازدی رضہ جو شاہ بصریٰ کے دربار مین سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آرہے تھے اسی مقام پر شرجیل ابن عمر غسانی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، یہ پہلا واقعہ تھا کہ دربارِ رسالت کے ایک قاصد کے ساتھ اس قسم کی جسارت کی گئی،[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقام کے لئے تین ہزار مجاہدین کی جمعیت فراہم کرکے حضرت زید بن حارثہ رضہ کو لوائے قیادت عطا کیا اور فرمایا اگر زید شہید ہون تو جعفرؓ اور ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ اس جماعت کے امیر ہون گے،[3] حضرت جعفرؓ چونکہ اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر متوقع تھے کہ امارت کا طغرائے امتیاز ان کے سینہ پر آویزان ہوگا اس لئے انھون نے کھڑے ہوکر عرض کی، یا رسول اللہ! میرا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر بنائین گے، ارشاد ہوا اُس کو جانے دو تم نہین جان سکتے کہ بہتر کیا ہے؟[4]

جمادی الاولیٰ ۸ھ مین یہ مہم روانہ ہوئی، چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اس لئے ایک لاکھ کا ٹڈی دل امنڈ آیا تھا لیکن حضرت زیدؓ نے اس

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی سریۂ زید الی ام القریٰ ص ۶۵، [2] ایضاً باب غزوۂ موتہ، [3] بخاری باب غزوۂ موتہ، [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۳۲،

Marfat.com

کثرت کی پرواہ نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ پا دشمن کی صف میں گھس گئے، ان کے اتباع میں دوسرے سرداران فوج نے بھی ہلہ کر دیا، دیر تک گھمسان جنگ رہی، اس حالت میں نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار فوج یعنی حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، ان کے بعد یکے بادیگرے حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علم سنبھالا اور شدید کشت و خون کے بعد واصل بحق ہوئے، ان کے بعد حضرت خالد سیف اللہؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور غازیان دین کو مجتمع کر کے ایک ایسا حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں کو امرائے فوج کی خبر شہادت سنادی اور وفور غم سے آبدیدہ ہو گئے۔[2] حضرت زیدؓ کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ یہ کیا ہے" فرمایا "یہ جذبۂ محبت ہے"۔[3]

انتقام حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب و وفاشعار غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا، حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا، چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لئے بعضوں نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ پہلے جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی امارت کو ناپسند کرتے ہو خدا کی قسم زید سزاوار امارت و محبوب ترین شخص تھا، اور اس کے بعد اسامہ مجھ کو سب سے زیادہ

[1] بخاری باب غزوۂ موتہ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۲،

محبوب ہے،[1]

یہ مہم ابھی روانہ بھی نہین ہوئی تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہوگیا، لیکن خلیفۂ اوّل نے ہجوم مصائب وصعوبات گوناگون کے باوجود کوچ کا حکم دیدیا اور حضرت اسامہؓ اپنے پدر شفیق کے قاتلون سے انتقام لیکر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے،

اخلاق | حضرت زیدؓ کے صحیفۂ اخلاق مین وفا شعاری کا باب سبسے نمایان ہے، گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہوگا، آقاے نامدار کی رضا پسندی ان کا پر لطف مقصد حیات تھا، حضرت ام ایمنؓ گو ایک معمر عورت تھین تاہم انھون نے محض اس لئے ان سے نکاح کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے،[2]

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس (جن کو انھون نے ناموافقت کے باعث طلاق دیدی تھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیام لیکر گئے تو محض اس خیال سے کہ آپنے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا منھ پھیر کر کہا،[3]

گو حضرت زیدؓ کے اخلاقی کارنامون کی تفصیل نہین ملتی تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ ومحاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان کی اولاد کو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مین سبسے زیادہ محبوب بنا دیا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہتے تو آپ ان ہی کو اپنا جانشین بناتے،[4] حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ ان کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد مین دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے "اگر رسول اللہ

[1] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ، [2] طبقات ابن سعد تذکرۂ ام ایمنؓ، [3] مسلم باب زواج زینب بنت جحشؓ،
[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۳۱،

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے[1]

علیہ اور عمر | حضرت زیدؓ کا حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، ناک پست اور رنگ گہرا گندمی ۵۴ یا ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی،[2]

ازواج | مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بیویوں کے نام یہ ہیں:۔

ام ایمن، ام کلثوم بنت عقبہ، درہ بنت لہب، ہند بنت العوام، زینب بنت جحش، ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دیدی اور اس کے بعد وہ امہات المومنین میں شامل کی گئیں،[3]

اولاد | دو لڑکے اسامہ بن زید، زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی لیکن حضرت اسامہؓ کے سوا مؤخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داغ مفارقت دیا،[4]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

نام، نسب | عبداللہ نام، ابو العباس کنیت، والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ بن العباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن تھیں،

ولادت | حضرت عبداللہؓ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں

[1] بخاری ذکر اسامہ بن زیدؓ [2] اصابہ تذکرہ زید بن حارثہؓ [3] اسد الغابہ تذکرہ زید بن حارثہؓ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۰،

Marfat.com

مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا حضرت عباسؓ ان کو بارگاہِ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی[1]

اسلام حضرت عباسؓ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبد اللہؓ کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے ابتدا ہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبد اللہؓ نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں[2]

کان ابن عباس مع امہ من المستضعفین ولم یکن مع ابیہ علی دین قومہ وقال الاسلام یعلو ولا یعلی	ابن عباسؓ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جب یہ آیت تلاوت فرماتے "اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ، تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے،[3]

ہجرت حضرت عباسؓ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، حضرت عبد اللہ کی عمر اس وقت

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ عبد اللہ بن عباسؓ، [2] بخاری جلد ۱ ص ۱۸۰، [3] بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰، [4] اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبد المطلبؓ ۱۲،

Marfat.com

گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے، ایک روز انھوں نے واپس آکر بیان کیا، میں نے رسول اللہ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا ہوں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟ حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرط محبت سے آپنے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا، اور سر پہ ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی "اے خدا اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا"[1]

عہد طفولیت میں مصاحبت رسول

حضرت عبداللہ بن عباسؓ گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انھوں نے رسول اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپ نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پہ ہاتھ پھیر کر فرمایا "جا معاویہ کو بلا لا"، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا "چلیے رسول اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے"[2]

ام المومنین حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سو رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر

[1] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباسؓ [2] مسند جلد اص ۲۹۱

استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کرکے نماز پڑھنے لگے، میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا[1]

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے بیدار ہوئے، انھوں نے وضو کے لئے پانی لا کر رکھدیا، آپ نے وضو فرما کر پوچھا "پانی کون لایا تھا؟" حضرت میمونہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر دعائیں دیں اور فرمایا "اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل" یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا،[2]

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ جمیں ہٹ میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا "تمھارا کیا حال ہے؟" عرض کی "یا رسول اللہ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسولِ خدا ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ازدیادِ علم وفہم کی دعا فرمائی[3]

خلفائے راشدینؓ کا عہد حضرت عبداللہ بن عباسؓ صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفۂ اوّل نے بھی داغِ مفارقت دیا، خلیفۂ دوم یعنی حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سنِ شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو جوہر قابل پاکر خاص طور سے اپنے دامنِ تربیت میں لے لیا، اور اکابر صحابہؓ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو ان پر رشک ہوتا تھا

[1] بخاری جلد ۱ ص ۹۷ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۲۸ ومستدرک جلد ۳ ص ۵۳۴، [3] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۳۰ ومستدرک جلد ۳ ص ۵۳۵،

Marfat.com

صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے[1]"

محدث ابن عبد البر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں "کان عمر یحب ابن عباس ویقربہ[2]" یعنی حضرت عمرؓ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبد اللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے "علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ[2]" حضرت عمرؓ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے اور ان کی فطری ذہانت وطباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، انشاء اللہ علم وفضل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی،

خلیفۂ ثالث کے عہد میں عبد اللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے زیر اہتمام ۲۶ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع میں جرجیر شاہِ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت وطباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا "میں خیال کرتا ہوں کہ آپ حبر عرب یعنی عرب کے کوئی عالم متبحر ہیں[3]"

امارت حج چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارتِ حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بلا کر فرمایا "خالد بن عاص کو

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۱۵، [2] ایضاً ص ۳۵۱، [3] اصابہ تذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ ۱۲

Marfat.com

مین نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، مین ڈرتا ہون کہ امارتِ حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کیجائے اور اس طرح خانۂ خدا مین بھی فتنہ و فساد اٹھ کھڑا ہو اس لئے مین تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہون۔"[1]

حضرت عبد اللہؓ اس خدمت کو سرانجام دیکر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفۂ ثالث شہید ہو چکے تھے اور حضرت علیؓ کو بارِ خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے، انھون نے ان سے مشورہ طلب کیا،

حضرت علیؓ۔ خلافت کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ مین خیال کرتا ہون کہ اس حادثۂ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرأت نہین کر سکتا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔ "یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کیجائیگی اس پر خونِ ناحق کا اتہام لگایا جائیگا، تاہم لوگون کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے"،

غرض اہلِ مدینہ کے اتفاقِ عام سے حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم و نسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے مشورہ دیا کہ سردست موجودہ عمال و حکام برقرار رکھے جائین، لیکن جب حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انھون نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا "امیر المومنین! مین نے رائے دینے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا" حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے "میرے خیال مین مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی لیکن دوسری دفعہ انھون نے آپ کو دھوکا دیا"

حضرت علیؓ۔ خیر خواہی کیا تھی؟

---

[1] طبری واقعات ۳۵ھ

Marfat.com

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔ آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دنیادار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کردیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش و فتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے اور اہل شام و عراق کو خلیفۂ ثالث کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کردیں گے،

حضرت علیؓ: اس میں شک نہیں کہ تمھاری رائے مصالحِ دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے، تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بداعمالیوں سے واقف ہوں، ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو رہنے نہ دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کردوں گا،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ:۔ میری بات مانئے، گھر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر ینبع چلے جائیے لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمانؓ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا،

حضرت علیؓ:۔ اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے،

حضرت علیؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو امیر معاویہؓ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انھوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنا لیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے برہم ہوکر نہایت سختی سے انکار کردیا اور فرمایا "خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہوسکتا"[1]

غرض اس تشدد آمیز طرزِ عمل پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیرؓ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت

---

[1] طبری ص ۳۰۸۵،

طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ نے مطالبۂ اصلاح و انتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہؓ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں،

جنگِ جمل | حضرت علیؓ بصرہ کو محفوظ رکھنے کے خیال سے ایک فوجِ گران کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، لیکن وہ پہلے داعیانِ اصلاح کے قبضہ میں آچکا تھا، اس لئے طرفین نے میدانِ ذی قار میں صف آرائی کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جناب امیرؓ کی طرف سے اہل حجاز کی افسری پر مامور ہوئے اور جنگ شروع ہونے پر نہایت شجاعت و جانبازی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ حامیانِ عرشِ خلافت کی فتح پر اس افسوسناک خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا،

ولایتِ بصرہ | بصرہ پر دوبارہ قبضہ ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہاں کے گورنر بنائے گئے اور زیاد ان کے میثر اور بیت المال کے مہتمم مقرر ہوئے،

معرکۂ صفین | جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے معرکۂ صفین پیش آیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ سے ایک جماعت فراہم کر کے جناب امیرؓ کی حمایت میں میدانِ جنگ میں پہنچے اور نہایت جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار ہوئے، حضرت علیؓ نے ان کو میسرہ کا افسر مقرر فرمایا تھا،

چونکہ دونوں طرف سے روزانہ تھوڑی تھوڑی فوجیں نکل کر معرکہ آرا ہوتی تھیں اس لئے اس جنگ کا سلسلہ طویل عرصہ تک قائم رہا، لیکن رفتہ رفتہ حامیانِ خلافت کا پلہ بھاری ہونے لگا، یہاں تک کہ ایک روز شامی فوجوں نے شکست کے خوف سے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کی دعوت دی، گو جناب مرتضیٰؓ اور ان کے ہوا خواہوں نے اپنی فوج کو اسی دام تزویر سے محفوظ رکھنے کی بے حد کوشش کی تاہم فریق کا جادو چل چکا تھا، ایک بڑی جماعت نے دعوت

Marfat.com

قرآن کو تسلیم کرنے پر اصرار کیا،

ثالثی اور اس کا حشر غرض جنگ ملتوی ہوگئی اور مسئلہ خلافت کا فیصلہ دو حکم پر محمول ہوا، شامیون نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا اور اہل عراق کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا حضرت علیؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو ثالث بنانا چاہتے تھے لیکن لوگون نے اس پر اعتراض کیا اور کہا «آپ اور عبد اللہ بن عباسؓ ایک ہی ہین، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیئے»

دونون فریق کے اتفاق سے دومۃ الجندل حکمین کے لئے مقام اجلاس قرار پایا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار ہزار آدمیون کی جمعیت ساتھ کردی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تھے،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نہایت نیک طینت و سادہ مزاج تھے وہ جب تخلیہ مین حضرت عمرو بن العاصؓ سے کسی فیصلہ پر متفق ہوکر باہر تشریف لائے تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا، «خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا، وہ نہایت چالاک ہین، کیا عجب ہے کہ آپکے بیان کی مخالفت کر بیٹھین»، بولے «ہم دونون ایک ایسی رائے پر متحد ہوئے ہین کہ اس مین اختلاف کی گنجائش نہین»، غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے اصرار پر کھڑے ہوکر یہ متفق علیہ فیصلہ سنایا،

صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرکے پھر نئے سرے سے مسلمانوں کو مجلسِ شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ نہایت صحیح ثابت ہوا، عمرو بن العاصؓ نے قرارداد سے منحرف ہوکر کہا "صاحبو! بیشک علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا مین بھی معزول

Marfat.com

کرتا ہون لیکن معاویہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہون کیونکہ وہ امیرالمومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہین۔"

حضرت ابو موسیٰؓ اس خلاف بیانی پر ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ افسوس! ابن عباسؓ نے مجھے عمرو کی غداری سے ڈرایا تھا، لیکن مین نے اس پر اطمینان رکھا، مجھے کبھی یہ گمان نہ تھا کہ وہ مسلمانون کی خیرخواہی پر کسی چیز کو ترجیح دین گے، غرض اس ثالثی نے گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور زیادہ الجھا دیا، جناب امیرؓ کے اعوان و انصار مین تفرق واختلاف کی ہوا چل گئی اور ایک بڑی جماعت نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر خارجی فرقہ کی بنیاد ڈالی، اس کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین مین حکم مقرر کرنا کفر ہے، اس بناپر دونون حکم اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہین۔[1]

حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خارجیون کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ان کی ضلالت دور کردین، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھون پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد و ہدایت کی تمام کوششین ناکام رہین،

معرکۂ نہروان خارجیون نے نہروان مین مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک مین قتل وغارتگری کا بازار گرم کر دیا، حضرت علیؓ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشون کا حال سنکر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ گورنری کے عہدہ پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہ وہان سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ میں افواجِ خلافت سے مل گئے، اور نہروان پہونچ کر نہایت بہادری و پامردی کیساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔[2]

[1] یہ تمام واقعات طبری سے ماخوذ ہین [2] اخبار الطوال،

Marfat.com

ایران کی حکومت جنگ نہروان نے گو خارجیون کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتون نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع مین پھیل کر ایک عام شورش برپا کردی، اور ذمیون کو بھڑکا کر آمادۂ بغاوت کر دیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبون مین عمال نکال دیئے گئے، اور مجوسیون نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، حضرت علیؓ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبد اللہؓ نے کہا مین ایران مین تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہون؛ چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بالکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہان کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنا دیا[1]

بغاوت کا استیصال حضرت عبد اللہؓ نے بصرہ پہنچکر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انھون نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران مین امن وسکون پیدا کر دیا[2]

مکہ مین عزلت نشینی ایک روایت کے مطابق ۳۹ھ یعنی حضرت علیؓ کی زندگی ہی مین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے بصرہ کے عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر مکہ مین عزلت نشینی اختیار کر لی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو الاسود دُئلی قاضی بصرہ مین باہم مخالفت تھی، ابو الاسود نے بارگاہ خلافت مین ان کی شکایت لکھی کہ انھون نے بیت المال مین تصرف بیجا کیا ہے حضرت علیؓ نے اُن سے جواب طلب کیا تو انھون نے لکھا،

ان الذی بلغک باطل وانی لما تحت یدی ضابط قائم لہ وله حافظ فلا

آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعاً غلط ہے میرے قبضہ مین جو کچھ ہے مین اس کا محافظ ونگہبان ہون، آپ ان

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۴۹۔ [2] ایضاً

تصدق الظنون، | بدگمانیون کو باور نہ فرمائیں،

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں اُن سے بیت المال کا تمام و کمال حساب طلب کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ ناگوار گذرا، انھوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا،

فهمت تعظیمك مرزأة ما بلغك انی رزأته من مال اهل هذا البلد فابعث الی عملك من احببت فانی ظاعن عنه والسلام[۱]	میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اس شہر والوں کے مال میں کچھ خورد برد کیا ہے زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لئے آپ اپنے کام پر جس کو چاہئے بھیجدیجئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں،

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انھوں نے لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لیکر مکہ چلے گئے، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر مامور تھے البتہ جب حضرت امام حسینؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انھوں نے بطور حفظ ماتقدم پہلے ہی امیر معاویہؓ کو خط لکھ کر جان و مال کی امان حاصل کی اور مکہ جاکر گوشہ نشین ہو گئے[۲]

حضرت امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا

سنہ میں امیر معاویہ کے بعد جب یزید مسند نشین حکومت ہوا تو شیعان علی مرتضیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس انقلاب سے فائدہ اٹھانے پر ابھارا اور کوفہ آنیکی دعوت دی چنانچہ وہ مدینہ سے مکہ آئے اور یہاں سے عازم کوفہ ہوئے چونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کوفیون کی غداری کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے اس لئے انھوں نے حضرت امام حسینؓ کو بہ اصرار تمام کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا،

---

[۱] تاریخ طبری ص ۳۴۵۳، [۲] طبری ذکر بیعت حسن بن علیؓ

Marfat.com

عبداللہ بن عباسؓ:۔ اے ابن عم! میں اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں ہوتا، اس طریقہ سے جانے میں مجھ کو تمھاری ہلاکت وتباہی کا خوف ہے، اہل عراق نہایت غدار ہیں، تم ان کے قول وقرار پر اعتبار نہ کرو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اس لئے کوفہ جانے سے یہاں مقیم رہنا زیادہ مناسب ہے، ہاں! اگر اہل کوفہ درحقیقت تمھارے عقیدت کیش ہیں تو ان کو لکھو کہ وہ پہلے اپنے ملک سے دشمن کو نکال باہر کریں، پھر ان کے پاس جاؤ، اگر یہ منظور نہ ہو تو یمن کی راہ لو، وہاں بہت سے قلعے اور گھاٹیاں ہیں، ملک نہایت وسیع وفراخ ہے اور تمھارے والد کا اثر بھی خاصہ ہے، علاوہ ازیں دشمن کے دور ہونے کے باعث لوگوں سے مراسلت ومکاتبت کر سکتے ہو اور تمام ملک میں اپنے داعی پھیلا سکتے ہو مجھے امید ہے کہ اس طرح زیادہ آسانی واطمینان کے ساتھ تمھارا مقصد حاصل ہو جائیگا[۱]

حضرت امام حسینؓ:۔ اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے سچے خیرخواہ وہمدرد ہیں، لیکن اب سفر کوفہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں اور میں نے وہاں جانے کا عزم مصمم کر لیا ہے،

عبداللہ بن عباسؓ:۔ اگر تم جاتے ہو تو خدارا بیوی، بچوں کو ساتھ نہ لیجاؤ، خدا کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تم بھی اس طرح نہ شہید کئے جاؤ جس طرح (حضرت عثمانؓ) اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے ذبح کئے گئے،

لیکن مشیتِ الٰہی میں کس کو دخل تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ضد واصرار کے باوجود حضرت امام حسینؓ اپنے تمام خاندان کے ساتھ راہیِ کوفہ ہوئے اور میدانِ کربلا نے وہ خونیں منظر پیش کیا جس سے جگر پاش پاش ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے خاندان کی تباہی کا جو روح فرسا صدمہ ہوا ہوگا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ بیس سال سے گوشہ نشین تھے لیکن اس واقعہ کے بعد تمام دنیا ان کے سامنے تیرہ وتار تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے[۲]

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۵،

شاید یہ اسی جگر خراش سانحہ کا اثر ہو،

عبد اللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے انکار | اسی سال حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے مکہ میں خلافت کا دعویٰ کیا، چونکہ حجاز وعراق میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت تھی، اس لئے انھون نے ان سے بیعت کے لئے بیحد اصرار کیا اور بصورتِ انکار آگ میں جلا دینے کی دھمکی دی، لیکن وہ تمام جھگڑون سے کنارہ کش ہو چکے تھے، اس بنا پر انھون نے نہایت سختی سے انکار کیا، اور ابو الطفیل کو کوفہ بھیجکر اپنے معتقدین سے مدد طلب کی،

ابو طفیل کا بیان ہے کہ ہم کوفہ سے چار ہزار جان نثارون کی ایک جماعت لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو عبد اللہ بن زبیرؓ نے غلاف کعبہ تھام کر پناہ حاصل کی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے مکان کے اردگرد لکڑیون کا انبار لگایا جا چکا تھا، ہم نے ان سے کہا، اگر آپ اجازت دیجئے تو اس شخص سے مخلوق الٰہی کو نجات دین، بولے نہیں! یہ حرم ہے یہان کشت وخون جائز نہیں تم صرف میری حفاظت کرو اور مجھے پناہ دو۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ درحقیقت بنو امیہ کی بہ نسبت حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہین کہ ایک روز مین نے ان کی خدمت مین حاضر ہو کر کہا، کیا آپ ابن زبیر سے لڑکر حرم الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہین؟ بولے معاذ اللہ! حرم مین خونریزی کرنا تو صرف بنو امیہ اور ابن زبیرؓ کی قسمت مین لکھا ہے، مین خدا کی قسم کبھی ایسی جرأت نہ کرون گا، مین نے کہا، لوگ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہین، معلوم نہین ان کو خلافت کا دعویٰ کس بنا پر ہے؟ فرمایا کیون نہین! ان کے والد زبیرؓ حواری رسول تھے، ان کے نانا ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار تھے، ان کی مان اسماءؓ ذات النطاق تھین، ان کی خالہ عائشہؓ ام المؤمنین

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵،

Marfat.com

تھیں، ان کے والد کی پھوپھی خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم تھیں اور ان کی دادی صفیہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، پھر وہ ایک خود بھی پاکباز مومن اور قاریِ قرآن ہیں، خدا کی قسم! اگر وہ میرے ساتھ کوئی احسان کریں گے تو ایک رشتہ دار کا احسان ہوگا، اور اگر وہ میری پرورش کرینگے تو یہ اپنے ایک ہمسر محترم کی پرورش ہوگی[1]

طائف منتقل ہونا — لیکن اس دلی ہمدردی وجانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہوگئی تھی، اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لئے کوفی معاونین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہوگئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔

وفات — ۶۸ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بسترِ علالت کے اردگرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے "میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، اشرف ومقرب ہے، اس لئے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو" غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائرِ روح نے قفسِ عنصری چھوڑا محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپردِ خاک کر کے کہا "خدا کی قسم! آج دنیا سے حبرامت اٹھ گیا" غیب سے ندا آئی

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔ (فجر) یعنی اے نفس مطمئن، اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ۔[2]

علم وفضل

فضل وکمال کے اعتبار سے ابن عباسؓ اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے،

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۷۲ [2] اصابہ جلد ۳ ص ۹۴

Marfat.com

ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری وغیرہ کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں ان کو ید طولیٰ حاصل نہ رہا ہو،

تفسیر بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ عبد اللہ بن عباسؓ قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں، شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبد اللہ بن عباسؓ نے خطبہ دیا اور اس میں سورۂ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ تفسیر کیا تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی،[1]

حضرت عمرؓ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ سے بازی لیجاتے تھے، ایک دن فاروق اعظمؓ کے حلقۂ مجلس میں اکابر صحابہ کا مجمع تھا ابن عباسؓ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیت کا مطلب پوچھا،

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ لَہٗ فِیْہَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَہُ الْکِبَرُ وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَہَآ اِعْصَارٌ فِیْہِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ (بقرہ ۳۶)	کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کریگا کہ اس کا کھجور اور انگور کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آگیا ہو اور اس کے ناتوان بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا گولہ آیا جسمیں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا ہی

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۳۷،

Marfat.com

طریقہ سے اللہ تمھارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان (بقرہ ۳۶)

کرتا ہے، شاید تم بچو،

لوگون نے کہا واللہ اعلم، حضرت عمرؓ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آگیا، بولے اگر نہین معلوم تو صاف صاف کیون نہین کہتے کہ نہین معلوم، ابن عباسؓ جھجکتے ہوئے بولے مین کچھ عرض کرنا چاہتا ہون، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل مین ہو بیان کرو، کہا اس مین عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس مین اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہون مین مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہین[1]،

حضرت عمرؓ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسون مین شریک کرتے تھے، بعض صحابہؓ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انھون نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسون مین کیون شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہین، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد، ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگون سے پوچھا کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ الخ (نصر) جب خدا کی نصرت اور فتح آگئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرن

کے بارہ مین تم لوگون کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہین، کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثنا کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ابن عباسؓ! تمھارا بھی یہی خیال ہے، انھون نے کہا نہین، پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

[1] بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ الخ،

Marfat.com

وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے[1]، درحقیقت حضرت ابن عباسؓ کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسرون کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمانِ اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہؓ مین مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس مین خدا نے فتح ونصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفاے عہد پر حمد وثنا کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہِ رسالت، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھون سے جوے اشک روان ہوگئی کہ اس کی صبح وصل کا نور چھپتا ہوا اور شامِ فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آگئی تھی[2]،

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کوئی تعلق نہین معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصدِ حیات کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا مین انسان ایک نہ ایک مقصد لیکر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہین رہتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دینِ الٰہی کی تبلیغ کے لئے دنیا مین تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق خدا کے دین مین داخل ہو رہے ہین تو اب تم خدا کی تحمید وتقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمھارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیئے،

حضرت ابن عباسؓ تفسیر مین ہمیشہ عام، جامع اور قرینِ عقل شق کو اختیار کرتے تھے سورۂ کوثر مین کوثر کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ اور متعدد اکابر صحابہؓ

---

[1] بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک الخ ص ۷۴۳، [2] صحیح بخاری،

کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا، جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے؟ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بے شمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی[۱]، حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ "خیر کثیر"[۲] حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے عطیۂ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آجاتی ہیں، اور قرآن پاک کے سلسلۂ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تاکہ اس کے بعد کفار سے برأت (قل یا ایہا الکافرون) اور فتح و نصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہوجائے،

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (شوریٰ۔ مکی ۳) — کہدو اے محمد (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو،

عام مفسرین "قربیٰ" سے مراد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباسؓ قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربیٰ کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت، ابن عباسؓ نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں[۳]

[۱] مسلم [۲] بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر انا اعطیناک الکوثر [۳] ایضاً باب قولہ تعالیٰ قل لا الخ

Marfat.com

تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے بارہ میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور ماله وما علیہ سے ان کو پوری واقفیت نہ ہو،

لَا تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا، (نساء ۱۳) — اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لئے) جو تم کو سلام کرے اس کو تم خوانخواہ نہ کہو تو مسلمان نہیں ہے،

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے، اس کی تفسیر بھی ابن عباسؓ کی ممنونِ احسان ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مالِ غنیمت لئے ہوئے تھا مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگوں نے (شبہہ میں) مار ڈالا، اور مالِ غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا[1]

اسی طریقہ سے اس آیت،

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ، (حجر ۲) — ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں،

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے، اور رکوع میں بغل کے راستہ سے نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی[2]

قرآن مجید کا یہ حکم

---

[1] بخاری باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا، و مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۲۹، [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۳۰۵

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّ	اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہین اور جو نہین کیا ہے
يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا	اس پر تعریف چاہتے ہین تو ایسے لوگون کی نسبت ہرگز
تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ	یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائین گے بلکہ ان
عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ۱۹)	کے لئے دردناک عذاب ہے،

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کیے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہین کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہان رہتا ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس مین نہ ہوگا، اس تہدیدی حکم کے استفسار کے لئے مروان نے اپنے دربان کو عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ ہم مین سے کون ایسا ہے، جس کے دل مین یہ جذبہ نہ ہو، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب مین مبتلا ہون گے، حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگون سے کوئی تعلق نہین، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارہ مین نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت،

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	جب خدا نے ان لوگون سے جن کو کتاب دی ہے یہ
لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ (آل عمران ۱۹)	وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگون کو کھول کھول کے سنائین گے،

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا، مگر انھون نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انھون نے اصل جواب جو ان کی کتاب مین تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشا دوسرا فرضی جواب دیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا کہ انھون نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شادان و فرحان ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہین (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر

Marfat.com

خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف کے خواہان ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے خواہان ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لئے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے[1]

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراستِ اطبائی، دقیقہ سنجی، اور قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مجمع میں سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے تم لوگ اس سے کونسی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں، کسی نے پانچویں، کسی نے تیسری بتائی، ابن عباسؓ سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے، عرض کی اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لئے تمہیں بلایا ہے، کہا میں اپنی ذاتی رائے دوں گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں، کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان، سات زمین، ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں غلہ، انگور، شاخ، زیتون، کھجور کے درخت، گنجان باغ، اور میوے اگائے یہ بھی سات باتیں ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ جواب سنکر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے، یہ جواب کیوں نہ دیا، گو بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی، کی تعیین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں، سبھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس و فہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی، لیکن ابن عباسؓ نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت ابن عباسؓ تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہؓ اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخر ان کو بھی ان کی صلاحیت

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۲۹۸ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹

تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا،

ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آیت کانتا رتقاً ففتقنا هما، کا مطلب پوچھا، انھوں امتحان کی غرض سے ابن عباسؓ کے پاس بھیجدیا کہ ان سے پوچھکر بتاؤ، اس نے جاکر پوچھا، انھوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے، زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آکر یہ جواب حضرت ابن عمرؓ کو سنایا، انھوں نے کہا ابن عباسؓ کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے[1] حضرت ابن عمرؓ اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباسؓ کے پاس بھیجدیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انھوں نے کہا ابن عباسؓ سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں[2]

علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے، حضرت ابن عباسؓ اس بحر زخار کے بھی شناور تھے، اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے، یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا، "تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا"![3]

گو حضرت ابن عباسؓ قرآن کی تعلیم میں بخل نہ کرتے تھے، اور ان کا دروازہ ہر طالب قرآن کے لئے کھلا ہوا تھا، تاہم وہ اس نکتہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ جب کثرت سے قرآن کی اشاعت

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [2] ایضاً ص ۹۳ [3] کتاب الناسخ والمنسوخ ابو جعفر نحاس،

Marfat.com

ہوگی اور ہر کس و ناکس فہم قرآن کا مدعی ہو جائے گا، تو امت مین اختلاف کا دروازہ کھل جائیگا
ان کی اس نکتہ رسی کا اعتراف حضرت عمرؓ کو بھی کرنا پڑا، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت مین سارے
ممالک محروسہ مین حافظ قرآن مقرر کر دیئے تھے کہ وہ مسلمانون کو قرآن کی تعلیم دین، ایک دن
ابن عباسؓ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حاکم کوفہ کا خط آیا کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا
حضرت عمرؓ نے یہ مژدہ سنکر تکبیر کا نعرہ لگایا، لیکن ابن عباسؓ بولے کہ اب ان مین اختلاف کا
تخم پڑ گیا، حضرت عمرؓ نے غصہ سے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا، اس واقعہ کے بعد یہ گھر چلے آئے لیکن
حضرت عمرؓ کے دل مین ان کا کہنا کھٹکتا رہا، چنانچہ آدمی بھیجکر ان کو بلا بھیجا، انھون نے عذر کر دیا، دوبارہ
پھر آدمی بھیجا کہ تم کو آنا ہوگا، اس تاکید پر یہ چلے آئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا تم نے کوئی رائے ظاہر
کی تھی، انھون نے کہا پناہ بخدا اب مین کبھی دوبارہ کوئی خیال نہ ظاہر کرون گا، حضرت عمرؓ نے کہا
مین طے کر چکا ہون کہ جو تم نے کہا تھا اس کو کہلوا کر رہون گا، اس اصرار پر انھون نے کہا کہ آپ نے
جب کہا کہ میرے پاس خط آیا ہے کہ کوفہ والون نے اتنا اتنا قرآن یاد کر لیا، اس پر مین نے کہا کہ
ان لوگون مین اختلاف پیدا ہو گیا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ تم نے کیسے جانا، انھون نے سورۂ بقر کی یہ آیتین
پڑھ کر سنائین،

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ، وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ، وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ	اے محمد! لوگون مین سے بعض ایسے آدمی بھی ہین جن کی باتین تم کو دنیاوی زندگی مین بھلی معلوم ہوتی ہین اور وہ اپنی دلی باتون پر خدا کو گواہ بناتا ہے، حالانکہ وہ دشمنون مین بڑا جھگڑالو ہے اور جب وہ تمھارے پاس لوٹ کر جائے تو ملک مین پھرے تاکہ اس مین فساد پھیلائے، اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور

Marfat.com

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ،

(بقرہ ع ۲۵)

اللہ فساد کو پسند نہین کرتا اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈرو تو ان کو عزتِ نفس گناہ پر آمادہ کرے ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے، اور لوگون مین کچھ ایسے بھی ہین جو خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہین اور اللہ بندون پر شفقت کرنے والا ہے،

یہ آیتین سنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے تم نے سچ کہا ہے[1]

حدیث

حضرت ابن عباسؓ ان مخصوص صحابہؓ مین ہین جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہین، اگر حدیث کی کتابون سے ان کی روایتین علحدہ کر لی جائین تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائین گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۱۶۶۰ ہے، ان مین ۹۵ متفق علیہ ہین، یعنی بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان کے علاوہ ۱۲۰ روایتون مین بخاری منفرد ہین اور ۹ مین مسلم[2]،

ان کی روایات کی کثرت اور معلومات کی وسعت خود ان کی ذاتی کاوش و جستجو کا نتیجہ ہین، گو بہت سی روایتین براہِ راست خود زبانِ وحی والہام سے لی ہین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال سے زائد نہ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر مین علم کا اتنا سرمایہ کہان سے حاصل کر سکتے تھے، ان کے ذوقِ علم اور تلاش و جستجو کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۴۰ [2] شرح تہذیب الکمال ص ۲۰۲

علیہ وسلم وفات پاگئے، مگر آپ کے اصحاب زندہ ہین چلو ان سے تحصیل علم کرین، انھون نے کہا ابن عباسؓ! مجھکو تم پر حیرت ہوتی ہے تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم مین خود تمھارے محتاج ہین، پھر تم دوسرون کے پاس جاتے ہو، یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہان کہین سراغ ملتا کہ فلان شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اٹھاکر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکل آتا اور کہتا کہ ابن عم رسولؐ! آپ نے کیسے تکلیف کی، یہ اپنا مدعا بیان کرتے کہ مین نے سنا ہے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے، وہ کہتا ابن عم رسولؐ! آپ نے کیون زحمت گوارا کی، کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے نہین یہ میرا فرض تھا، اس طریقہ سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمنِ علم کا انبار لگایا، جب ان کے فضل وکمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنھون نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ "ابن عباسؓ ہم سے زیادہ عقلمند تھے"[1]

ابوسلمہؓ روایت کرتے ہین کہ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو مین خود اس کے مکان پر جاکر حاصل کرتا، حالانکہ اگر مین چاہتا تو راوی کو اپنے یہان بلوا سکتا تھا،[2]

ابورافعؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، اس لئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال دیکھنے اور اقوال سننے کا زیادہ موقع ملتا تھا، ابن عباسؓ ان کے پاس کاتب لیکر آتے اور پوچھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلان فلان دن کیا کیا، ابورافعؓ بیان کرتے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ فضائل ابن عباسؓ سعی ابن عباسؓ فی طلب العلم [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵ [3] اصابہ جلد ۳ ص ۹۲

Marfat.com

اسی تلاش وجستجو نے ان کو اقوال وافعال نبوی کا سب سے بڑا حافظ بنا دیا تھا، اکثر اکابر صحابہؓ کو جو عمر اور مرتبہ مین ان سے کہین زیادہ تھے، ان کے مقابلہ مین اپنے قصورِ علم کا اعتراف کرنا پڑتا تھا، یہ فتویٰ دیتے تھے کہ حائضہ طواف رخصت کئے بغیر لوٹ جائے، حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کاتبِ وحی کو معلوم ہوا تو انھون نے پوچھا تم حائضہ عورت کو یہ فتویٰ دیتے ہو، انھون نے کہا ہان، زید بن ثابتؓ نے کہا یہ فتویٰ نہ دیا کرو، انھون نے کہا مین تو یہی دون گا، اگر آپ کو شک ہے تو فلان انصاریہ سے جاکر پوچھ لیجئے کہ اس کو یہ حکم دیا تھا یا نہین، زید بن ثابتؓ نے جاکر پوچھا تو ابن عباسؓ کا فتویٰ صحیح نکلا چنانچہ ہنستے ہوئے واپس آئے اور بولے تم نے سچ کہا تھا[1]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ان مین اور مسور بن مخرمہ مین محرم کے سر دھونے کے بارہ مین اختلاف ہوا، یہ کہتے تھے محرم سر دھو سکتا ہے، مخرمہ اس کے خلاف تھے اس پر عبداللہ بن عباسؓ نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے پاس تحقیق کے لئے بھیجا، یہ اس وقت کپڑا آڑ کئے ہوئے کنوین پر نہا رہے تھے، عبداللہ نے سلام کیا، انھون نے پوچھا کون ہو کہا مین ہون عبداللہ بن حنین، ابن عباسؓ نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت مین کس طرح سر دھوتے تھے، ابوایوبؓ نے عملاً نقشہ کھینچ کر بتا دیا،[2]

جب صحابۂ کرامؓ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل کے بارہ مین اختلاف ہوتا تو وہ ابن عباسؓ کی طرف رجوع کرتے، اس بارہ مین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہان سے احرام باندھا، صحابہؓ مین بہت اختلاف ہے، سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ابوالعباس مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ مین آپ کے احرام باندھنے کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۲۲۶ [2] ابوداؤد کتاب المناسک باب المحرم یغسل راسہ

جگہ کی تعیین میں بہت زیادہ اختلاف ہے، انھون نے کہا میرے معلومات اس بارہ مین سب سے زیادہ ہین، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی حج کیا ہے، اس لئے لوگون مین اختلاف پیدا ہوگیا، اس کا سبب یہ ہے کہ جب آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد مین دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھا اور لبیک کہنا شروع کیا، جو لوگ اس وقت موجود تھے، انھون نے اسی کو یاد رکھا، پھر جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ چلی تو پھر آپ نے لبیک کہا، اس وقت جو لوگ موجود تھے وہ یہ سمجھے کہ آپ نے یہین ابتدا کی ہے، چنانچہ وہ لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جب آپ اونٹنی پر سوار ہو کر چلے اس وقت سے لبیک کہنا شروع کیا، اس کے بعد جب آپ بلند مقام پر چڑھے تب لبیک کہا جو لوگ اس وقت آکر ملے، وہ یہان سے ابتدا سمجھے چنانچہ وہ کہتے ہین کہ جب آپ بلندی پر چڑھے اس وقت سے کہنا شروع کیا، لیکن مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ آپ نے مسجد مین احرام باندھا، اس کے بعد جب اونٹنی چلی تب اور جب بلند مقام پر چڑھے تب، دونون مرتبہ لبیک کہا۔[1]

روایتون مین احتیاط

عموماً کثیر الروایت راویون کے متعلق یہ شبہہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے مین محتاط نہین ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہین رکھتے، لیکن ابن عباسؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک و شبہات سے ارفع و اعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہان اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگون نے ہر قسم کی رطب و یابس حدیثین

[1] ابو داؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام،

Marfat.com

بیان کرنا شروع کردین، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا[1] لوگون سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ کہتے وقت یہ خوف نہین معلوم ہوتا کہ تم پہ عذاب نازل ہو جائے یا زمین شق ہو جائے اور تم اس مین سما جاؤ،[2] اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دینے تو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیتے تھے[3] کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے،

حلقۂ درس حضرت ابن عباسؓ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا سینکڑون طلبگار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کیلئے وقف تھا، کبھی کوئی شخص ان کے چشمۂ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسین خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکرون کے لیے مخصوص تھین، اور ان مین باقاعدہ ہر علم و فن کی جداجدا تعلیم ہوتی تھی، ابو صالح تابعی بیان کرتے ہین کہ "مین نے ابن عباسؓ کی ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کے سامنے آدمیون کا اتنا ازدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، مین نے جا کر اس ازدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، مین پانی لایا، انھون نے وضو کیا، وضو کرکے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہون، ان کو اطلاع دو، مین نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلون سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دیکر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام و حلال اور فقہ کے سائلون کو بلاؤ، مین نے ان لوگون کو اطلاع دی چنانچہ ان کا جم غفیر آیا، اور جن کو جو سوالات کرنا تھے پیش کیے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے

[1] مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات [2] ایضاً باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] مسند احمد ابن حنبل جلد اول ص ۳۵۰،

Marfat.com

سوالات سے زیادہ جواب دیکر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمھارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعر و شاعری اور ادب و انشاء کے سائلوں کو بلاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کئے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابوصالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی[1]

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبد اللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا، اور تارے نکل آئے، لوگوں نے نماز نماز کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ جھنجھلا کر بولے لا اُمّ لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ ظہر، عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبد اللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی، انھوں نے جا کر حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا ہاں صحیح ہے[2]

حضر کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمۂ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنوں کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لیجاتے تھے اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبانِ علم کی درسگاہ بنجاتی[3]

ص ۳۵۳

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۸ [2] مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرہا باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر [3] استیعاب جلد اوّل

Marfat.com

ترجمان کا تقرر — اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران و مصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جنکی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباسؓ نے ان کی آسانی کے لئے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔[1]

تلامذہ — ان کی اس فیض رسانی دعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے،

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی؛ بھائیوں میں کثیر، بھتیجوں میں عبد اللہ ابن عبید اللہ، اور عبد اللہ بن معبد، عام لوگوں میں عبد اللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ ابو الطفیل، ابو امامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبد اللہ بن حارث، عبد اللہ بن عبد اللہ، عبد اللہ بن شداد، یزید بن اصم، ابو سلمہ بن عبد الرحمن، ابو جمرہ ضبعی، ابو مجلز لاحق بن حمید، ابو رجاء عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسباق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبید اللہ ابن عبد اللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس، کریب، سعید بن جبیر، مجاہد، عمرو بن دینار، ابو الجوزا اوس بن عبد اللہ ربعی، ابو الشعثاء، جابر بن زید، بکر بن عبد اللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابو الجویرہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبد الرحمن بن عوف، رفیع ابو العالیہ، مقسم، ابو صالح السمان، سعد بن ہشام، سعید بن ابو الحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابو الحباب سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابو زمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبد اللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبد اللہ بن ابی ملیکہ، عبد اللہ بن کعب ابن مالک، عبد اللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبد الرحمن بن مطعم، عبد الرحمن بن وعلہ،

[1] مسلم جلد اول

عبدالعزیز بن رفیع، عبدالرحمن بن عابس نخعی، عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور، عبیداللہ بن یزید الملکی، علی بن ابوطلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، مسلم القریر، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن جبیر بن مطعم، ناعم، نضر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابوالبختری الطائی، ابوالحسان الاعرج، یزید بن ہرمز، ابوحمزہ قصاب، ابوالزبیر مکی، ابوعمر البہرانی، ابوالمتوکل الناجی، ابونضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم[1]

فقہ و فرائض: حضرت ابن عباسؓ کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر چاہیئے، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پروتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کئے تھے[2]

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ و مجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کرکے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباسؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ

[1] تہذیب التہذیب [2] اعلام الموقعین ج۱ ص۱۳

Marfat.com

ہوتی، توحضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ نہ حل ہوتا، توپھر اجتہاد کرتے[1] مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ "جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ میں نہیں ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا"[2]

حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہوگئے، حضرت علیؓ نے ان کو زندہ جلادیا، ابن عباسؓ کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کے بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کردو، پھر فرمایا کہ "جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو"، یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباسؓ پر افسوس ہے[3]

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبلؓ زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر نہ تھے تاہم عام صحابہؓ میں حضرت ابن عباسؓ بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباسؓ ممتاز درجہ رکھتے تھے[4]

دیگر علوم | ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعروشاعری اور ادب وانشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمۂ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباسؓ نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ

---

[1] اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۷، [2] ایضاً [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۹ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳،

Marfat.com

مین نمونہ کے طور پر نقل کئے ہین،

اذا طارقات الھم ضاجعت لفتی ... واعمل فکر اللیل واللیل عاکر

جب رات کے آنے والے غم کسی جوانمرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہین اور شب کے آخر حصہ مین تفکرات اپنا عمل کرتے ہین

وباکرنی فی صاحبۃ لم یجد بھا ... سوای ولا من نکبۃ الدھر ناصر

اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت مین اپنی حاجت لیکر آتا ہے کہ اس مین اور اسکی زمانہ کی بدبختیون مین اسکا کوئی مددگار نہین ہوتا

فرجت بمالی ھمہ من مقامہ ... وزائلہ ھمّ طروق مسامر

تو مین اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہون، اور اس کے رات کی آنے والے تفکرات دور ہو جاتے ہین،

وکان لہ فضل علی بظنہ ... بی الخیر انی للذی ظن شاکر

اور مین اسی کا ممنون ہون کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو اسکا مین شکور ہوتا ہون

شعر گوئی کے ساتھ فصیح و بلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انھون نے کوئی شہرت نہین حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباسؓ گفتگو کرتے تھے تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے[۵]

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد ان مین اور امیر معاویہؓ مین جو گفتگو ہوئی ہے وہ حسن بیان کا ایک دل آویز نمونہ ہے[۲]

معاویہؓ: اجرك الله ابا العباسؓ فی ابی محمد الحسن بن علی

معاویہؓ: ابو العباس خدا تمھین ابی محمد الحسن بن علی کی موت پر اجر دے،

فقال ابن عباس: انا للہ وانا الیہ راجعون وغلبہ البکاء فرد ثم

ابن عباسؓ:- ابن عباسؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آنسو ضبط کرکے بولے خدا کی قسم ان کی

---

[۱] کتاب العمدہ ص ۵ [۲] استیعاب جلد اول ص ۳۸۴ [۳] کتاب البیان والتبیین جاحظ جلد ۲ ص ۱۸۰،

Marfat.com

قال لا یسد الله مکانه حفرتك ولا یزید موته في اجلك والله لقد اصبنا بمن هو اعظم منه فقدا فما ضیعنا الله بعده	موت سے تمھاری قبر پُر نہ ہو جائیگی اور نہ انکی موت سے تمھاری زندگی مین کچھ اضافہ ہوگا، خدا کی قسم ہم کو ان سے بڑے کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا، خدا کی قسم اس کے بعد ہمارا کیا چارہ تھا،
معاویہؓ:۔ کم کانت سنه	**معاویہؓ**:۔ ان کی عمر کتنی تھی،
ابن عباسؓ:۔ مولده اشهر من ان تعرف سنه	**ابن عباسؓ**:۔ ان کی ولادت اتنی مشہور ہے کہ تم کو ان کی عمر معلوم کرنے کی ضرورت نہین،
معاویہؓ:۔ احسبه ترك اولادا صغارا	**معاویہؓ**:۔ میرا خیال ہے کہ انہون نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں
ابن عباسؓ:۔ کان کلنا صغیرا فکبر ولئن	**ابن عباسؓ**:۔ ہم سب چھوٹے تھے پھر بڑے ہوئے،
اختار الله لابي محمد ما عنده وقبضه الی رحمته لقد ابقی الله ابا عبد الله وفي مثله الخلف الصالح،	اگر خدا نے ابو محمد (حسنؓ) کو اپنی رحمت کی طرف بلا لیا تو ابھی اس نے ابو عبد اللہ (حسینؓ) کو زندہ رکھا ہے اور ان کے ایسے لوگ خلف صالح ہوتے ہین،

تقریر اس قدر شیرین ہوتی تھی کہ بے ساختہ سننے والون کی زبانون سے مرحبا نکل جاتا، ہم نے مستدرک حاکم کے حوالہ سے اوپر نقل کیا ہے کہ شقیق بیان کرتے تھے کہ "ابن عباسؓ نے ایک مرتبہ حج کے موسم مین سورۂ نور کی تفسیر اس اچھوتے انداز سے بیان کی تھی کہ اس سے بہتر نہ میرے کانون نے سنی تھی، نہ آنکھون نے دیکھی تھی، اگر اس کو فارس و روم سن لیتے تو پھر ان کو اسلام سے کوئی چیز نہ روک سکتی" ابن ابی شیبہ کی روایت مین اتنا اور اضافہ ہے کہ ایک شخص بولا کہ ابن عباس کی شیرین بیانی اور حلاوت پر میرا بے اختیار دل چاہتا تھا کہ ان کا سر چوم لون"[1]

ابن عباسؓ کی جامعیت اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ

[1] اصابہ بحوالہ ابن ابی شیبہ تذکرہ عبد اللہ بن عباسؓ،

Marfat.com

کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویلِ قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویلِ قرآن پر روشنی ڈالتے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے، کسی دن ایامِ عرب کی داستان سناتے، کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمۂ فیض ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمالِ علم کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا[1]

معاصرین کا اعتراف حضرت ابن عباسؓ صحابہؓ کی جماعت میں گو عمر میں بہت چھوٹے تھے، مگر ان کا علم سب سے بڑا تھا، ان کے تمام معاصرین جن میں سے بڑے بڑے صحابہؓ تک تھے، ان کے فضل و کمال کے معترف تھے۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے ابن عباسؓ ادھیڑ عمر والوں میں نوجوان ہیں، ان کی زبان سائل اور ان کا ذہن رسا ہے، مجاہد تابعی کہتے تھے کہ "میں نے ابن عباسؓ کے فتاوی سے بہتر کسی شخص کا فتویٰ نہیں دیکھا، علاوہ اس شخص کے جو قال رسول اللہ کہتا ہے" طاؤس کہتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانسو اصحابؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں ابن عباسؓ سے مباحثہ کرتے اور دونوں میں اختلافِ رائے ہوتا تو آخر میں ابن عباسؓ ہی کی رائے

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۳-۱۹۴

Marfat.com

پر فیصلہ ہوتا"

عبید اللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ میں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے زیادہ سنت کا عالم، ان سے زیادہ صائب الرائے، ان سے بڑا دقیق النظر کسی کو نہیں دیکھا، حضرت عمرؓ باوجود اپنے ملکہ اجتہاد اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ابن عباسؓ کو مشکلات کے لئے تیار کرتے تھے، قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ "ہم نے ابن عباسؓ کی مجلس میں کبھی کوئی باطل تذکرہ نہیں سنا، اور ان سے زیادہ کسی کا فتویٰ سنتِ نبوی کے مشابہ نہیں دیکھا"[1] طاؤس تابعی حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ بہت رہا کرتے تھے، ابو سلیم نے ان پر اعتراض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ کو چھوڑ کر تم اس چھوکرے سے کیوں چمٹے رہتے ہو؟ انھوں نے کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحابؓ کو دیکھا ہے جب وہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرتے تھے تو آخر میں ان کو ابن عباسؓ ہی کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا،[2] حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا آج اس امت کا عالم اٹھ گیا، امید ہے کہ خدا ابن عباسؓ کو ان کا قائم مقام بنائے گا،[3] مشہور عالم صحابی ابی بن کعبؓ کے بیٹے محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ ایک دن میرے والد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، جب وہ اٹھ کر چلے تو میرے باپ نے کہا کہ ایک دن یہ شخص اس امت کا حبر زبردست عالم ہوگا،[4] حضرت ابی بن کعبؓ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ابن عباسؓ اپنے کثرت علم کی وجہ سے حبر الامۃ کہلانے لگے،[5]

معاصرین کی عزت اس ذاتی علم و فضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ سوار ہوئے

---

[1] یہ تمام اقوال استیعاب سے منقول ہیں جلد اول ص ۳۸۴ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۴ [3] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [4] ایضاً ص ۹۱ [5] مستدرک حاکم فضائل ابن عباسؓ،

Marfat.com

تو ابن عباسؓ نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابتؓ نے کہا اے ابن عم رسول! ایسا نہ کیجئے، فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیئے، زید بن ثابتؓ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہیئے[1]

بدعت سے نفرت | عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے اس میں جہاں رخنہ پیدا ہوا، مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، تقدیر کا مسئلہ مذہب میں ایسا نازک اور پیچیدہ ہے کہ اس میں ادنیٰ افراط و تفریط سے عظیم الشان فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، صحابہؓ کے آخر زمانہ میں نو مسلم مجبوسیوں کے ذریعہ سے خیر و شر اور قضا و قدر کی بحث عراق میں پیدا ہو چلی تھی، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص تقدیر کا منکر ہے، اس وقت ان کی آنکھوں کی بصارت زائل ہو چکی تھی، پھر بھی لوگوں سے کہا کہ مجھکو اس شخص تک پہنچا دو، لوگوں نے پوچھا آپ اس کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کریں گے؟ بولے اگر ہو سکا تو اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا، اور اگر گردن ہاتھ میں آگئی تو اس کو توڑ دوں گا، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ "میں بنو فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ خزرج کا طواف کر رہی ہیں، اور سب کی سب اعمال شرک میں مبتلا ہیں، تقدیر کا انکار اس امت کا پہلا شرک ہے، میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایسے لوگوں کی بری رائے یہیں تک نہ محدود رہے گی، بلکہ جس طرح انھوں نے خدا کو شر کی تقدیر سے معطل کر دیا ہے، اسی طرح اسکی خیر کی تقدیر سے منکر ہو جائیں گے[2]

رسول کی محبت | حضرت ابن عباسؓ کو ذات نبویؐ کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی، آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بیقرار ہو جاتے سعید بن جبیر تابعی

---

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۹۲ [2] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۳۰،

Marfat.com

روایت کرتے ہین کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا "پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ" اتنا کہنے پائے تھے، ابھی مبتدا کی خبر بھی نہ نکلی تھی کہ زار و قطار رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوے سنگ ریزے ان کے آنسوؤن سے تر ہوگئے، ہم لوگون نے کہا ابو العباس! پنجشنبہ کے دن مین کیا خاص بات تھی، بولے اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپنے فرمایا "لاؤ مین تم لوگون کو ایک پرچہ پر لکھ دون کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ" اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبیؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہین ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہذیان ہو گیا ہے، اور آپسے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ تو اس کی حالت مین دے رہے ہین، یا ہذیان ہے، آپنے فرمایا میرے پاس سے ہٹ جاؤ، مین جس حالت مین ہون وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھے بلانا چاہتے ہو۔[1]

رسول کی خدمت ام المومنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھین، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتون کو بھی رہ جاتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری کا بھی انھین موقعہ ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر مین تشریف فرما تھے، ابن عباسؓ نے آپکے لئے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابن عباسؓ نے آپکے لئے وضو کا پانی رکھا ہے، آپنے دعا دی "خدایا ان کو دین مین سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"،

ایک دوسری روایت مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاے ضرور سے فارغ ہو کر تشریف لائے، تو ایک طشت مین پانی ڈھکا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کس نے رکھا ہے، ابن عباسؓ نے عرض کی مین نے، فرمایا "خدایا ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"[2] کبھی کبھی آپ نود

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۲۰ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ و ۵۳۷ بشرط شیخین،

Marfat.com

بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا، بھاگ کے ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت سے آکر پکڑ لیا، اور فرمایا جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، معاویہ اس وقت آپ کے کاتب تھے، ابن عباسؓ نے جاکر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھاری ضرورت ہے، فوراً چلو[1]

رسول کا احترام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، ابن عباسؓ آکر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپ نے نماز شروع کی، ابن عباسؓ ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ "میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا، تم پیچھے کیوں ہٹ گئے"، عرض کی، کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لئے فہم و فراست کی دعا فرمائی[2]

امہات المومنین کا احترام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المومنین کے ساتھ بھی اس عزت و تکریم سے پیش آتے تھے، جب حضرت میمونہؓ کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام سرف میں جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انھوں نے کہا کہ، لوگو! یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم کا جنازہ ہے، نعش آہستہ اٹھاؤ، ہلنے نہ پائے[3]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ و ۵۳۵ بشرط الشیخین [2] ایضاً [3] مسلم کتاب الرضاع باب جواز ہبتہا لضرتہا،

Marfat.com

یہ احترام حضرت میمونہؓ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المومنینؓ کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشون کی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے کچھ بدمزگی ہو گئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی،

ذکوان حضرت عائشہؓ کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے مرض الموت مین ابن عباسؓ آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی، مین نے حضرت عائشہؓ سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہؓ کے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمن ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے انھون نے بھی کہا کہ ابن عباسؓ آنے کی اجازت چاہتے ہین، بولین ان کو آنے کی ضرورت نہین، عبداللہ بن عبدالرحمن نے کہا، امان! ابن عباسؓ آپ کے سعادتمند بیٹے ہین، وہ سلام کرتے ہین، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہین، ان کو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلا لو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی، آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا چاہتی ہین،) حضرت عائشہؓ نے جواب مین فرمایا "تم کو بھی بشارت ہو،" اس خوش آیند سلسلۂ کلام کے بعد ابن عباسؓ نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اعزۂ احباب سے ملنے مین صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے پھر حضرت عائشہؓ کے فضائل بیان کئے،[1]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۲۷۶،

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام، نسب: عبداللہ نام، ابو عبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ بن مسعودؓ بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر،

حضرت عبداللہؓ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے[1]،

ابتدائی حالات: ایام جاہلیت میں زمانۂ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا، یہاں تک کہ شرفاء و امراء کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درسگاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا،

مکہ میں جب دعوتِ توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہؓ اسی درسگاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں[2]،

اسلام: ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس وہمدم حضرت ابوبکر صدیقؓ کیساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے فرمایا، "صاحبزادے! تمھارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ"، بولے "میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیئے ہوں"، عرض کی "ہاں"، اور ایک بکری پیش کی، آپ نے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [2] ایضاً،

Marfat.com

تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، یہان تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی نے اس کو علٰحدہ لیجا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینون آدمیون نے یکے بادیگرے خوب سیر ہوکر نوش فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن سے فرمایا خشک ہوجا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا،[1]

اس کرشمۂ قدرت نے حضرت عبد اللہ رضی کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہوکر عرض کی مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے" آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا، "تم تعلیم یافتہ بچے ہو" غرض اس روز سے وہ معلمِ دینِ مبین کے حلقۂ تلمذ مین داخل ہوئے، اور بلا واسطہ خود مہبطِ وحی والہام سے ستر سورتون کی تعلیم حاصل کی جن مین کوئی ان کا شریک و سہیم نہ تھا،[2]

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت مین حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادم خاص بنا لیا، انشاء اللہ آگے ایک خاص باب مین خدمت گذاریون کی تفصیل آئے گی،

جوشِ ایمان حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اس زمانہ مین ایمان لائے تھے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کی جرأت نہین کی تھی، چنانچہ ایک روز مسلمانون نے باہم مجتمع ہوکر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا "خدا کی قسم! قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہین سنا" لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پُر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا،

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عبد اللہ بن مسعود رضی [2] مسند احمد بن حنبل،

Marfat.com

لوگوں نے کہا کہ تمھارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لئے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو، اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبد اللہؓ نے جوشِ ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا "مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے"!

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس دارفتۂ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر سازِ توحید پر مضراب لگائی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علّم القرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا، مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟" کسی نے کہا کہ محمدؐ پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں، اسی طرح حضرت عبد اللہؓ کا شعلۂ ایمان اس ظلم وتعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی،

حضرت عبد اللہؓ جب اس فرض کو انجام دے کر خستگی وشکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے "خدا کی قسم! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں، لوگوں نے کہا "بس جانے دو، اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا"[1]

[1] اسد الغابہ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ،

Marfat.com

ہجرت حضرت عبد اللہؓ کے جوش و غیرتِ ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہان تک کہ ان کی مسلسل و پیہم ایذا رسانیون سے تنگ آکر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرا نوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کرکے یثرب کی راہ لی اور یہان پہنچکر حضرت معاذ بن جبلؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونون مین بھائی چارہ کرا دیا، اور مستقل سکونت کیلئے حضرت عبد اللہؓ کو مسجد نبوی کے متصل ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا۔[1]

غزوات حضرت عبد اللہؓ تمام مشہور و اہم جنگون مین جانبازی و پامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوۂ بدر مین دو انصاری نوجوانون نے سرخیلِ کفار ابو جہل بن ہشام کو تہِ تیغ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ابو جہل کی خبر لاتا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ گئے، ابھی کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابو جہل تو ہی ہے،[2]

غزوۂ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ مین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے، مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ مین غزوۂ حنین پیش آیا، اس جنگ مین مشرکین اس طرح یکایک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہوگئے اور دس ہزار کی جماعت مین سے صرف اسی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمعِ نبوت کے ارد گرد پروانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان ہی جان نثارون مین تھے، فرماتے ہین کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی قدم تک پسا ہوئے لیکن پھر جم کر کھڑے ہوگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا، اسی حالت مین آپ ایک دفعہ زین سے جھکے، مین نے پکار کر کہا، آپ سر بلند رہین خدا نے آپ کو

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ تذکرہ عبد اللہ بن مسعودؓ [2] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۵،

Marfat.com

رفعت عطا فرمائی ہے"؛ فرمایا "مجھے ایک مٹھی خاک اٹھادو"، مین نے خاک اٹھا کر دی، تو آپ نے مشرکین کے منھ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھین غبار آلود ہوگئین، پھر ارشاد ہوا "مہاجرین وانصار کہان ہین؟"، مین نے اشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انھین آواز دے کر بلاؤ، مین نے چیخ کر پکارا، تو یکایک سب کے سب پلٹ پڑے، اس وقت ان کی تلوارین نورِ ایمان سے اس طرح چمک رہی تھین، جس طرح شعلہ دمکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے، اور میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا[۱]،

جنگ یرموک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے، لیکن عہدِ فاروقؓ مین جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگِ شجاعت مین بھی ہیجان پیدا کیا، ۱۵ھ مین گوشۂ خلوت سے نکلکر رزمگاہِ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے، اور میدانِ یرموک کی فیصلہ کن جنگ مین سرگرمِ پیکار ہوکر خوب دادِ شجاعت دی[۲]،

عہدۂ قضاء ۲۰ھ مین کوفہ کے قاضی مقرر کئے گئے، عہدۂ قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری، مسلمانون کی مذہبی تعلیم، اور والیِ کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمانِ تقرری کے الفاظ یہ ہین،

انی بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرا وابن مسعود معلما ووزیرا وقد جعلت ابن مسعود علی بیت مالکم وانھما لمن النجباء من اصحاب محمد من اھل بدر، فاسمعوا لھما واطیعوا واقتدوا بھما وقد اثرتکم

مین نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ذی عزت اصحاب مین سے ہین جو معرکۂ بدر مین شریک تھے، اس لئے ان کی سمعًا وطاعۃً کہو اور اتباع

---

[۱] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۵۳ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۷،

یا ابن ام عبد علی نفسی [1] | کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمھارے لئے ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعودؓ) کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی وخوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے، اس طویل عرصہ مین بساط سیاست پر گوناگون انقلاب ہوئے خلیفۂ دومؓ نے وفات پائی، خلیفۂ ثالثؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا، اور خاص کوفہ کی عنان حکومت اہل کوفہ کی شکایت واحتجاج پر یکے بادیگرے مختلف والیون کے ہاتھ مین آئی، لیکن وہ جس احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی،

فطری رحم دلی، نرمی اور لطف کے باعث عفو، درگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہِ عدالت مین جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہوجائے تو اس کے ساتھ نرمی ودرگذر سے پیش آنا درحقیقت نظامِ حکومت کے ارکان واساطین کو متزلزل کردیتا ہے، اس بناپر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی وشفقت کے باوجود قانونِ معدلت کے اجرا مین کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادر زادہ کو شراب خواری کے جرم مین پیش کیا، حضرت عبد اللہؓ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم وشفقت سے بھر آیا اور منت وسماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انھون نے غضبناک ہوکر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے، اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کرکے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جو اب ممکن نہین، اسلام مین سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۸،

Marfat.com

اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض وچشم پوشی سے کام لینا چاہئیے کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمھیں بخشدے"۔

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلافِ حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسولِ خدا کہتے ہیں، حضرت عبداللہؓ نے چند سپاہی بھیجکر ان کو گرفتار کرایا اور سب کی توبہ قبول کرکے چھوڑ دیا، لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لئے قتل کی سزا تجویز کی، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بنکر گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا کہ "اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمھیں قتل کرادیتا"، اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا۔

حضرت عثمانؓ کے آخری عہدِ خلافت میں جب کوفہ سازش، فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز ہوگیا تو عہدۂ قضا کے لحاظ سے قدرتًا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دورِ امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا، جو امیرِ کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھا رہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نام ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا، چونکہ یہ صریحًا معاملاتِ حکومت میں مداخلتِ بیجا تھی، اس لئے انھوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دیکر دربارِ خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ وتعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ

Marfat.com

پھر آیندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، حضرت عبد اللہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا، صاحبو! صرف شک وشبہہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لو، مجرمون اور خطا کارون کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس مین مداخلت کی ضرورت نہین[1]"

اسی سال ولید بن عقبہ والیِ کوفہ پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخلیہ مین شراب پیتا ہے، انھون نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہین ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو مین اس کی پردہ دری کے درپے نہین ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ "کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ مین چھپکر کون کام کرتا ہون، یہ تو اس شخص کے لئے کہا جا سکتا ہے جو مشکوک ہو، غرض اسی سوال و جواب مین بات بڑھ گئی اور دونون ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر ہو گئے[2]"

خزانہ کی افسری حضرت عبد اللہؓ منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ کی عظمت، وسعت وکثرتِ محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھون روپیے کے وظائف جاری تھے، فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزارون سپاہیون کی تنخواہین مقرر تھین، اور خراسان، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا ادھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۴۵ [2] ایضاً،

Marfat.com

کارنامہ ہے،

ذاتی حیثیت سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ زہد و بے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ، احباب، افسر اور والیِ ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والیِ کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا، اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے"،

چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لئے حضرت عبد اللہؓ نے خوف زدہ ہو کر کہا "دیکھو میرے لئے بد دعا نہ کرنا"، بولے "خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے سخت بد دعا کرتا"، حضرت عبد اللہؓ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانۂ امارت سے باہر نکل آئے،

اس واقعہ کی رپورٹ دربارِ خلافت میں پہنچی تو امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے سخت ناراضی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبد اللہؓ بھی گو اس ناراضی سے مستثنیٰ نہ تھے، تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔[1]

معزولی حضرت عثمانؓ کے اخیر عہدِ حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازی کا بازار

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۱۱

گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکایک معزول کر دیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین، تلامذہ اور اعیانِ شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمانِ عزل پر سخت ناراضی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مصر ہوئے کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لیجائیں، اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں، بولے "امیر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے، میں نہیں چاہتا کہ فتنۂ فساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتدا میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے[1]،

حضرت ابوذرؓ کی تجہیز و تکفین جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسط راہ میں ایک عورت کو سرگردان و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز و تکفین کیجئے، پوچھا کون؟ کہا ابوذرؓ صحابیِ رسولؐ آپ فدیتہ بابی و امی کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابوذرؓ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد و متقشف صحابی تھے، وہ دار الخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لئے اپنا آغوشِ شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذرؓ کے پاس پہنچے، ان کا دم واپسیں تھا، انہی تجہیز و تکفین کے متعلق ضروری ہدایات دیکر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہؓ نے حضرت ابوذرؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کر سپرد خاک کیا[2]،

حضرت عبداللہؓ نے مکہ پہنچکر امیر المومنین کو حضرت ابوذرؓ کی وفات کی اطلاع دی، اور

---

[1] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۶۶، اس روایت میں عبداللہؓ کے نام کی تصریح نہیں ہے لیکن، مستدرک حاکم میں صراحتہً ساتھ نام موجود ہے،

Marfat.com

عمرہ سے فارغ ہوکر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی و عبادت الٰہی میں بسر ہوں،

علالت | ۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہؓ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا، ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گذشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے "ابن مسعودؓ! میرے بعد تمھیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ"، فرمایا خدا کی قسم تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا "ہاں"، فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہوکر مدینہ سے کہیں جاؤ گے،

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہوکر پیش آیا، چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، امیر المومنین حضرت عثمانؓ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انھوں نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کردیا تھا، اس لئے وہ اس آخری لمحۂ حیات میں عفو خواہی و عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی،

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟

حضرت عبداللہؓ: اپنے گناہوں کی،

حضرت عثمانؓ: آپ کیا چاہتے ہیں؟

حضرت عبداللہؓ: خدا کی رحمت،

حضرت عثمانؓ: آپ کے لئے طبیب بلاؤں؟

حضرت عبداللہؓ: مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا،

حضرت عثمانؓ: آپ کا وظیفہ جاری کردوں؟

Marfat.com

حضرت عبداللہؓ: مجھے اس کی ضرورت نہین،

حضرت عثمانؓ: آپ کی صاحبزادیون کے کام آئے گا،

حضرت عبداللہؓ: کیا آپ کو میری لڑکیون کے محتاج و دست نگر ہوجانے کا خوف ہے؟ مین نے انھین حکم دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھلیا کرین، کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا"[1]

مذکورۂ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت مین بھی دونون ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے، لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو خواہی کے صیقل نے دونون کے آئینۂ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نے اس واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا ہے،[2]

وفات حضرت عبداللہؓ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انھون نے حضرت زبیرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا کر اپنے مال و اسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتین فرمائین اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ مین داعیِ اجل کو لبیک کہا، مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو مین سپرد خاک کیا،[3] انا للہ وانا الیہ راجعون،

---

[1] یہ تمام تفصیل، اسد الغابہ سے ماخوذ ہے،

[2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جلد ۳ ص ۱۱۳،

[3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جلد ۳ ص ۱۱۳،

Marfat.com

علم و فضل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان صحابۂ کرام میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کیے گئے ہیں، تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایامِ جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلمِ ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درسگاہ سے نکال کر اپنے حلقۂ تلمذ میں داخل کرلیا، اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منیر بنا کر چمکایا،

علم کا شوق حضرت عبداللہؓ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے، قبولِ اسلام کے ساتھ ہی انھوں نے عرض کی "یارسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے" بشارت ملی

انک غلام معلم[۱] تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو،

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمۂ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر حضر، غرض ہر موقع پر ساقیِ معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طالبِ صادق کی پیاس نہ بجھتی، یہاں تک کہ آپ جب داخلِ حرم ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبدؓ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں[۲]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و صحبت کا اثر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس خدمت گذاری

[۱] مسند ابوداؤد طیالسی و مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۹ و ابن سعد و دلائل ابی نعیم و اسدالغابہ جلد ۳ ص ۲۵۶

[۲] مسند اعظم صفحہ ۱۶۲،

Marfat.com

کے ساتھ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم و ہمراز بھی تھے[1] مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے، بلا اذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے. چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نے ان کو حضور کے بستر، مسواک اور وضو کے پانی والے کا معزز خطاب دے رکھا تھا،[2]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ "ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ میں) رہے، ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو (عرصہ تک) خاندانِ رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے"[3] غرض اس خدمت گذاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ خرمنِ کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا،

قرآن قرآنِ کریم جو اصل اصولِ اسلام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ "ستر سورتیں میں نے خاص مہبطِ وحی و الہامؐ کے دہنِ مبارک سے سنکر یاد کی تھیں"[4]، ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب، کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کرکے جاتا، ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ "تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں" شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہؓ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا،

---

[1] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۳۱۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۰۹ [3] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۴
[4] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۸،

Marfat.com

ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ اپنے چند احباب کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ کے مکان میں تھے، حضرت عبداللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابومسعود نے ان کی طرف اشارہ کرکے کہا، میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے" ابوموسیٰؓ نے کہا "کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو" اور سب سے پہلے ابن ام عبدؓ کا نام لیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا "کیا عبداللہؓ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟" دوسرے نے کہا "نہیں وہ خلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لئے یہ ممکن نہ تھا۔"[1]

حضرت عبداللہؓ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کردینے کا حکم دیا تو انھوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی،

چونکہ اس مصحف کے نقل و ترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابتؓ نے انجام دی تھی، اس لئے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنکر یاد کی تھیں، حالانکہ زید بن ثابتؓ اس وقت لڑکے تھے،

[1] مسلم باب من فضائل عبداللہ بن مسعودؓ،

Marfat.com

اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے[1] اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور پر نور نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، معاذؓ اور ابی بن کعبؓ[2]

تفسیر | قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیاتِ قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا، قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا، حضرت عبداللہؓ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی[3]

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ،	بیشک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقۂ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے، ارشاد ہوا کہ "شرک، پھر قتلِ اولاد، پھر اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا، اس حدیث کو بیان کرکے انھوں نے برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرما دی،[4]

وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ	جو لوگ خدا کے ساتھ کسی، دوسرے خدا کو نہیں پکارتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اسکو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۵۸ [2] بخاری باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3] مسند جلد ۱ ص ۴۴۲، و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۷ [4] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۰

Marfat.com

یلق اثاما۔ (سورہ فرقان ع ۷) اور جو شخص ایسا کریگا وہ ان گناہون کا خمیازہ اٹھائے گا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیرین حدیث و تفسیر کی کتابون مین بکثرت منقول ہین، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے،

تفسیر بالرائے سے احتراز محض اپنی رائے و قیاس سے آیات قرآنی کی تشریح و تفسیر کرنا علماء امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، حضرت عبداللہؓ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد مین "یوم تاتی السماء بدخان مبین" کی تفسیر محض اپنی رائے سے کر رہا ہے، وہ کہتا ہے کہ قیامت کے روز اس قدر دھوان ہوگا کہ لوگ اس مین سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری مین مبتلا ہوجائین گے" بولے "دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہوجائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ قریش کی نافرمانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت مین مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھاکر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف و ناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھوان ہی دھوان نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنیوالا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے"[1]

قرأت قرآت مین غیرمعمولی کمال حاصل تھا، صحاح مین بکثرت ایسی روایتین ہین جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرآت مین ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پیروی کیجائے، ایک مرتبہ وہ نماز مین سورۂ نساء تلاوت فرما رہے تھے کہ حضرت خیرالانامؐ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد تشریف لائے اور انکی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہوکر فرمایا

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۳۸۱ و بخاری جلد ۲ ص ۷۱۰،

Marfat.com

اسئل تعطہ اسئل تعطہ (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا، (جو کچھ) سوال کرو پورا کیا جائے گا،

پھر ارشاد ہوا کہ "جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تر و تازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس کو قرآۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہئے"

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے پاس بشارت و تہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ "رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی ہے، بولے "میں نے کہا اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جسکو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو، اور خلد بریں میں (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی دائمی رفاقت نصیب کر[1]"

وہ تلاوتِ قرآن کے نہایت شائق تھے، اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے، بسا اوقات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے قرآن کی کوئی سورہ پڑھوا کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورۂ نسا پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا "کیوں نہیں! لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں"، غرض میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا" آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،[2]

روایت میں خوف و احتیاط حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بارگاہِ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعودؓ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انھوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۴۵۴ [2] ایضاً ص ۳۸۰ و بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹،

Marfat.com

میں رعشہ آگیا، اور کہنے لگے آپ نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب یا اسی کے مشابہ[1]

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا، اور خوف و ہراس سے عرق عرق ہو گئے[2]

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت شاگردوں کو بھی عموماً روایتِ حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیشِ نظر رکھو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مقدس، پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے[3]

کثرتِ روایات کی وجہ لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے، کیونکہ معلمِ دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانامؐ کی تعلیمات وارشادات کا پھیلانا ان کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا یہی وجہ ہے کہ خوف و احتیاط کے باوجود صحاح و مسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے، ان میں سے ۶۴ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ ۲۱ بخاری میں ہیں اور ۳۵ مسلم میں ہیں[4]

مذاکرۂ حدیث کا شوق بسا اوقات وہ مذاکرۂ حدیث کے شوق میں تلامذہ واحباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہدِ نبوت کا ذکر مذکور رہتا، وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکایک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی، میں نے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴۔ [2] ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۱۱۰۔ [3] مسند احمد جلد اوّل ص ۳۸۵۔
[4] تہذیب الکمال ص ۲۱۴۔

Marfat.com

جواب دیا اور باہر نکل کر دیکھا، تو عبداللہ بن مسعودؓ تھے، میں نے کہا ابو عبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے "آج بعض مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کروں"، غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پر لطف صحبت رہی،[1]

آداب روایت حضرت عبداللہؓ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مؤدب، متین اور سنجیدہ بن جاتے تھے، اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے تھے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انھوں نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مومنین وسبحان رب العزت کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کر کے متبسم ہوئے اور فرمایا "تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟" لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟، بولے "اس لئے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا"[2]

فقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان افاضل صحابہؓ میں ہیں جو فقہ کے موسس اور ربانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کے سنگِ اساس پر تعمیر ہوئی،

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقۂ درس قائم کرنا پڑا، اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج و اشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطۂ عراق، فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا پیرو ہوگیا، اور ان کی درسگاہ سے

---

[1] مسند احمد جلد اول ص ۴۰۴ [2] ایضاً مسند عبداللہ بن مسعودؓ،

Marfat.com

بڑے بڑے اہل کمال سندِ فضیلت لیکر نکلے،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مخصوص تلامذہ مین سے علقمہ اور اسود نے فقہ مین خاص شہرت حاصل کی، پھران کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہانتک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا،

ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے فتاوی کا نہایت کافی ذخیرہ تھا، جوان کو تمامتر زبانی یاد تھا، ان سے حماد نے حاصل کیا، اور حماد سے منتقل ہوکر وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ مین آیا جنھون نے اپنے علم و اجتہاد سے اسکو اس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیاے اسلام ان کے فیوض و برکات سے مالا مال ہے،

اصول فقہ | قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہین، اور یہی اصول فقہ کے موضوعِ فن بھی ہین، ان مین سے دونون مؤخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئی کیونکہ ہبط وحی والہام کی موجودگی مین اجماع و قیاس کی ضرورت ہی کیا تھی،

اجماع | اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ کا خاص طغراے امتیاز ہے، تاہم اصولی حیثیت سے سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا،

ما راٰی المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن وما راٰوا سیئًا فھو عند اللہ سیئ[1]

جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھین وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھین وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے

اور یہی درحقیقت اجماع کی اصلی روح ہے،

---

[1] مسند احمد جلد اول ص ۳۷۹،

Marfat.com

قیاس اصولِ فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو درحقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیعِ فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مین تمام جزئیات مذکور نہین، اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لئے علت مشترکہ نکال کران جزئیاتِ غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہے جہان اس کی قوتِ اجتہاد وتفریع مسائل واستنباطِ احکام کا امتحان ہوتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عملاً قیاس شرعی سے کام لیکر آیندہ نسلون کے لئے ایک وسیع شاہراہ قائم کردی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کردیئے جو آج ہمارے علم اصولِ فقہ کی بنیاد ہین، ہم یہان ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہین جن سے ان کی قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا،

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سدِراہ ہوجانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کرسکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیجکر احرام کھولدے، اور آیندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ "مجبوری" کو علتِ مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لئے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہین، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "مین عمرہ کے لئے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہین رہی" بولے "تم صرف قربانی بھیجکر احرام کھول دو، اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو"[1]

---

[1] موطا امام محمد ص ۲۲۳۔

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں (۱) اشتراکِ علت اشتراکِ حکم کا باعث ہے (۲) سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا،

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اوس کو وراثت میں ترجیح دیجائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لئے ترجیح ہے کہ اوّل الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے، برخلاف اس کے دونوں مؤخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں، مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس صورت میں ازدیادِ قربت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہلِ سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے[1]،

اجتہاد | مذکورۂ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیاں صرف حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ناخنِ اجتہاد سے حل ہوئیں، آپ استنباطِ احکام و تفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ میں ناسخ و منسوخ، موقت و مؤبد کی تفریق کرکے صحیح استنباطِ حکم کی راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتا آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لئے جس کا شوہر مر گیا ہو، عدت کیا ہے؟ چونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں، سورۂ بقرہ میں عام حکم یہ ہے،

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ	تم میں سے جو لوگ مر جائیں، اور بیویاں چھوڑیں
أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ	تو وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن

[1] التوضیح والتلویح،

Marfat.com

وَعَشْرًا — تک روکے رکھین

اور سورۂ نساء مین خاص حاملہ عورتون کے لئے جن کے شوہر مرگئے ہون یہ حکم ہے،

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ — اور جو عورتین حاملہ ہون ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کرین،

اس بناپر حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ جس مین زیادہ مدت صرف ہو وہی اس کا زمانۂ عدت قرار دیا دے، تاکہ دونون آیتون کا توافق پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حاملہ عورت کے حق مین سورۂ بقرہ کی آیت کو سورۂ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضعِ حمل عدت قرار دی، اور فرمایا کہ مین اس کے لئے مباہلہ کر سکتا ہون کہ سورہ بقرہ سورۂ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے[1]،

یہ مسئلہ کہ جہری نمازون مین مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیئے، یا نہین؟ آج تک احناف اور دیگر فرقِ اسلامیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآراء بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہین ہونے پاتا، حضرت عبداللہؓ کے زمانہ مین یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریقِ استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا، انھون نے جواب دیا،

انصت فان فی الصلوٰۃ شغلا سیکفیک ذاک الامام[2] — خاموش رہو کیونکہ نماز مین توجہ قائم نہین رہتی، امام کا پڑھنا تمھارے لئے کافی ہے،

اس جواب مین درحقیقت حسب ذیل تین دلیلون کی طرف اشارہ ہے جو آج بھی احناف کے لئے مخالفین کے مقابلہ مین بمنزلہ سپر ہے،

(۱) اذا قرئ القرآن فاستمعوا — جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو،

---

[1] التوضیح والتلویح [2] موطا امام محمد جلد ۱ ص ۹۶،

Marfat.com

لہ وانصتوا،

(۲) مقتدی کی قرأت سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی،

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من کان لہ امام فقرأۃ الامام قرأۃ لہٗ

یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے،

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی انھوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہیں، اور پوتی محروم الارث ہے، حضرت ابوموسیٰؓ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں آیا، انھوں نے فرمایا کہ "اگر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ابوموسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی لیکن دو ثلث پورا کرنے کے لیے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا، اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے" یہ جواب حضرت ابوموسیٰؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا "جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں" چنانچہ آج بھی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول بہ ہے،

معاصرین فضل وکمال کے معترف تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی و ملکۂ اجتہاد کے تمام صحابہ کرامؓ معترف تھے، حضرت عمرؓ جب ان کو دیکھتے تو چہرہ بشاش ہو جاتا اور فرماتے،

کیف ملی علماً[۲] (مستدرک حاکم، مناقب) ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے،

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے چند کوفیوں نے ان کے تقویٰ، حسن خلق اور تبحر علمی کی بیحد تعریف کی، انھوں نے پوچھا کیا تم سچے دل سے کہتے ہو؟ بولے "ہاں" فرمایا تم لوگوں نے

لہ مسند احمد جلد ۱ ص ۴۶۴، بخاری جلد ۲ ص ۹۹۷ ۲ہ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۰،

عبد اللہ بن مسعودؓ کی جو کچھ تعریف کی ہے، میں ان کو اس سے بھی بہتر خیال کرتا ہون۔[1]

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ فرد ہو جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے، انھون نے جواب دیا کہ وہ اس پر حرام ہو جائیگی حضرت عبد اللہؓ موجود تھے، انھون نے (رد کر کر) کہا آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہین؟ رضاعت صرف دو سال تک ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نے خوش ہو کر اعتراف فضل کے لہجہ مین لوگون سے کہا، جب تک یہ حبر (یعنی عالم متبحر) تم مین موجود ہے مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جو تہبند ٹخنون سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا، کہا، تہبند ذرا اوپر کر کے باندھو، اس نے کہا ابن مسعود تم بھی تہبند اوپر کرو، بولے مین تمھارے جیسا نہین ہون، میری ٹانگین پتلی ہین، حضرت عمرؓ نے اس رد و قدح کا حال سنا تو اس شخص کے کوڑے لگوائے کہ تو نے عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے شخص سے منھ زوری کی۔[3]

نامعلوم مسائل مین رائے زنی سے احتراز

ایک طرف تو ان کی قوتِ اجتہاد و جلالتِ شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل مین کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردون کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے، بلکہ صاف کہہ دیا کرو کہ مین نہین جانتا۔[4]

مسروق جو ان کے خاص تلامذہ مین ہین بیان کرتے ہین کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اکثر حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے، جب کہ علماء باقی نہ رہین گے اور لوگ ایسے جاہلون کو سردار بنالین گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل و رائے سے

---

[1] طبقات ابن سعد ق اجزء ۳ ص ۱۱۰ [2] موطا امام مالک ص ۲۴۳ [3] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۰ [4] اعلام الموقعین ص ۶۴

Marfat.com

قیاس کریں گے[1]

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اس کے لئے کیا حکم ہے، وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لئے لوگوں کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے "میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہئے"، پھر فرمایا "اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، خدا اور اس کا رسول اس سے بری ہے"، اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراحؓ اور حضرت ابو سنانؓ موجود تھے، انھوں نے اٹھ کر کہا، "ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا" اس توافق سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی[2]

فتوی سے رجوع کرنا

اگر وہ کبھی کوئی فتوی دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہو جاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ "اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟" حضرت عبد اللہؓ نے جواز کا فتوی دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے، چنانچہ انھوں نے کوفہ واپس آکر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتوی سے رجوع کر کے فسخ نکاح کا حکم دیا[3]

معاصرین سے استفادہ

نامعلوم مسائل میں ان کو اپنے اہل علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں

[1] اعلام الموقعین ص ۴۴ [2] ابوداؤد باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا [3] موطا امام مالک ص ۱۹۳

Marfat.com

عارف تھا، ایک مرتبہ انھون نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خرید کی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت ان کی بیوی کو ملے گی، چونکہ ان کو خود اس بیع کی تکمیل مین تشکک تھا، اس لئے انھون نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا، انھون نے جواب دیا کہ بیع مشروط سے ملکیت حاصل نہین ہوتی تم اس کے قریب نہ جاؤ[1]،

امام محمد نے کتاب الآثار مین روایت کی ہے کہ "صحابہ کرامؓ مین سے چھ شخص مجتہد تسلیم کئے جاتے تھے، اور وہ باہم مسائل فقہیہ مین بحث و مذاکرہ کرتے رہتے تھے، علی، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ اور عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ ایک ساتھ"، امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہین،

ارباب علم کی قدرشناسی حضرت عبداللہؓ ارباب علم و فضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ "اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ مین رکھا جائے اور عمرؓ کا علم دوسرے پلہ مین تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا،" وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا مین سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہون[2]،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے "ابن عباسؓ بہترین ترجمانِ قرآن ہین، اگر وہ (عہدِ رسالت مین) ہم لوگون کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کرسکتا[3]"،

علقمہ ان کے شاگرد تھے، انھون نے محض اپنی ذہانت و کثرتِ معلومات کے باعث ان کے حلقۂ درس مین ممتاز عزت حاصل کرلی تھی، حضرت عبداللہؓ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ "علقمہ کے معلومات سے میرے معلومات زیادہ نہین ہین[4]"،

---

[1] موطا امام محمد ص ۲۴۳ [2] استیعاب تذکرہ عمر فاروقؓ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵ [4] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۷۸

Marfat.com

احترام خلافت | منصب خلافت کا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے، اور کبھی خلیفۂ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنتِ ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملاً اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امتِ مرحومہ میں تفرق و انتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں، حضرت عبداللہؓ کو خبر ملی تو متاسف ہو کر بولے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے؟ لیکن عملاً انھوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں، لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافتؓ کا احترام ضروری ہے۔[1]

درس و تدریس | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درسگاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، حارث، قاضی شریح اور ابو وائل نہایت نام آور ہوئے، خاص کر علقمہ ان کی صحبت میں اس التزام سے رہتے تھے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا،

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کر دیتے، اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں، عبدالرحمن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا، علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں۔[2]

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے ان کے وسیع حلقۂ درس کو دیکھ کر کہا، ابو عبدالرحمن کیا آپ کی

---

[1] بخاری جلد ۱ ص ۱۴۷، [2] مسند اعظم ص ۸۶ [3] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۰۳

طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرأت کر سکتے ہیں؟ بولے "اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں"، حضرت خبابؓ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا انھوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورہ پڑھ کر سنائی حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھکر کہا "کیا رائے ہے؟" انھوں نے نہایت تعریف کی۔[1]

معتقدین کا ہجوم تلامذہ کے علاوہ معتقدین کا ایک بڑا مجمع بھی ہر وقت حاضر رہتا تھا شفیق کا بیان ہے کہ "ہم لوگ مسجد میں بیٹھکر عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان سے برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہتے تھے"[2]

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ "ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک روز حسب معمول بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص السلام یا ابا عبدالرحمن کہتا ہوا تیزی کے ساتھ اس طرف سے گذرا، انھوں نے جواب دیا، صدق اللہ و رسولہ یعنی خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے" یہ کہکر داخل حرم ہوئے، ہم لوگوں کو اس جواب پر سخت حیرت تھی، باہم مشورہ ہوا کہ ان کے برآمد ہونے کے بعد کون اس کے متعلق سوال کرے؟ میں نے کہا کہ میں پوچھوں گا، غرض وہ تشریف لائے اور میں نے پوچھا بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا، تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قرب قیامت کی نشانی ہے"[3]

قوتِ تقریر اور وعظ و پند تقریر و خطابت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایجاز و اختصار کے ساتھ تاثیر ان کی تقریر اور وعظ کی ممتاز صفت تھی، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر تقریر فرمائی، پھر حضرت ابوبکرؓ کو اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کو تقریر کا حکم دیا، ان دونوں نے باری باری

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۰، [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۴۳۷، [3] ایضاً ص ۴۰۶،

Marfat.com

اختصار کے ساتھ اپنا بیان ختم کیا، تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو حکم ہوا، انھون نے کھڑے ہو کر حمد ونعت کے بعد کہا،

ایھا الناس ان اللہ ربنا وان الاسلام دیننا وان ھذا نبینا واوما بیدہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رضینا ما رضی اللہ لنا ورسولہ، السلام علیکم

ما جو! بے شک خدا ہمارا مالک ہے اسلام ہمارا مذہب ہے اور یہ (ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے) ہمارے نبی ہیں، خدا اور اس کے رسول نے جو کچھ ہمارے لئے پسند کیا ہے ہم نے بھی اس کو پسند کیا، السلام علیکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر تقریر کی نہایت تعریف کی اور فرمایا "ابن ام عبد نے سچ کہا"[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے مواعظ حسنہ مین عموماً توحید، نماز باجماعت اور خوف خدا کی تلقین فرماتے، اور تمثیلات سے ذہن نشین کراتے تھے، مثلاً ایک وعظ مین انھون نے فرمایا کہ "ایک شخص نے جس کے نامۂ اعمال مین توحید کے سوا اور کوئی نیکی نہ تھی، مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلا کر، اور چکی مین پیس کر سمندر مین ڈال دینا، لوگون نے اس کی وصیت پوری کی، خدا نے اس کی روح سے سوال کیا، "تو نے اپنی لاش کے ساتھ ایسا کیون کیا؟" بولا "خدایا تیرے خوف اور ڈر سے" اس گذارش پر دریائے رحمت جوش مین آیا اور وہ بخشدیا گیا"[2] اس تمثیل سے درحقیقت یہ سمجھانا تھا کہ خشیتِ باری تمام اعمالِ حسنہ کی روح ہے،

کثرتِ وعظ سے احتراز وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ وعظ وپند کی کثرت اس کے اثر کو زائل کردیتی ہے اس بنا پر لوگون کے شدید اصرار کے باوجود بہت کم منبرِ وعظ پر تشریف لاتے

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۳ [2] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۹۸،

Marfat.com

اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف وسادہ لیکن موثر الفاظ میں فرماتے کہ سامعین تقریر کی طوالت سے گھبرا نہ اٹھیں، ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے ان کو خبر دی لیکن وہ بہت دیر کے بعد گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا، صاحبو! مجھے معلوم تھا کہ آپ دیر سے میرا انتظار کر رہے ہیں، لیکن میں اس ڈر سے باہر نہیں آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے۔[۱]

یوں تو ان کا دولت کدہ ہر وقت طالبانِ علم کا مرجع رہتا تھا، لیکن طلوعِ آفتاب کے بعد کا وقت مسئلہ مسائل کے لئے مخصوص تھا، ابووائل بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح وتہلیل میں مصروف تھے طلوعِ آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا میں نے رات نماز میں پوری مفصل پڑھیں، عبداللہؓ نے کہا شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی، ہم نے قرآن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرائن یاد ہیں، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے آپ دس مفصل اور دو سورتیں آلِ حٰم کی پڑھتے تھے۔[۲]

اخلاق سنتِ نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخلاق وطرزِ معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم ومحامد کی جھلک پیدا کر دی تھی عبدالرحمن ابن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق وہدایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا کہ ہم اس سے

---

[۱] مسند احمد جلد ۱ ص ۔ ، [۲] مسلم جلد اول ص ۔ مطبوعہ مصر اس حدیث میں اور واقعات بھی ہیں، مگر ان کو تعلق سے تعلق نہیں ہے اس لئے ہم نے حذف کر دیئے،

Marfat.com

کچھ حاصل کریں" بولے "عبداللہ بن مسعودؓ سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، حسن خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہِ نبوت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے"[1]

حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علیؓ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے، سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا "امیر المومنین! ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ متقی، پرہیزگار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہمنشین نہیں دیکھا، حضرت علیؓ نے فرمایا، "بیشک میرا بھی یہی خیال ہے، بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی ہیں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا، وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے"[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے، انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لئے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت وست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہؓ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی، بولے "خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے، میں نے

[1] جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعودؓ [2] طبقات ابن سعد قسم اجلد ۳ ص ۱۱۰

خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔[1]

ایک بار انھوں نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہوگیا، حضرت عبداللہؓ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہ چلا بالآخر مایوس ہوکر ایک ایک، دو دو درہم کرکے اس کی طرف سے صدقہ کردیا اور فرمایا کہ اگر وہ واپس آئے گا تو قیمت ادا کردونگا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا۔[2]

تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہمنشینی کا فخر حاصل ہے لیکن میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا۔[3] حضرت عثمانؓ نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کردیا تھا، وفات کے وقت انھوں نے ان کی اولاد کے لئے جاری کردینا چاہا، لیکن حضرت عبداللہؓ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کردیا، بولے "کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہوجانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا"۔[4]

حضرت عبداللہؓ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا انھوں نے کوفہ میں موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لئے خالی کردیا تھا۔[5]

مذہبی زندگی عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھکر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے،[6] رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں، ابو عفر

---

[1] مسند احمد جلد اص ۴۰۸، [2] بخاری جلد ۲ ص ۷۹۰، [3] اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ، [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱، [5] تاریخ طبری ص ۲۸۴۰، [6] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ

Marfat.com

کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں "خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا" میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی، چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، [1]

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے،

ابو وائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے بعض اہل بیت سو رہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمکو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔ [2]

---

[1] مسند جلد ۱ ص ۴۰۶ ... [2] مسلم جلد اول ص ۳۰۵ باب ترتیل القراۃ و اجتناب الہذ،

Marfat.com

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عملِ خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا والدین کے ساتھ نیکوکاری، میں نے کہا "پھر؟" حکم ہوا اور راہ خدا میں جہاد کرنا، اس کے بعد خاموش ہوگیا، ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے،[1] غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والیِ کوفہ کو پہنچنے میں دیر ہوگئی، حضرت عبداللہؓ نے بغیر توقف وانتظار نماز پڑھا دی، ولید نے برہم ہوکر کہلا بھیجا، "آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں[2]

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لئے مخصوص تھے، عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبدالرحمن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے "میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں، اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہوسکے گی"[3]

خشیتِ الٰہی اور خوفِ قیامت سے حضرت عبداللہؓ کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا"[4]

---

[1] بخاری جلد ا ص ۷۰ [2] مسند احمد جلد ا ص ۴۵۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۰۹

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۰، ۱۱۱

Marfat.com

خانگی زندگی | بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے کھکھارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ گھر کے لوگ باخبر ہوجائیں، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز عبداللہؓ کھکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بڈھی عورت مجھے تعویذ پہنارہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپادیا، عبداللہؓ آکر میرے پاس بیٹھ گئے، اور گلے کی طرف دیکھ کر پوچھا، یہ دھاگا کیسا ہے؟ میں نے کہا تعویذ ہے، انھوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا، عبداللہ کا خاندان شرک سے بری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ تعویذ اور گنڈے شرک میں داخل ہیں، میں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں، میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہوجاتا تھا، بولے یہ سب عمل شیطانی ہے، تمھارے لئے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کافی ہے[۱]

اذھب الباس رب الناس اشف وانت الشافی لاشفاء الا شفاءك شفاء لا یغادر سقما

خوف دور کر اے پروردگار، شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی۔

پوشاک نہایت سادہ پہنتے تھے، ہاتھ میں ایک آہنی انگوٹھی رہتی تھی[۲] جو غالباً مہر وغیرہ کے کام آتی ہوگی، غذا بھی پرتکلف نہ تھی، کھانے کے بعد عموماً نبیذ (چھوہاروں کا شربت) استعمال فرماتے تھے، ایک مرتبہ علقمہ نے ان سے کہا، خدا آپ پر رحم کرے، آپ تمام امت کے مقتدا و پیشوا ہوکر نبیذ پیتے ہیں، بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا تھا، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو استعمال نہ کرتا،[۳]

---

[۱] مسند احمد جلد ۱ ص ۳۸۱ و ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۶ [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۰ [۳] مسند اعظم ص ۱۰۱

Marfat.com

وظیفہ حضرت عبداللہؓ کے لئے بیت المال سے پانچ ہزار درہم کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو ان کی وفات سے دو برس پہلے خلیفۂ ثالث کے حکم سے بند کر دیا گیا تھا لیکن حضرت زبیرؓ نے سفارش کر کے ان کی اولاد کے لئے واگذار کرا دیا، اس طرح ان کے پسماندون کو یکمشت دس یا پندرہ ہزار درہم مل گئے، اس کے علاوہ انھون نے تقریباً ۹ ہزار درہم نقد چھوڑے،[1]

حلیہ حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گون، اور سر پر کانون تک نہایت نرم وخوبصورت زلف، حضرت عبداللہؓ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہین پاتا تھا،

ٹانگین نہایت پتلی تھین، حضرت عبداللہؓ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے، ایک مرتبہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگین دیکھکر لوگون کو بے اختیار ہنسی آگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم انکی پتلی ٹانگون پر ہنسنے ہو حالانکہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل مین کوہِ احد سے بھی زیادہ بھاری ہون گی"[2]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

نام، نسب، خاندان عبداللہ نام، ابوموسیٰ کنیت، والد کا نام قیس اور والدہ کا نام طیبہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز ابن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن الجماہر بن الاشعر بن ادد بن زید بن یشجب،

حضرت ابوموسیٰؓ یمن کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان قبیلۂ اشعرین سے تعلق

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۱۱۳ [2] ایضاً ص ۱۱۰،

Marfat.com

رکھتا تھا، اسی کے انتساب سے وہ اشعری مشہور ہوئے، اور ان کی والدہ طیبہ بنت وہب قبیلہ عک سے تعلق رکھتی تھیں، وہ اپنے صاحبزادہ کی ہدایت سے ایمان لائین، اور مدینہ پہنچکر وفات پائی[1]،

اسلام | ساقیِ توحید کے صلائے عام پر نزدیک والون نے اپنے کان بند کر لئے تھے، لیکن تشنہ کامانِ حق دور دراز ممالک سے دشوار گذار منزلین طے کر کے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابو موسیٰؓ یمن سے چل کر مکہ آئے اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام مین سرشار ہو گئے،

وہ مکہ مین قبیلۂ عبد شمس سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے پھر مراجعت فرمائے وطن ہوئے[2] کہ اپنے اعزہ اور احباب کو بھی یہ مژدۂ جانفزا سنائین،

ہجرت | حضرت ابو موسیٰؓ اشعری خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوتِ حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کر لی اور وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشانِ اسلام کی ایک جماعت لیکر بحری راستہ سے بارگاہِ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن طوفان وباد مخالف نے اس کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچا دیا، حضرت جعفرؓ اور دوسرے ستم زدگانِ اسلام جو یہان ہجرت کر کے آئے تھے اور اب تک موجود تھے، مدینۂ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰؓ بھی اس قافلہ مین شریک ہو گئے، اور عین اس وقت مدینہ پہنچے جب کہ مجاہدینِ اسلام خیبر فتح کر کے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مالِ غنیمت مین حصہ مرحمت فرمایا[3]،

غزوات | حضرت ابو موسیٰؓ فتح مکہ اور غزوۂ حنین مین شریک تھے، بنو ہوازن رزمگاہ حنین سے بھاگ کر وادیِ اوطاس مین پھر مجتمع ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامرؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ ان کے استیصالِ کامل پر مامور فرمایا، انھون نے اوطاس پہنچکر بنو ہوازن

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۴۵، [2] ایضاً [3] بخاری جلد ۲ ص ۶۰۸،

Marfat.com

کے سردار درید بن الصمہ کو قتل کیا اور خدا نے اس کے ساتھیون کو شکست فاش دی، لیکن اتفاقاً جشمی نام ایک مشرک کے تیر نے ان کو بھی زخمی کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ اس مہم مین شریک تھے، فرماتے ہین کہ مین نے بڑھ کر ان سے پوچھا "دیا عم! کس نے آپ کو زخمی کیا؟" انھون نے اشارہ سے بتایا تو مین اس پر جھپٹ پڑا، وہ مجھکو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن مین تعاقب کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا "کیا تجھے شرم نہین آتی؟ کیا تو ثابت قدم نہ رہے گا" غرض وہ ان غیرت انگیز جملون سے جوش مین آکر پلٹ پڑا اور تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے لگے، یہان تک کہ مین نے اس کو قتل کیا، اور ابو عامر کو آکر بشارت دی کہ خدا نے آپکے دشمن کو مار ڈالا،

حضرت ابو عامرؓ کا زخم نہایت مہلک تھا، انھون نے حالتِ نزع مین حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا جانشین بنایا اور کہا "دجانِ برادر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میرے لئے دعاے مغفرت فرمائین" اس وصیت کے تھوڑی دیر بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کو سپردِ خاک کرکے فوج کو مراجعت کا حکم دیا اور بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوکر میدانِ جنگ کی کیفیت اور حضرت ابو عامرؓ کی وصیت بیان کی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت پانی مانگ کر وضو فرمایا، پھر دونون ہاتھ اٹھاکر دعا کی "اے خدا! ابو عامر کو بخشدے، اے خدا تو اس کو قیامت کے روز اپنی بہت سی مخلوق پر تفوق عطا فرما" حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرے لئے بھی" فرمایا "خدایا! عبداللہ ابن قیس کی خطائین بخشدے اور قیامت کے دن اس کا باعزت داخلہ فرما"[1]

۹ھ مین غزوۂ تبوک کا اہتمام شروع ہوا تو حضرت ابو موسیٰؓ کو ان کے ساتھیون نے بھیجا کہ دربارِ نبوت سے ان کے لئے سواریون کا انتظام کرین، اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۱۹،

Marfat.com

اس وقت حالتِ غیظ میں تھے لیکن حضرت ابو موسیٰؓ اس کا اندازہ نہ کر سکے، اور عرض کی "یا رسول اللہ میرے ساتھیون نے مجھکو بھیجا ہے کہ حضور ان کو سواریان مرحمت فرمائین"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں بیٹھے ہی تھے برہم ہو کر فرمایا "واللہ انھیں کوئی سواری نہ دونگا"، حضرت ابو موسیٰؓ کچھ اپنی محرومی اور کچھ اس خوف سے کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہین، نہایت غمزدہ واپس آکر اپنے ساتھیون کو اس کی اطلاع دی لیکن وہ ابھی اچھی طرح کھڑے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت بلالؓ پکارتے ہوئے آئے "عبداللہ بن قیس! کہاں ہو؟ چلو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرماتے ہین"، وہ ان کے ساتھ پھر بارگاہ نبوت مین حاضر ہوے تو آپ نے دو ساتھ بندھے ہوئے اونٹون کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان کو اپنے ساتھیون کے پاس لیجاؤ، حضرت ابو موسیٰؓ ان کو لئے ہوئے اپنی قوم مین آئے اور کہا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو اونٹ تمھاری سواری کے لئے مرحمت فرمائے ہین، لیکن خدا کی قسم! چند آدمیون کو میرے ساتھ کسی ایسے شخص کے پاس چلنا ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی تھی، تاکہ یہ نہ خیال کرو کہ مین نے پہلے جو کچھ کہا تھا وہ دل سے گڑھ کر کہا تھا"، لوگون نے کہا "خدا کی قسم ہم آپ کو سچا سمجھتے ہین، تاہم جو آپ کی خوشی ہو"، غرض انھون نے چند آدمیون کو ساتھ لیجا کر لوگون سے تمام واقعہ کی تصدیق کرادی۔[1]

ولایت یمن تبوک سے واپس آنے کے بعد ایک روز دو اشعری بزرگ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنے ساتھ لیکر بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی خواہش کی، آپ مسواک فرما رہے تھے اس سوال پر دفعۃً مسواک رک گئی، اور حضرت ابو موسیٰؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا "ابو موسیٰ! ابو موسیٰ!" انھون نے عرض کی "یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے

[1] بخاری جلد ۲ ص ۶۳۳

آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ میں ان کے دل کے حال سے آگاہ نہ تھا اور نہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی عہدہ کی خواہش کریں گے، ارشاد ہوا کہ جو کوئی خود سے کسی عہدہ کی خواہش کرے گا اس کو ہر گز اس پر مامور نہ کروں گا، لیکن ابو موسیٰ تم یمن جاؤ میں نے تم کو وہاں کا عامل مقرر کیا۔[1]

یمن دو حصوں پر منقسم تھا ایک اقصائے یمن جس میں جند اور عدن وغیرہ دور کے اضلاع شامل تھے، اور دوسرا یمن ادنیٰ یا زیریں یمن، اول الذکر پر حضرت معاذ بن جبلؓ کا تقرر ہوا، اور دوسرے پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مامور ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت حسب ذیل نصیحت فرمائی،

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا	یعنی ملک والوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، متنفر نہ کر دینا اور باہم میل جول سے رہنا،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ملک میں جو سے ایک قسم کی شراب بنائی جاتی ہے، اس کو "مزر" کہتے ہیں نیز شہد سے ایک طرح کی شراب ہوتی ہے جو "تبع" کے نام سے مشہور ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔[2]

حضرت ابو موسیٰؓ چونکہ اپنے وطن میں گورنر ہو کر آئے تھے جہاں پہلے سے ان کا اثر موجود تھا، اس لئے قدرۃً انھوں نے اپنے خدمات نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیئے حضرت معاذؓ ابن جبل سے دوستانہ تعلقات و مراسم کا سلسلہ بھی قائم تھا، بسا اوقات یہ دونوں بزرگ سرحد پر آکر فروکش ہوتے اور باہم ملاقات کر کے تبادلۂ خیالات فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت معاذؓ

[1] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۱۳، [2] بخاری کتاب المغازی،

Marfat.com

ابن جبلؓ حضرت ابو موسیٰؓ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس لوگون کا ہجوم ہے اور ایک شخص کے دونون ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہین، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ "عبد اللہ بن قیس! یہ کون ہے؟" بولے "یہ مرتد ہو گیا ہے" انھون نے اس کے قتل کا مشورہ دیا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ "یہ اسی لئے گرفتار ہو کر آیا ہے" آپ گھوڑے سے اتر آئے۔ بولے "جب تک وہ قتل نہ ہوگا، مین نہ اترون گا" حضرت ابو موسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ اتر کر اندر آئے اور دیر تک دوستانہ صحبت قائم رہی، حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ "آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہین؟" بولے کہ "رات، دن مین جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہون" پھر پوچھا کہ "آپ کس طرح تلاوت کرتے ہین؟" بولے کہ "مین رات کو ایک نیند سو کر اٹھ بیٹھتا ہون اور اس وقت خدا کو جس قدر منظور ہوتا ہے پڑھ لیتا ہون"[1]

حجۃ الوداع مین شرکت ۱۰ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج فرمایا، حضرت ابو موسیٰؓ یمن سے شرکت کے لئے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عبد اللہ بن قیس! کیا تم حج کے ارادے سے آئے ہو؟ عرض کی "ہان! یا رسول اللہ!" فرمایا نیت کیا تھی؟ بولے "مین نے کہا تھا، کہ جو رسول اللہ کی نیت ہے وہی میری نیت ہے" ارشاد ہوا کہ "قربانی اپنے ساتھ لائے ہو؟" عرض کی "نہین" حکم ہوا کہ "تم طواف اور سعی کر کے احرام کھول دو" یہ اس وجہ سے کہ حج قران کی صورت مین قربانی لانا ضروری تھا۔[2]

یمن مین فتنہ و فساد حضرت ابو موسیٰؓ حج سے فارغ ہو کر یمن واپس آئے، لیکن یہان اسود عنسی کے ادعائے نبوت نے بہت جلد تمام ملک مین شورش و بغاوت پھیلا دی، یہان تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے مرکز حکومت "مارب" چلے آنے پر مجبور ہوئے، لیکن

---

[1] بخاری باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الی الیمن۔ [2] بخاری جلد ۲ ص ۶۲۳ [3] ایضاً ص ۶۲۴،

یہ بھی زیادہ دنون تک محفوظ نہ رہ سکا اور بالآخر ان دونون کو حضرموت مین پناہ لینی پڑی[۵]

گو ابن مکتوح مرادی کی تلوار نے بہت جلد اسود عنسی کا قصہ تمام کر دیا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دفعتہً پھر ارتداد و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی لیکن خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق نے ایک زبردست مہم بھیجکر از سرِ نو تسلط قائم کر دیا، اور اس طرح یمن کے امراء اور حکام پھر اپنے اپنے عہدون پر واپس آگئے، حضرت ابو موسیٰ بھی حضرموت سے اپنے دار الحکومت "مارب" واپس آئے اور خلیفۂ دوم کی ابتداے خلافت تک نہایت تدبر و جانفشانی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دیتے رہے،

فتح نصیبین حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت مین جب بیرونی فتوحات کا زیادہ وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا، اور حضرت سعد وقاصؓ کی زیرِ قیادت رزمگاہِ عراق کی طرف ایک بہت بڑی مہم روانہ ہوئی تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی شوقِ جہاد مین عہدۂ امارت سے مستعفی ہو کر اس فوج کشی مین شریک ہوئے،

عراق کا اکثر حصہ فتح کر لینے کے بعد حضرت سعد وقاصؓ نے ۱۷ھ مین دریاے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ یعنی الجزیرہ پر ایک عام فوج کشی کا اہتمام کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو نصیبین کی فتح پر مامور کیا، انھون نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ مہم سر انجام دی،[۱]

ولایتِ بصرہ اسی سال دربارِ خلافت نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر کیا، اس موقع پر اہل بصرہ کے نام جو فرمان آیا تھا اس کے الفاظ یہ تھے،

اما بعد فانی قد بعثت اباموسی امیرا علیکم لیاخذ لضعیفکم من قویکم ولیقاتل	مین نے ابو موسیٰ کو تم پر امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ قوی سے کمزور کا حق دلائین، تمھارے دشمنون سے لڑین

[۱] تاریخ طبری ص ۱۸۰۵ [۲] ایضاً ص ۲۵۰۶،

Marfat.com

بکم عدو وکم ولیدفع عن ذمتکم ویحصی	ذمیون کی حفاظت کرین، تمھاری آمدنی کا تم کو حساب
لکم فیئکم ثم لیقسمہ بینکم ولینقی لکم	دین، پھر اس کو تم مین تقسیم کرین اور تمھارے راستون
طرقکم۔[1]	کو تمھارے لئے صاف رکھین،

فتح خوزستان | بصرہ کی سرحد خوزستان سے ملی ہوئی تھی اور وہ اب تک ایرانیون کے قبضہ مین تھا، سنہ ۱۷ھ مین حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے اس کو فتح کرنے کے خیال سے اہواز پہ فوج کشی کی تو یہان کے رئیس نے ایک قلیل سی رقم دے کر صلح کر لی، اور حضرت مغیرہؓ وہین رک گئے، سنہ ۱۷ھ مین ان کی جگہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے، اس انقلاب مین اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی، اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا، مجبوراً انھون نے لشکر کشی کی اور اہواز کو فتح کر کے مناذر کا رخ کیا، یہ ایک نہایت مستحکم مقام تھا، حضرت مہاجر بن زیادؓ جو ایک معزز افسر تھے، یہان ایک معرکہ مین شہید ہوئے، اور قلعہ والون نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پہ لٹکا دیا،

حضرت ابوموسیٰ حضرت مہاجرؓ کے بھائی ربیع کو اس کے محاصرہ پر چھوڑ کر سوس کی طرف بڑھے، ربیع نے مناذر کو سر کر لیا، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی، قلعہ مین کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا، مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائین، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے منظور کیا، رئیس نے ایک ایک کر کے سو آدمیون کو پیش کیا، اور وہ سب چھوڑ دیئے گئے، لیکن بدقسمتی سے اس نے شمار مین خود اپنا نام نہین لیا، چنانچہ جب سو آدمیون کی تعداد پوری ہو گئی، تو انھون نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا،

سوس کے بعد رامہرمز کا محاصرہ ہوا، اور آٹھ لاکھ درہم سالانہ پر صلح ہو گئی، یزدگرد

[1] تاریخ طبری ص ۲۵۳۲،

نوجوان شہنشاہ ایران اس وقت قم میں مقیم تھا، اس کو حضرت ابوموسیٰؓ کی فتوحات کی خبریں پہنچیں تو اس نے اپنے ماموں ہرمزان کو خوزستان کی حفاظت کے لئے بھیجا، ہرمزان نے شوستر پہنچکر اس کو مستحکم کیا، اور تمام ملک میں جوش پیدا کر کے اپنے گرد ایک بہت بڑی فوج جمع کرلی، حضرت ابوموسیٰؓ نے ان حالات سے دربار خلافت کو مطلع کیا، اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے حضرت عمار بن یاسرؓ کے نام جو کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ مدد کو بھیجیں، لیکن غنیم کی کثرت اور سروسامان کے مقابلہ میں یہ جمعیت بیکار تھی، حضرت ابوموسیٰؓ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں حضرت عمار بن یاسرؓ کوفہ سے ایک بڑی فوج لیکر آئے اور دوسری طرف جریر بجلی ایک جرار لشکر لیکر جلولا پر حملہ آور ہوئے، غرض حضرت ابوموسیٰؓ نے اس سروسامان سے شوستر کا رخ کیا، اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے، ہرمزان نے خود قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا، اور شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہوگیا،

شوستر نہایت مستحکم مقام تھا، اس کی تسخیر کے متعلق حضرت ابوموسیٰؓ کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں، لیکن خدا نے غیب سے سامان پیدا کردیا، ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ان کے پاس آیا، اور کہا کہ اگر میری جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرادوں، حضرت ابوموسیٰؓ نے منظور کیا، اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا، ساتھ لیا، اور نہر وجیل سے گذر کر ایک تہ خانہ کی راہ خاص شہر میں داخل ہوا، اشرس کے منہ پر چادر ڈال دی، اور کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے چلے آؤ، چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گذرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا، شہری نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر حضرت ابوموسیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اشرس نے تفصیل کے ساتھ تمام کیفیت بیان کی، اور کہا کہ دوسو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہوجائے، حضرت ابوموسیٰؓ نے فوج کی طرف دیکھا، دوسو

Marfat.com

بہادروں نے بڑھ کر کہا خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے، اشرس ان کو لے کر اسی تہ خانہ کی راہ شہر میں داخل ہوئے اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھولدیئے، ادھر حضرت ابو موسیٰ تمام فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے، دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہلچل پڑ گئی، ہرمزان نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی، مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی سو تیر ہیں، اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ ڈھیر ہو جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچادو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو، حضرت ابو موسیٰ نے منظور کیا اور اس کو حضرت انس کے ساتھ مدینہ بھیجدیا[1]

شوستر کے بعد جندی ساپور پر حملہ ہوا، اس کا کئی دن تک محاصرہ رہا، ایک دن شہر والوں نے خود شہر کے دروازے کھولدیئے، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے، مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا، سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے، اب کیا جھگڑا رہا، سب کو حیرت ہوئی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھدیا ہے، حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی، شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے، بالآخر دربار خلافت سے استصواب کیا گیا تو حکم ہوا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے، اور جس کو اس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے،[2] اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھادیا اور اس طرح نہ صرف فتوحات کی فہرست میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، بلکہ بصرہ (جہاں حضرت ابو موسیٰ عہدۂ

---

[1] طبری ص ۲۵۵۵ [2] ایضاً ص ۲۵۶۸،

Marfat.com

امارت پر سرفراز تھے) دشمنوں سے بالکل محفوظ ہوگیا،

معرکۂ نہاوند | خوزستان کی شکست سے متاثر ہو کر ۲۱ھ میں ایرانیوں نے نہاوند میں ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں، حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ بصرہ سے ان کو مدد پہنچائیں، چنانچہ وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود کمک لے کر گئے اور نہاوند فتح کرکے واپس آئے[1]

تبادلہ | بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر اہلِ بصرہ نے حضرت ابو موسیٰؓ کی وساطت سے دربارِ خلافت میں یہ درخواست پیش کی کہ خوزستان کے مفتوحہ علاقہ میں سے رامہرمز، ایذج اور ماہ یا ماسپندان کے اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے جائیں؛ لیکن اہلِ کوفہ اس علاقہ کی فتح میں برابر کے شریک تھے، انہوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور حضرت عمار بن یاسرؓ والیِ کوفہ سے درخواست کی کہ وہ اس علاقہ کو کوفہ میں شامل کرنے کی کوشش کریں، لیکن حضرت عمارؓ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانب داری اختیار کرلی، اور فرمایا کہ "مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے"!

غرض حضرت ابو موسیٰؓ کی تحریک پر یہ اضلاع بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے، اور اہلِ کوفہ نے حضرت عمار بن یاسرؓ سے ناخوش ہو کر مسلسل شکایتوں کے بعد ان کو معزول کرادیا، حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں سے پوچھا کہ تم کس کو اپنا والی بنانا چاہتے ہو؟ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے جس خوش اسلوبی کے ساتھ بصرہ والوں کی حمایت کی تھی، اس کے لحاظ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کا نام لیا، چنانچہ وہ ان کی درخواست پر ۲۲ھ میں بصرہ سے کوفہ تبدیل کر دیئے گئے،

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۰۱،

لیکن ایک ہی سال کے بعد یعنی ۲۳ھ مین پھر بصرہ منتقل کر گئے[1]

الزام | اسی سال ضبہ نام ایک شخص نے حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف دربارِ خلافت مین حسب ذیل شکایتین پیش کین،

(۱) ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ مین سے ساٹھ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہین،

(۲) انھون نے عنانِ حکومت زیاد بن سمیہ کو سپرد کر دی ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے،

(۳) انھون نے حطیہ شاعر کو ایک ہزار انعام دیا ہے،

(۴) عقیلہ نام ان کی ایک لونڈی ہے جس کو دونون وقت نہایت عمدہ غذائین بہم پہنچائی جاتی ہین، حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانون کو میسر نہین،

حضرت عمرؓ نے ان تمام شکایتون کو اپنے ہاتھ سے قلمبند کیا، اور حضرت ابو موسیٰؓ کو دار الخلافہ طلب کر کے باضابطہ تحقیقات کی، چنانچہ پہلا الزام غلط ثابت ہوا، دوسرے الزام کا انھون نے یہ جواب دیا کہ زیاد صاحبِ تدبیر و سیاست ہے، اس لئے مین نے اس کو اپنا مشیر کار بنایا ہے، حضرت عمرؓ نے زیاد کو بلا کر کے امتحان لیا تو حقیقت مین قابل آدمی تھا، اس لئے انھون نے خود حکامِ بصرہ کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائین، تیسرے الزام کے جواب مین حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا کہ حطیہ کو مین نے اپنے جیب خاص سے انعام دیا ہے کہ وہ میری ہجو نہ کرے، لیکن چوتھے الزام کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے، حضرت عمرؓ نے معمولی فہمائش کے بعد ان کو رخصت کر دیا[2]

فتحِ اصفہان | حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسی سال یعنی ۲۳ھ مین اصفہان پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے اسلامی ممالکِ محروسہ مین داخل کر دیا[3]

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۷۰۰، [2] ایضاً ص ۲۷۱۱، [3] ایضاً ص ۲۷۱۳،

Marfat.com

اصفہان فتح کرکے واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو اسی سال بصرہ سے کوفہ کی گورنری پر منتقل کردیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہی وہ پھر بصرہ تبدیل ہوکر آگئے،

تعمیر نہر ابی موسیٰ | بصرہ میں لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی، دربار خلافت میں اس کی شکایت پہنچی تو حکم آیا کہ دریائے دجلہ سے نہر کاٹ کر لائی جائے، وہ شہر سے تقریباً دس میل دور تھا، لیکن اس کی ایک شاخ صرف چھ میل پر واقع تھی، حضرت ابوموسیٰؓ نے خود مستعد ہوکر اس شاخ سے شہر بصرہ تک ایک نہر بنوائی جو اب تک "نہر ابی موسیٰ" کے نام سے مشہور رہی،

آخر ذی الحجہ ۲۳ھ میں خلیفۂ دوم نے شہادت پائی اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا، اس انقلاب میں عہد فاروقی کے اکثر عمال وحکام ایک ہی سال کے بعد سبکدوش ہوگئے، لیکن حضرت ابوموسیٰؓ اشعریؓ ۲۹ھ تک بصرہ میں عہدۂ امارت کے فرائض انجام دیتے رہے، بیان کیا جاتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے ان کو چار سال تک برقرار رکھنے کی وصیت فرمائی تھی،[1]

معزولی | ۲۹ھ میں کردوں نے بغاوت کردی، حضرت ابوموسیٰؓ نے مسجد میں ان کے خلاف جہاد کا وعظ کہا، اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے، اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہوگئے، لیکن حضرت ابوموسیٰؓ کے چند مخالفین نے کہا کہ "ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیئے، دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے"، غرض صبح کے وقت دارالارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰؓ گھوڑے پر سوار ہوکر برآمد ہوئے، لوگوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑلی اور اس پر اعتراض کیا،

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳،

ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ کا مقصد یہ نہ تھا کہ جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ راہ خدا میں ان سے کام نہ لیں لیکن درحقیقت خلیفہ سومؓ کے عہد خلافت کا نصف اخیر فتنہ اور سازش کا دور تھا، مفسدہ پردازوں نے اسی وقت دار الخلافہ کی راہ لی اور دربار خلافت سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کرکے ایک کمسن نوجوان عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور فرمایا، [1]

امارت کوفہ | ۳۴ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پھر سعید بن العاصؓ کی جگہ کوفہ کے والی مقرر کئے گئے، لیکن یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، اور ملک میں ہر طرف سازش و فتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، چونکہ حضرت ابو موسیٰؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد تھی، اس لئے ان کو یقین تھا کہ عنقریب ہولناک خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگا، وہ عموماً اپنے وعظ میں اہل کوفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سناتے اور اس آنے والے دور فتنہ سے کنارہ کش رہنے کی ہدایت فرماتے تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مسند نشینی کے بعد وہ خطرہ بالکل سر پر آگیا،

خانہ جنگی سے اجتناب | حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے خلیفہ ثالثؓ کے قصاص اور مطالبۂ اصلاح کا علم بلند کرکے بصرہ کا رخ کیا، حضرت علیؓ ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے چلکر مقام ذی قار میں آئے اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسنؓ کوفہ پہنچے تو اس وقت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۸۲۸،۱

نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے، اس لئے اسلحہ بیکار کر دو اور عزلت نشین ہو کر بیٹھ جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے زمانہ مین سونے والا بیٹھنے والے سے، اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے[1] اسی اثنا مین حضرت امام حسنؓ داخلِ مسجد ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا، آپ ابھی ہماری مسجد سے نکل جائیے، وہ نہایت سکون و خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آئے، اور ملک شام کے ایک غیر معروف گاؤن مین جا کر گوشہ نشین ہو گئے،

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اہل کوفہ کو بارہا جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، اس کو انھون نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا، جنگِ جمل مین عرب کے ہزارون گھر بے چراغ ہو گئے، اور میدانِ صفین مین حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی باہمی آویزش نے بیشمار مسلمانون کا خون پانی کی طرح بہا دیا،

حکم مقرر ہونا

معرکۂ صفین مین جب امیر معاویہؓ کے حامیون نے حریف کا پلہ بھاری دیکھا، تو اپنے نیزون پر دمشق کا مصحف اعظم بلند کر کے عجیب وغریب طریقہ پر مصالحت کی دعوت دی، گو جناب امیرؓ اس پر راضی نہ تھے تاہم قرآن کی دعوت کا رد کرنا آسان نہ تھا، خود آپ کی فوج مین پھوٹ پڑ گئی، انجام کار تمام مابہ النزاع امور کا فیصلہ طرفین کے دو ثالث پر محوّل ہوا، امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم مانا اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا انتخاب ہوا، دومۃ الجندل مقامِ اجلاس قرار پایا، اور دونون حکم ایک مقرر تاریخ پر مجتمع ہوئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے، انھون نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علٰحدہ علٰحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ دونون کسی امر پر متفق نہین ہو سکتے، کیونکہ اگر ایک طرف کمال

[1] بخاری کتاب الفتن،

Marfat.com

غیرجانبداری و بے لوثی ہے تو دوسری طرف شدید خود غرضی و پاسداری،

غرض دونون حکم باہم مشورہ کے لئے گوشۂ خلوت مین مجتمع ہوئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے محض بے لوثی کے ساتھ صرف مسلمانون کی فلاح و بہبود کے خیال سے اس عہدہ کو قبول کیا تھا، ان کی رائے تھی کہ عنانِ خلافت کسی غیرجانبدار کے ہاتھ مین دیدی جائے تو اس خانہ جنگی کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا، چنانچہ دونون مین حسب ذیل گفتگو ہوئی،

ابو موسیٰؓ۔ عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونون میسر آئے؟

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰؓ: عبداللہ بن عمرؓ کو منصبِ خلافت پر متمکن کرنا چاہیئے، کیونکہ انھون نے ان خانہ جنگیون مین کسی طرح حصہ نہین لیا ہے،

عمرو بن العاصؓ: معاویہ مین کیا خرابی ہے؟ آپ جانتے ہین کہ عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے، معاویہ ان کے قصاص کے دعویدار ہین، ام المومنین ام حبیبہؓ ان کی بہن ہین، اور خود ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے،

ابو موسیٰؓ: معاویہ کے جن فضائل کا تم نے تذکرہ کیا وہ استحقاقِ خلافت کے لئے کافی نہین، اگر فضل و شرف ہی پر معیار ہو تو علیؓ سے بڑھ کر کون ہے، رہا قصاص کا دعویٰ تو اس کے لئے معاویہ کو خلافت کے معاملہ مین مہاجرین اولین پر ترجیح نہین دیجا سکتی، ہان اگر تم مجھ سے اتفاق کرو، تو فاروقِ اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے، اور فاضل و عالم عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دے،

عمرو بن العاصؓ: میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیون نہین پڑتی؟

Marfat.com

فضل ومنقبت مین تو وہ بھی کچھ کم نہیں،،

ابوموسیٰ رضؓ "بیشک وہ صاحبِ فضل ومنقبت ہین، لیکن ان خانہ جنگیون مین شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عمرؓ کے بیٹے عبداللہؓ کا لباسِ تقویٰ تمام دھبون سے محفوظ ہے،

عمرو بن العاصؓ "ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اسی مین ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہون، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے،

ابوموسیٰ رضؓ "عمرو! تمھارا برا ہو، شدید کشت وخون کے بعد مسلمانون نے ہمارا دامن پکڑا ہے، اب ہم ان کو پھر فتنۂ وفساد مین مبتلا نہین کرین گے"

عمرو بن العاصؓ "پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ رضؓ "ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہ دونون برطرف کئے جائین، اور مسلمانون کی مجلسِ شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیا جائے کہ وہ جس کو چاہے منتخب کرے

عمرو بن العاصؓ "مجھے بھی اس سے اتفاق ہے،

اس قرارداد کے بعد دونون ایک دوسرے سے جدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آکر کہا "خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا، کیا عجب ہے کہ وہ آپ کی مخالفت کر بیٹھین، حضرت ابوموسیٰ رضؓ نہایت نیک طینت بزرگ تھے، اونھین دنیا کی فریب کاریون کی کیا خبر تھی، بولے "ہم دونون ایک ایسی رائے پر متفق ہوئے ہین کہ اس مین اختلاف کی گنجائش ہی نہین" غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ "منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنا دو" بولے "مین آپ پر سبقت

Marfat.com

نہیں کرسکتا، آپ فضل و منقبت اور سن و سال میں مجھ سے افضل اور بڑے ہیں۔" حضرت ابوموسیٰ
پر ان کا یہ افسون چل گیا، وہ بغیر سوچے سمجھے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا، صاحبو!
ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلسِ شوریٰ کو انتخاب کا حق
دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے۔" ابوموسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر اتر آئے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے
ہو کر کہا، صاحبو! علیؓ کو ابوموسیٰ کی طرح میں بھی معزول کرتا ہوں، لیکن معاویہ کو اس منصب
پر برقرار رکھتا ہوں، کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ
مستحق ہیں۔"

حضرت ابوموسیٰؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور نیک نفس بزرگ تھے، اس غلط بیانی سے
ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمھاری
حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر بوجھ لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا
ہے (انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث الایۃ)
عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، اور آپ پر چارپایہ بر و کتابے چند کی مثل صادق آتی ہے، (مثلک
کمثل الحمار یحمل اسفارا)

وفات حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنے فریب کھا جانے پر اس قدر ندامت ہوئی کہ وہ اسی
وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور پھر کسی چیز میں حصہ نہ لیا، وفات کے سنہ اور مقام میں مختلف
روایتیں ہیں، بعض لوگ ان کی وفات کا مقام مکہ بتاتے ہیں، اور بعض کوفہ، لیکن مرجح مکہ
کی روایت ہے، بہرحال باختلافِ روایت ۴۲ھ، ۴۴ھ، ۵۲ھ میں بیمار پڑے، اور بروایت
صحیح ذی الحجہ ۴۴ھ میں وفات پائی،[1] آخر وقت تک احکام نبوی کا لحاظ رہا، جب حالت زیادہ

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۱،

نازک ہوئی اور غشی طاری ہوگئی، تو جس عورت کی گود میں سر تھا، اس نے گریہ وزاری شروع کردی، اس وقت بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براءت کی ہے، اس سے میں بھی بری ہوں، جیب وگریبان پھاڑنے والی، نوحہ وبکا کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے آپ نے براءت ظاہر کی ہے[1]

اس کے بعد کفن ودفن وغیرہ کے متعلق ضروری وصیتیں کیں کہ جنازہ تیز چال سے لے چلنا جنازہ کے ساتھ انگیٹھی نہ لے چلنا۔ لحد اور میری میت کے درمیان کوئی مٹی روکنے والی چیز نہ رکھنا۔ قبر پر کوئی عمارت نہ بنانا، اور میں نوحہ وبین کرنے والی، جیب وگریبان چاک کرنے والی اور سر نوچنے والی عورتوں سے بری ہوں[2] وصیت سے فراغت ہوئی کہ طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کرکے اپنے اصلی نشیمن میں پہنچ گیا، وفات کے وقت ۶۱ سال کی عمر تھی،

حلیہ پستہ قد اور لاغر اندام تھے،

اولاد وفات کے بعد متعدد نسلی یادگاریں چھوڑیں، نام یہ ہیں، ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ،[3]

ذریعۂ معاش ابتدا میں تنگدستی کی زندگی تھی، لیکن پھر فارغ البالی کا دور آیا، متعدد مہمیں ان کی افسری میں سر ہوئیں، مدتوں تک مختلف ممالک کے گورنر رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں دوسرے مہاجرین کے ساتھ ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا، غرض اطمینان اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے،

[1] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۶ [3] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۲،

Marfat.com

فضل و کمال

حضرت ابوموسیٰ ان مخصوص صحابہؓ میں تھے جن کو بارگاہِ رسالت میں خاص تقرب اور شرفِ پذیرائی حاصل تھا، اس لئے وہ نبوت کے چشمۂ فیض سے پوری طرح سیراب تھے، وہ ان چھ آدمیوں میں سے ایک تھے، جن کو خود عہدِ رسالت میں مسائل کے جواب اور فتویٰ دینے کی اجازت تھی[1]

اسود تابعی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ سے زیادہ کسی کو صاحبِ علم نہیں دیکھا، حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ "ابوموسیٰ سرتاپا علم کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں"[2]

اہلِ علم سے اکثر ان کی علمی صحبتیں اور علمی بحثیں رہتی تھیں جس نے ان کے علم کو اور چمکا دیا تھا، یوں تو ان کے علمی احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا، مگر ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ سے خاص طور سے وہ علمی گفتگو کرتے تھے، اور کبھی کبھی یہ گفتگو نیک نیتی کے ساتھ بحث ومناظرہ تک پہنچ جاتی، اور جب تک مسئلہ کی پوری تنقیح نہ ہوجاتی برابر جاری رہتی،

ایک مجلس میں تیمم کا مسئلہ چھڑا، حضرت ابوموسیٰؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اگر کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے، اور اس کو ایک مہینہ تک پانی نہ ملے، تو کیا تیمم کرکے نماز پڑھ لے؟ حضرت عبداللہؓ نے کہا نہیں، خواہ ایک مہینہ تک پانی نہ ملے جب بھی تیمم نہ کرے، حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا تو پھر سورۂ مائدہ کی اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہو؟

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۰،

Marfat.com

فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً — پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو،

حضرت عبد اللہؓ نے کہا، اگر لوگون کو تیمم کی اجازت دیدی جائے تو سردیون کے موسم مین جب پانی ٹھنڈا ملتا ہے لوگ تیمم ہی پر اکتفا کرنے لگین گے،" اس پر شقیق (راوی) بولے "کیا صرف اس خطرہ سے آپ تیمم کو برا سمجھتے ہین، حضرت عبد اللہؓ نے کہا ہان، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا، تم نے عمار کا وہ واقعہ جس کو انھون نے حضرت عمرؓ سے بیان کیا تھا نہین سنا، کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بھیجا تھا، اتفاق سے ان کو راہ مین غسل کی ضرورت پیش آگئی، اور پانی نہ ملا تو انھون نے جانور کی طرح زمین پر لوٹ کر تیمم کیا، اور واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ بتا کر فرمایا کہ اس قدر کافی تھا، اس پر عبد اللہؓ نے کہا مگر شاید آپ کو یہ نہین معلوم کہ حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کو کافی نہ سمجھا"[1]

ایک مرتبہ دونون مین حدیث کا مذاکرہ ہو رہا تھا، حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھ جائے گا، جہالت کا دور دورہ ہوگا، اور قتل وغارت کی گرم بازاری ہوگی"[2]

اشاعتِ علم علم کی اشاعت اور اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانے کی وہ پوری کوشش کرتے تھے، ان کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ کسی کو معلوم ہو اس سے دوسرون کو فائدہ پہنچانا اس کا فرض ہے، ایک مرتبہ خطبہ مین لوگون سے خطاب کرکے کہا کہ "جس شخص کو خدا علم دے، اس کو چاہئے کہ اپنے دوسرے بھائیون کو بھی اس کی تعلیم دے، اسی کے ساتھ جو اس کو معلوم نہ ہو، اس کے متعلق ہرگز ایک لفظ بھی وہ اپنی زبان سے نہ نکالے"[3]

ان کے درس کے طریقے مختلف تھے، مستقل حلقۂ درس کے علاوہ کبھی کبھی وہ لوگون

---

[1] بخاری کتاب التیمم باب التیمم ضربۃ۔ [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۲۔ [3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۱۰۸،

Marfat.com

کو جمع کر کے خطبہ دیتے، ایک مرتبہ خطبہ دیا،

"لوگو! شرک سے بچنے کی کوشش کرو کہ یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ غیر محسوس ہے"[1]

جہاں کہیں چند آدمی ایک جگہ ان کو اکٹھا مل جاتے، ان کے کانوں تک وہ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور پہنچا دیتے، ایک دفعہ بنو ثعلبہ کے چند آدمی کہیں جا رہے تھے، ان کو راہ میں ایک حدیث سنادی،[2]

اصفہان کی مہم سے واپس ہوتے وقت ایک جگہ پڑاؤ کیا، کافی مجمع تھا، کہا میں تم لوگوں کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو ہم لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی تھی، لوگوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے ضرور سنایئے، بولے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے قرب میں "ہرج" زیادہ ہوگا، لوگوں نے پوچھا "ہرج" کیا؟ کہا قتل اور جھوٹ، لوگوں نے کہا کیا اس سے بھی زیادہ قتل ہوگا، جتنا ہم لوگ کرتے ہیں؟ فرمایا اس سے مقصد کفار کا قتل نہیں ہے، بلکہ باہمی خونریزی ہے، حتی کہ پڑوسی پڑوسی کو، بھائی بھائی کو، بھتیجا چچا کو، اور چچا بھتیجے کو قتل کرے گا، لوگوں نے کہا سبحان اللہ! عقل و ہوش رکھتے ہوئے؟ کہا عقل و ہوش تو اس زمانہ میں باقی نہ رہے گا، حتی کہ آدمی خیال کرے گا کہ وہ کسی (حق) بات پر ہے، لیکن درحقیقت وہ کسی (حق) بات پر نہ ہوگا، یہ حدیث سنا کر بولے کہ ہم میں تم میں سے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی سے نہ نکل سکے گا، اس سے نکلنے کی صرف یہ صورت ہے کہ ہم بلا کچھ کئے ہوئے اس طریقہ سے پاک و صاف نکل جائیں جس طرح اس میں شریک ہوئے تھے،[3]

حضرت ابو موسیٰ کے تعلیم دینے کا طریقہ نہایت نرم تھا، اگر کبھی کوئی شخص نادانی سے بھی کوئی اعتراض کرتا، تو خفا ہونے کے بجائے نہایت نرمی سے اس کو سمجھا دیتے، عبد اللہ الرقاشی

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳، [2] ایضاً ص ۴۱۴، [3] ایضاً ص ۴۰۶،

Marfat.com

روایت کرتے ہیں کہ "میں ایک مرتبہ ابوموسیٰؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، وہ قعدہ میں تھے کہ کسی نے زور سے ایک ایسا فقرہ کہا جو مسنون دعاؤں میں سے نہ تھا، ابوموسیٰؓ نماز ختم کر چکے، تو پوچھا یہ کس نے کہا تھا، لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا فلاں بات کس نے کہی تھی، لوگ پھر چپ رہے تو بولے حطان شاید تم نے کہا ہوگا، انھوں نے کہا میں نے نہیں کہا، مجھ کو پہلے ہی خطرہ تھا کہ آپ مجھ ہی پر ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، اتنے میں ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے کہا اور اس سے میرا مقصد بدنیتی نہ تھی، بلکہ بھلائی تھی، ابوموسیٰؓ نے کسی قسم کی ترش روئی کے بغیر مسنون نماز کا پورا طریقہ بتادیا[1]۔

قرآن پاک قرآن پاک اسلام کے تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے، اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰؓ کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانہ میں معاذ بن جبلؓ اکثر ان سے ملنے آتے، اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا، آپ قرآن کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن میں جب موقع مل جاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھ لیتا ہوں[2]۔

قرآن نہایت خوش الحانی سے پڑھتے تھے، یہ اس قدر خوش گلو اور شیریں آواز تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ "ان کو لحن داؤدی سے حصہ ملا ہے[3]" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا قرآن پڑھنا بہت پسند تھا، جہاں ان کو قرأت کرتے ہوئے سنتے کھڑے ہو جاتے، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے، ابوموسیٰؓ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا وہیں کھڑے ہو گئے اور سنکر آگے بڑھے، صبح کو جب ابوموسیٰؓ حاضر ہوئے، تو فرمایا کہ ابوموسیٰ کل تم قرآن پڑھ رہے تھے، ہم نے تمھاری قرأت سنی تھی، عرض کیا اے

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ [2] بخاری [3] ابن سعد جز ۴ قسم اول ص ۸۰۔

Marfat.com

خدا کے رسول اگر مجھکو حضور کی موجودگی کا علم ہوتا، تو مین آواز مین اور دلکشی پیدا کرتا،[1]

ایک مرتبہ مسجد نبوی مین بلند آواز سے عشا کی نماز پڑھ رہے تھے، آواز سنکر ازواج مطہراتؓ اپنے اپنے حجرون مین پردون کے پاس آکر کھڑی ہو کر سننے لگین، صبح کو جب ان کو اطلاع ہوئی تو کہا اگر اس وقت مجھکو معلوم ہو جاتا تو مین ان کو قرآن کا اس سے بھی زیادہ مشتاق بنا دیتا،[2]

ابو عثمان نہدی بیان کرتے تھے کہ ابو موسیٰؓ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے تھے، ان کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی تھی کہ چنگ و بربط مین بھی وہ دلکشی نہین،[3]

کبھی کبھی حضرت عمرؓ فرمایش کرتے کہ ابو موسیٰؓ خدا کی یاد دلاؤ، یہ قرآن پڑھ کر سناتے، ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰؓ نے انس بن مالکؓ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، انھون نے پوچھا، ابو موسیٰ کا کیا حال ہے، کہا لوگون کو قرآن پڑھاتے ہین، فرمایا وہ بلند مرتبہ آدمی ہین، مگر اس کو ان کے سامنے نہ کہنا،[4]

ان کی غیر معمولی قرأت دانی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور عالم قرآن حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ ان کو بھی نومسلمون کی تعلیم قرآن کیلئے یمن بھیجا تھا،[5]

حدیث | قرآن کے ساتھ ان کو حدیث کے علم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، حفظ حدیث کے اعتبار سے وہ اپنے معاصرون مین امتیازی پایہ رکھتے تھے، کوفہ مین مستقل حلقہ درس تھا جس سے بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے، ان کے نام آیندہ آئین گے، ان کی مرویات کی تعداد ۳۶۰ تک پہنچی ہے، ان مین ۵۰ متفق علیہ ہین، ان کے علاوہ ۴ بخاری اور ۲۵ مسلم مین ہین،[6]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۶۶۔ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۰، [3] ایضاً، [4] ایضاً، [5] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۰۹، [6] تہذیب الکمال،

ان میں سے اکثر روایات خود صاحبِ حدیثؐ کی زبان سے سنی ہوئی ہیں، ان کے بعد پھر حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابن عباس، ابی بن کعب، عمار بن یاسر، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں، تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے مختصر فہرست یہ ہے،

ابراہیم، ابوبکر، ابوبردہ، موسیٰ، انس بن مالکؓ، ابوسعید خدریؓ، طارق بن شہاب، ابو عبد الرحمٰن سلمی، زر بن جیش، زید بن وہب، عبید بن عمیر، ابوالاحوص، عوف بن مالک، ابو الاسود دیلی، سعید بن مسیب، ابوعثمان نہدی، قیس بن ابی حازم، ابورافع صائغ، ابوعبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود، مسروق بن اوس حنظلی، ہزیل بن شرجیل، مرہ بن شرجیل، اسود بن یزید، عبد الرحمٰن بن یزید، حطان بن عبد اللہ رقاشی، ربعی بن خراش، زہدم بن مضرب، ابو وائل شقیق ابن سلمہ، صفوان بن محرز وغیرہم،[1]

اس فضل وکمال کے باوجود ان کو اپنی غلطی اور دوسرون کے کمال کے اعتراف مین بخل نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے لڑکی پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق فتویٰ پوچھا، انھون نے جواب دیا لڑکی اور بہن کو نصف نصف ملے گا، مستفتی نے جاکر یہ جواب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو سنایا اور ان سے بھی فتویٰ دریافت کیا، انھون نے کہا اگر مین اس کی تائید کرون تو گمراہ ہون، مین اس مسئلہ مین وہی فیصلہ کرون گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، لڑکی کو آدھا ملے گا، پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لئے چھٹا حصہ ملے گا، باقی جو بچے گا وہ بہن کا حصہ ہے، مستفتی نے یہ جواب جاکر ابوموسیٰؓ کو سنایا، انھون نے کہا جب تک یہ عالم تم مین موجود ہے، اس وقت تک مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہین،[2]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۶۳،

[2] بخاری کتاب الفرائض باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ،

Marfat.com

اخلاق وعادات

خشیتِ الٰہی اور رقتِ قلب مذہب کی روح ہے، حضرت ابوموسیٰؓ میں یہ دونوں وصف موجود تھے، خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ خطبہ دیا کہ "لوگو! خوب روؤ اگر نہ رو سکتے ہو تو کم از کم رونی صورت بناؤ کیونکہ دوزخی (جنھوں نے دنیا نہیں کرگذاری) اس قدر روئیں گے کہ آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر خون کے آنسو روئیں گے، آنسوؤں کی فراوانی کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس میں کشتیاں چلائی جائیں تو بہ نکلیں"[1]

اتباع سنت ابوموسیٰؓ کی پوری زندگی حیات نبوی کا آئینہ تھی، وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی نقل وحرکت، قول وفعل بلکہ ہر ہر ادائے نبویؐ کا نمونہ بن جائے، ایک موقعہ پر انھوں نے اپنی حرص کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے،

ابومجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰؓ مکہ سے مدینہ آرہے تھے، راستہ میں عشاء کی نماز کا وقت آیا تو دو رکعت نماز پڑھی، پھر کھڑے ہوکر سورۂ نساء کی ۱۰۰ آیتیں ایک رکعت میں پڑھیں، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، انھوں نے کہا میری ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رکھا ہے وہیں میں بھی قدم رکھوں، اور جو کام آپ نے کیا ہے وہی میں بھی کروں[2]

رمضان کے روزوں کے علاوہ نوافل کے روزے محض اس لئے رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکھا کرتے تھے، عاشورہ کا روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر رکھا کرتے تھے، یہ لوگوں کو

---

[1] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۱ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۹،

Marfat.com

ہدایت کرتے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو

سنت سے لے کر مستحبات تک کی خود پابندی کرتے اور اپنے اہل وعیال سے پابندی کراتے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مسنون ہے حضرت ابوموسیٰؓ لڑکیون تک کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرین[1]

احکام نبوی کا لحاظ ہر آن وہر لحہ رہتا تھا، کسی موقع پر فروگذاشت نہ ہونے پاتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہان جائے تو اجازت لے کر گھر مین داخل ہو، اگر تین مرتبہ اجازت مانگنے پر بھی اجازت نہ دے، تو لوٹ جائے، حضرت ابوموسیٰؓ اس فرمان نبوی پر اس سختی سے عامل تھے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ غالباً کسی کام مین مشغول تھے، اس لئے کوئی توجہ نہ کی، انھون نے ۳ مرتبہ اجازت مانگی، پھر لوٹ آئے، دوسرے وقت حضرت عمرؓ نے کہا تم کیون واپس ہوگئے تھے، کہا مین نے تین مرتبہ اجازت مانگی، جب نہ ملی، تو لوٹ گیا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو ۳ مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو لوٹ جانا چاہیئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا درشاہد لاؤ تمھارے علاوہ کسی دوسرے نے بھی اس حکم کو سنا ہے، یہ گھبرائے ہوئے انصاری اصحاب کی مجلس مین آئے، ابی بن کعبؓ کو یہ حکم معلوم تھا انھون نے جاکر شہادت دی[2]

یہی پاس ولحاظ زندگی کے آخر لحہ تک رہا،

مرض الموت مین اپنے گھر کی کسی عورت کی گود مین سر رکھے ہوئے تھے، اسی حالت مین غشی طاری ہوگئی، عورت نے گریۂ وزاری شروع کردی، اس وقت تو بولنے کی طاقت نہ تھی، ہوش آیا تو کہا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برأت ظاہر کی ہے، اس سے

---

[1] بخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح ذبیحۃ [2] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم والاستیذان ثلثاً

Marfat.com

مین بھی بری ہون، جیب و گریبان پھاڑنے والی، نوحہ و بکا کرنے والی، سر نوچنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورتون سے آپنے برأت کی ہے،[1]

موت سے پہلے کفن و دفن وغیرہ کی وصیتون کے ساتھ ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ کوئی میری موت پر نوحہ اور بین نہ کرے جیب اور گریبان نہ چاک کرے، سر کو نہ نوچے، ان سب سے مین بری ہون،[2]

تقویٰ ابو موسیٰؓ کا دامنِ عفاف کبھی معصیت کی آلودگیون سے داغدار نہ ہوا، وہ اس درجہ محتاط تھے کہ غیر عورتون کی ہوا تک لگنا گوارا نہ کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ عورتون کی لپٹ سے مجھکو سڑے ہوئے مردار کی عفونت زیادہ خوش آیند ہے،[3]

طہارت اور صفائی کے خیال سے ہمیشہ شیشی مین پیشاب کرتے تھے کہ کوئی چھینٹ نہ پڑنے پائے، دوسرے صحابہؓ اس غیر ضروری شدت کو محسوس کرتے اور اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے، حذیفہؓ نے لوگون سے کہا کہ کاش تمھارے ساتھی اتنا تشدد نہ کرتے،[4]

توکل خدا کی ذات پر پورا اعتماد اور قضا و قدر پر پورا یقین تھا، چنانچہ وبائی مقامات سے الگ نہ ہوتے تھے، ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھیلی، ابو بردہؓ نے کہا یہان سے ہٹ کر دابق چلے چلیئے، کہا مین خدا کے پاس جاؤن گا دابق نہ جاؤن گا،[5]

خدمتِ رسول خطرناک سے خطرناک موقعون پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور آپ کی حفاظت کی سعادت حاصل کرتے تھے، کسی غزوہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، راستہ مین رات گذارنے کے لئے مجاہدین نے قیام کیا، جنگ کا زمانہ تھا، دشمن ہروقت تاک مین

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخد و دشق الجیوب [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۷، [3] ابن سعد جزو ۴ قسم اول ص ۸۴ [4] مسلم کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین، [5] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۴،

رہتے تھے، اس خطرہ سے یہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے پاس پہنچے، اتفاق سے آپ موجود نہ تھے، یہ تلاش میں نکلے، راستہ میں ایک اور صحابی جو اسی نیت سے نکلے تھے، مل گئے، دونوں آگے بڑھے، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہوئے دکھائی دیئے، ان دونوں نے عرض کیا کہ اس وقت آپ دشمن کی زمین میں ہیں، آپ کے متعلق ہر وقت خطرہ ہے، اس لئے جب آپ کو کوئی ضرورت پیش آیا کرے تو کسی کو حکم دیدیا کیجئے وہ ساتھ ہو جایا کرے[1]۔

شرم وحیا الحیاء شعبۃ من الایمان حضرت ابوموسیٰؓ میں ایمان کا یہ عنصر بہت غالب تھا، رات کو سوتے وقت خاص قسم کا کپڑا پہن لیتے تھے کہ نیند کی غفلت میں ستر نہ کھل جائے، ایک مرتبہ کچھ اشخاص کو دیکھا وہ پانی کے اندر ننگے نہا رہے ہیں، تو بولے مجھکو بار بار مر کر زندہ ہونا پسند ہے مگر یہ فعل پسند نہیں ہے[2]۔

سادگی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی زندگی کے مختلف دور تھے، ابتدائی دور نہایت عسرت کا تھا، مگر جیسے جیسے اسلام کو فروغ ہوتا گیا، ان کی عسرت میں کمی آتی گئی، متعدد مہمیں ان کی ماتحتی میں سر ہوئیں، برسوں تک مختلف صوبوں کے حاکم رہے، لیکن ان دونوں حالتوں میں ان کی ظاہری زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، نہ مال و دولت جمع کیا، نہ نخوت و رعونت پیدا ہوئی، گورنری کے بعد ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ سے ملاقات ہوئی، ابوذرؓ فقیر منش آدمی تھے، دنیا سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، حضرت ابوموسیٰؓ بھائی بھائی کہتے ہوئے دوڑ کر لپٹ گئے، لیکن ابوذرؓ بار بار یہ کہکر ہٹاتے تھے، اب تم میرے بھائی نہیں ہو اس منصب سے پہلے بھائی تھے، دوبارہ جب پھر ملاقات ہوئی تو پہلے کی طرح لپکے، انہوں نے کہا ابھی ہٹے رہو، پہلے میرے سوالات کے جوابات دیدو، پھر پوچھا تم نے لوگوں پر حکومت کی ہے؟ ابوموسیٰؓ نے کہا

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۱۵، [2] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۲،

Marfat.com

ہاں، کہا عمارتیں تو نہین بنوائیں، زراعت تو نہین کی، جانور تو نہین پالے؟ انھون نے سب کی نفی کی تو پھر ان سے دل کھول کر ملے[1]

اسی خاکساری اور تواضع کی وجہ سے وہ اپنی مذہبی خدمات کا اظہار برا سمجھتے تھے، ابوبردہؓ روایت کرتے ہین کہ ابوموسیٰؓ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم ۶ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ مین نکلے، ان چھ مین صرف ایک اونٹ تھا، اسی پر سب باری باری سوار ہوتے تھے، پیادہ پا چلنے کی مشقت سے ہمارے پاؤن پھٹ پھٹ گئے اور ناخن گر گر گئے، تو ہم لوگون نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اسی لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع (چیتھڑے والا) کہتے ہین، راوی کا بیان ہے کہ ابوموسیٰؓ اس واقعہ کو بیان تو کر گئے مگر بعد مین اتنے واقعہ کا اظہار بھی برا سمجھا[2]

امت مسلمہ کی خیر خواہی امت مسلمہ کی خیر خواہی اور اس کا مفاد ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، اس کے مقابلہ مین وہ بڑی سے بڑی منفعت کو ٹھکرا دیتے تھے، جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان کشمکش شروع ہوئی تو امیر معاویہؓ نے ان کے پاس لکھ بھیجا کہ عمرو بن العاص نے میری بیعت کر لی ہے، اگر تم بھی بیعت کر لو، تو مین حلفیہ وعدہ کرتا ہون کہ تمھارے ایک لڑکے کو بصرہ اور دوسرے کو کوفہ کی امارت پر سرفراز کر دن گا، اور تمھاری ضروریات کے لئے میرا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا، مین اپنے خاص قلم سے یہ خط لکھ رہا ہون، امید ہے کہ تم بھی اپنے دست وقلم سے اس کا جواب دوگے، اس خط کو پڑھکر انھون نے یہ جواب لکھا "تم نے امت محمدی کے بہت اہم اور نازک معاملہ کی بابت لکھا ہے، جو چیز تم نے میرے سامنے پیش کی ہے اس کی مجھکو حاجت نہین ہے"[3]

---

[1] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۱۰۹، [2] مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ ذات الرقاع، [3] ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۸۳،

Marfat.com

جنگِ جمل اور جنگ صفین دونوں میں غیر جانبدار رہے، اور دوسروں کو بھی اس کی شرکت سے روکتے تھے، جب حضرت علیؓ نے عمار بن یاسرؓ کو کوفہ بھیجا کہ وہ کوفہ والوں کو حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی شرکت پر آمادہ کریں، تو ابو موسیٰؓ اور ابو مسعودؓ نے ان سے جا کر کہا کہ "جب سے تم اسلام لائے ہو آج تک ہمارے نزدیک اس جنگ کی شرکت سے زیادہ تم نے کوئی ناپسندیدہ کام نہیں کیا"[۱]

ان کے بھائی ابو رہم بہت ہنگامہ پسند تھے، اور شورشوں اور ہنگاموں میں نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، اور ابو موسیٰؓ فتنہ و فساد سے سخت متنفر تھے، وہ ان کو برابر سمجھاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور ایک دوسرے کو قتل کریں گے تو دونوں جہنم میں جائیں گے،[۲]

ان کی اس بے لوثی اور غیر جانبداری کی بنا پر جنگِ صفین میں حضرت علیؓ نے ان کو ثالث مقرر کیا، اس وقت رفع فساد کے خیال سے ان کو مجبوراً گوشۂ عزلت سے نکلنا پڑا اور نہایت نیک نیتی سے مصالحِ امت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے کسی تیسرے کو خلیفہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا، مگر افسوس ہے کہ عمرو بن العاص کی چالاکی نے نیک نیتی کے مشورہ کو بیکار کر دیا،

امت کے اس تفرقہ کے خیال سے بسا اوقات وہ اپنا فتویٰ منسوخ کر دیتے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہو چکے تھے، آپ نے بیت اللہ کے طواف اور صفا اور مروہ کی سعی کے بعد احرام کھلوا دیا تھا، آپ کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، ابو موسیٰؓ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں حج تمام ہونے کے بعد احرام کھلوانے لگے، ایک مرتبہ

[۱] بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر [۲] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۳،

Marfat.com

حج کے موقع پر لوگوں نے ابوموسیٰؓ سے کہا کہ آپ فتویٰ دینے میں اتنی عجلت نہ کیجئے، امیرالمؤمنین نے اس میں ترمیم کردی ہے، اگرچہ ابوموسیٰؓ اس فتویٰ میں حق بجانب تھے، مگر اختلاف کے خیال سے فوراً اعلان کردیا، لوگو جس کو میں نے فتویٰ دیا ہو اس کو ابھی ٹھہر جانا چاہیے امیرالمؤمنین آتے ہیں انکی اقتدا کرنی چاہیے،[1]

مخصوص فضائل | ان مذکورہ فضائل کے علاوہ بعض مخصوص فضائل ایسے تھے جو ان کے لیے طغرائے امتیاز ہیں، ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ محمدؐ تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کرو، آپ نے فرمایا بشریٰ یعنی بشارت ہو، اس نے کہا "بشارت ہو چکی" کچھ دلواؤ، اس جاہلانہ جواب سے چہرۂ مبارک پر برہمی کے آثار نمایاں ہوگئے، پھر حضرت بلالؓ اور ابوموسیٰؓ سے کہا کہ اس نے بشارت سے انکار کردیا، تم دونوں قبول کرو، عرض کیا زہے نصیب، پھر ایک برتن میں پانی منگا کر اس میں ہاتھ منہ دھویا اور کلی کرکے ان دونوں کی طرف بڑھایا کہ اس کو پیو اور سینہ اور چہرہ پر ملو، انھوں نے اس آب حیات کو پیا اور سینہ اور چہرہ پر ملا، حضرت ام سلمہؓ پردہ کی آڑ سے دیکھ رہی تھیں، آواز دی تھوڑا میرے لیے بھی، چنانچہ اس شراب طہور کے چند جرعے انکو بھی ملے،[2] بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی ہے، مگر یہ بشارت کیا تھی؟ اور اس شراب طہور میں کیا نشہ تھا؟ اس کا جواب عشق و محبت کی زبان سے سننا چاہیے،

غزوۂ حنین کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعامر کو ایک دستہ کے ساتھ اوطاس روانہ کیا، ابوموسیٰؓ کو بھی ان کی شرکت کا حکم ملا، اوطاس میں مشرکین کا مقابلہ ہوا، ابوعامر سخت زخمی ہوئے، ابوموسیٰؓ نے قاتل کا تعاقب کرکے اس کو قتل کیا، پھر لوٹ کر ابوعامر کے

---

[1] مسلم کتاب الحج باب فی نسخ التحلل من الاحرام و الامر بالتمام

[2] مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی موسیٰؓ،

Marfat.com

گھٹنے سے تیر نکالا زخم سے خون جاری ہوگیا، زخم کاری تھا بچنے کی امید نہ تھی، ابو موسیٰؓ سے کہا میری طرف سے حضور انورؐ کی خدمت میں سلام کے بعد دعائے مغفرت کی درخواست کرنا، یہ کہکر ابو عامر واصل بحق ہوگئے، حضرت ابو موسیٰؓ نے لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا پیام پہنچا دیا، آپ نے وضو کر کے ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کی، حضور میرے لئے بھی دعا فرمائیں، آپ نے دعا فرمائی، خدایا عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ) کے گناہوں کو بخشدے، اور قیامت کے دن ان کا معزز اور شریفانہ داخلہ فرما[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام، نسب، خاندان عمار نام، ابو الیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی،[2]

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈالدی، اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نام سے شادی کرلی جس سے حضرت عمارؓ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمارؓ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف و محبت سے اپنے ساتھ رکھا،[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ اوطاس [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمار بن یاسرؓ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷،

اسلام

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا حضرت عمارؓ اور حضرت صہیب ابن سنانؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقمؓ بن ابی ارقمؓ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے "پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو" میں نے کہا "محمدؐ سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں" بولے "میرا بھی مقصد یہی ہے" غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقیِ اسلامؐ کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمارؓ جس وقت ایمان لائے، تو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔[2] یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے جنھوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔[3]

حضرت عمارؓ گو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہؓ اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنا لیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریگ میں لٹایا، دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷، [2] بخاری باب فضائل الصدیقؓ، [3] فتح الباری جلد ۷ ص ۱۷۱ و اسد الغابہ جلد ۴ ص ۴۴

تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود وہ ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کرسکے۔[1]

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور بھائی حضرت عبداللہؓ بھی اسی گرداب اذیت میں جاں بحق ہوئے۔[2]

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمارؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا، "اے آگ! تو ابراہیمؑ کی طرح عمارؓ پر ٹھنڈی ہوجا"، اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندانِ یاسرؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے، "اے آلِ عمارؓ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے"۔[3]

ایک دفعہ حضرت یاسرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی ارشاد ہوا، "صبر کرو، صبر کرو"! پھر دعا فرمائی "اے خدا! آلِ یاسر کو بخش دے"۔[4]

ایک دفعہ مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہوگئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفاکاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلو خلاصی ہوگئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کردیا، دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "عمار! کیا خبر ہے؟" عرض کی، "یا رسول اللہ! نہایت ہی بری خبر ہے" آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۰۰، [2] اصابہ تذکرہ سمیہؓ ام عمارؓ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۸

[4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۷

Marfat.com

مین کلمات خیر استعمال نہ کئے،" ارشاد ہوا، "تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟" عرض کی "میرا دل ایمان سے مطمئن ہے۔" سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھون سے آنسو کے قطرے پوچھے، اور فرمایا "کچھ مضائقہ نہین اگر یہ پھر ہو تو پھر ایسا ہی کرو" اس کے بعد ہی قرآن پاک مین یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ	جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ
وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ	جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے
(نحل - ۱۴)	(اس سے کوئی مواخذہ نہین)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ "کیا قریش مسلمانون کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائین؟" بولے "خدا کی قسم ہان! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہان تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ اسی حالت مین وہ جو کچھ چاہتے تھے عقیدہ کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے"[2] غرض حضرت عمارؓ بھی انہین ثابت قدم بزرگوارون مین تھے جنھون نے راہِ خدا مین صبر و استقامت کے ساتھ گوناگون مصائب اور مظالم برداشت کئے لیکن آئینۂ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم مین جن لوگون نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی وہ بیان کرتے ہین کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیرین اُبھی ہوئی رنگ اور دہکتے ہوئے انگارون کے داغ ان کی پیٹھ مین موجود تھے۔[3]

ہجرت ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق اربابِ سِیر مین اختلاف ہے، بعضون کا خیال ہے کہ

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص۱۸۲ [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمارؓ [3] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص۱۷۷۔

Marfat.com

وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمارؓ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہؓ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرادیا، اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا،[1]

تعمیر مسجد | مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبویؐ کی بنا ڈالی گئی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو جوش دلانے کیلئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمارؓ اینٹ گارا لا لا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا،

نحن المسلمون نبتنی المساجد[2] ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں،

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کرکے فرمایا افسوس عمار! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا،[3] تم اسے خدا کی طرف دعوت دوگے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا،[4]

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اٹھے "آج عمار مر جائیں گے، آج عمار مر جائیں گے"! وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کرچکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینکدیں اور فرمایا، افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا،[5]

غزوات | غزوۂ بدر سے غزوۂ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۷۹ [2] ایضاً [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۰۸ [4] بخاری جلد ۱
[5] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۸۱

Marfat.com

وشجاعت کیساتھ حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، عہدِ صدیقی کی اکثر خونریز جنگوں مین بھی خوب دادِ شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہین کہ یمامہ کی جنگ مین ان کا ایک کان شہید ہوگیا جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رخ کرتے تھے صفین کی صفین تہ وبالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانون کے پاؤن پیچھے پڑنے لگے، انھون نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہوکر للکارا، اے گروہِ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ مین عمار بن یاسر ہون، آؤ میرے پاس آؤ[1]، اس صدا نے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکایک سنبھل کو ٹوٹ پڑے،

کوفہ کی حکومت | خلیفۂ دومؓ نے ۲۱ھ مین ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہلِ کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا،

امابعد فانی بعثت الیکم عمار بن	امابعد! مین عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو
یاسر امیرا وابن مسعود معلما ووزیرا	معلم اور وزیر مقرر کرکے بھیجتا ہون، خزانہ کا اہتمام
وقد جعلت ابن مسعود علی بیت	وانصرام بھی ابن مسعود کے متعلق کیا ہے، یہ دونون
مالکم وانھما لمن النجباء من اصحاب	(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان شریف اصحاب
محمد من اھل بدر فاسمعوا لھما	مین سے ہین جو غزوۂ بدر مین شریک تھے، اس لئے
واطیعوا واقتدوا بھما وقد اثرتکم	ان دونون کی فرمان برداری اطاعت اور
بابن ام عبد علی نفسی وبعثت عثمان	پیروی کرو، مین نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن
بن حنیف علی السواد ورزقتھم کل	مسعودؓ) کو اپنے سے الگ کرکے تمھارے پاس
یوم شاۃ فاجعل شطرھا وبطنھا	بھیجکر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۱،

Marfat.com

لعمار والشطر الباقی بین هولاء الثلاثة[1]

حنیف کو عراق (کی پیمایش) پر مامور کرکے بھیجا ہوں اور ان کے رسد کے لیئے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیئے مخصوص رہیگا، اور باقی حصے ان تینوں مین منقسم ہونگے،

حضرت عمارؓ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیداد مغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے، لیکن اسی اثنا مین اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسون کو ان سے ناراض کردیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے،

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والون کی طرف سے دربار خلافت مین درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماسبذان کا پرگنہ بصرہ مین شامل کردیا جائے، کوفہ والون کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسرؓ والی کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کرین اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعوی پیش کرین، کیونکہ ان دونون کو اہل بصرہ کی اعانت و امداد کے بغیر ہم لوگون نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمارؓ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹالدیا، اور فرمایا "مجھے ان جھگڑون کی کیا ضرورت ہے؟" اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضبناک ہوکر کہا "او کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمارؓ صرف یہ کہکر خاموش ہو رہے "افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی[2]،،

غرض حضرت عمارؓ نے اس معاملہ مین بالکل غیر جانبداری اختیار کرلی، اور کوفہ والون کے

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۰۲، [2] تاریخ طبری ص ۲۶۷۷،

احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہلِ کوفہ کے دلوں میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا اور امیر المومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دارالخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کئے گئے،[1] حضرت عمرؓ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریقِ عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں[2]"

تحقیقات پر مامور ہونا خلیفۂ ثالثؓ کے عہدِ حکومت میں تمام ملک شورش و فتنہ پردازی کا آماجگاہ ہو گیا، ۳۵ھ میں خلیفۂ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمار بن یاسرؓ بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصلی مرکز صوبۂ مصر کی طرف روانہ کئے گئے،

خلیفۂ ثالثؓ سے اختلاف تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آکر قابلِ اطمینان رپورٹ پیش کر دی، لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، اور دارالخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کر دی، اس خط کے فقرے یہ ہیں:

ان عمار اقد استماله قوم بمصر وقد انقطعوا	عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنا لیا ہے
الیه منهم عبد الله بن السوداء وخالد	اور ان میں سے عبداللہ بن السوداء اور خالد بن ملجم،
بن ملجم وسودان بن حمران وكنانه بن بشر	سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۷۷، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۳،

جاسلے ہین[1]

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات مین نمایان تھا[1]، عام مجمعون مین علانیہ حضرت عثمانؓ کے طرز حکومت اور عمال کی بے اعتدالیون پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہان تک کہ اسی حالت مین کبھی کبھی طرفداران خلافت سے جھڑپ بھی ہوگئی، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلامون نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کرگیا، شکم مین خراش آگئی، اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت مین حلف وموالات کا تعلق تھا یہ سنکر کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر اس صدمہ سے جانبر نہ ہون گے تو ہم ضرور انتقام لین گے[2]،

اس قسم کے واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہان تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کردین تو انھون نے صاف انکار کردیا[3]، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی مین شریک تھے،

سفارتِ کوفہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار گران حضرت علیؓ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمارؓ کو ان سے جو خاص انس وخلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہماتِ امور مین وہ ان کے دست وبازو ثابت ہوئے، حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کرکے جنگی تیاریون کے لئے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفۂ چہارمؓ کے حکم سے وہ حضرت امام حسنؓ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ وحمایت پر آمادہ کرین،

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۹۴۳ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۴۳۴ [3] طبری

Marfat.com

حضرت عمارؓ کوفہ پہونچے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان کر رہے تھے، حضرت امام حسنؓ نے ان سے فرمایا: "تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ،" اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پرجوش تقریر کی[1] حضرت عمارؓ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا، "صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ عائشہؓ دنیا اور آخرت میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمایش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمان برداری کرتے ہو یا عائشہؓ کا ساتھ دیتے ہو،"[2] حجر بن عدی نے حضرت عمارؓ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازسپاہیوں کی ایک فوج گران حضرت عمارؓ کے ساتھ ہو گئی[3]

جنگ جمل | ماہ جمادی الاخری ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں، حضرت زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمارؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو انھیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حق عمارؓ کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اسی وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے،

جمعرات کے روز جنگ شروع ہوئی حضرت عمارؓ میسرہ پر متعین تھے، چونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوسناک جنگ کا خاتمہ ہوا[4]

جنگ صفین | جنگِ جمل کے بعد امیر معاویہؓ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمارؓ اس جنگ میں بھی حضرت علیؓ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایتِ حق کے

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۴۶، [2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۵ [3] اخبار الطوال ص ۱۴۷، [4] ایضاً ص ۹۴،

Marfat.com

جوش نے اکانوے برس کے بڈھے کو شجاعت وجانبازی کا مجسم پتلا بنادیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے صفین کی صفین درہم برہم کردیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ مین حضرت امیر معاویہؓ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظر پڑی تو بولے «مین اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت مین لڑچکا ہون، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کردین جب بھی مین یہی سمجھونگا کہ ہم لوگ حق پر ہین، اور وہ غلطی پر۔ [1]»

شہادت | ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہورہا تھا اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمارؓ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کرکے بولے «رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لیئے دنیا کا آخری توشہ ہے» اور کہتے ہوئے غنیم کی صف مین گھس گئے کہ «آج مین اپنے دوستون سے ملون گا، آج مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملون گا۔» [2] کچھ ایسے عزم و استقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہوگیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہوکر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، لیکن اسی حالت مین ابن الغاویہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کرکے زمین پر گرادیا، اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کردیا، یہ دونون قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار مین پہنچے، کیونکہ ان مین کا ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ حاضر دربار تھے، انھون نے کہا، «خدا کی قسم یہ دونون جہنم کے لئے جھگڑ رہے ہین» امیر معاویہؓ نے برہم ہوکر کہا «عمرو! تمھاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لیئے اپنی جانین قربان کررہے ہین، ان کو ایسا کہتے ہو» بولے خدا کی قسم ایسا ہی ہے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۵، [2] ایضاً ص ۱۸۴،

Marfat.com

کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی[1]"

حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے یہ کہکر تسلی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدانِ جنگ میں لائی[2]"

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگِ جمل اور معرکۂ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرارؓ کا ساتھ دینا چاہیئے، چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچکر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی[3]، اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہؓ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہو گئے،

تجہیز و تکفین حضرت علیؓ نے اپنے مونس و جان نثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچکر فرمایا، "خدا نے عمارؓ پر رحم کیا جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے اور خدا ان پر رحم کرے گا جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہؓ کو اعلانِ ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا، عمارؓ اور حق لازم و ملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا"، اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اس حامیِ حق کو زیر زمین پنہان کر دیا، انا للہ وانا[4]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۵ [2] ایضاً ص ۱۸۰ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۰ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۴ [4] ایضاً ص ۱۸۶،

Marfat.com

الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابی رسول کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا[1]

اخلاق حضرت عمارؓ کا معدنِ اخلاق گرانمایہ جواہر سے لبریز تھا جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و کم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرفدار بنا دیا[2]

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ فرشِ خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع میں بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا، "ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں"، غرض وہاں پہنچکر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے[3]

عہدِ فاروقی میں کوفہ کے والی تھے لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جاکر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیرہن میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہو کر کہا "اے فاسق کیا تو امیر المومنین کی مذمت کر رہا ہے؟" میرے دوست نے عفو خواہی کر کے کہا "ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں" اس وقت میں نے پہچانا کہ عمار بن یاسرؓ ہیں[4]

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۲، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۳، [3] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۸۲

Marfat.com

حضرت عمارؓ کا ہر ایک قدم صرف خدا ے پاک کی خوشنودی و رضامندی کی راہ مین اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوۂ صفین مین بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علیؓ کے زیر علم لاکر کھڑا کیا، صفین کی نوجلکشی مین ساحل فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے اور بار بار کہتے جاتے تھے "اے خدا! اگر مین جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ مین جلکر یا پانی مین ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، مین لڑنے جاتا ہون لیکن اس مین بھی تیری رضاجوئی مقصود ہے، امید ہے کہ تو مجھے اس مقصد مین ناکام نہ رکھے گا"[1] آپ کی اخلاقی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "عمار کے رگ و پے مین ایمان سرایت کئے ہوے ہے" اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے[2]،

مذہبی زندگی حضرت عمارؓ کو خداے واحد کی عبادت و پرستش مین خاص لطف حاصل ہوتا تھا، رات رات بھر نماز اور وظائف مین مشغول رہتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہین کہ یہ آیت

امن ھو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما یحذر الاخرۃ ویرجو رحمۃ ربہ (زمر ۱۲)	کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کرکے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کیمن نافرمان بندون کے برابر ہو سکتا ہے)

حضرت عمارؓ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے[3]، خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کرکے بیٹھ رہے، لوگون نے پوچھا کہ آپنے اس قدر عجلت کیون کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۴ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۳ [3] ایضاً جلد ۳ ص ۳۸۷،

Marfat.com

سے مسابقت کرنا پڑی[1]، معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا "ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے"[2]

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورۂ یٰسین تلاوت فرماتے تھے[3]، خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز و اختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے"[4]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گو ان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے[5]،

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاصؓ

نام ونسب | عبداللہ نام، ابو محمد اور ابو عبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام عمرو بن العاصؓ اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:- عبداللہؓ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی[6]،

اسلام | حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاصؓ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۷۳، [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۲ [4] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۶۳، [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۸۹، [6] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۳

Marfat.com

مصاحبتِ رسول | وہ دربارِ نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں، آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجئے" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا کہ "تم لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میری زبان سے صرف حق ہی نکل سکتا ہے"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے جو وقت بچا تھا وہ تمام تر یادِ حق میں صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا، اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ شغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے دربارِ نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا "عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے"[2]

غزوات | عہدِ نبوت کے بعض غزوات میں شریک تھے، جہاد و فوج کشی کے موقع پر عموماً سواری و باربرداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا: "ابو محمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم و دینار کا چلن نہیں ہیں، مویشی اور جانور ہمارا وسیلہ مال و اسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ، گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید و فروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں ہے؟" فرمایا تم

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۲ [2] ایضاً ص ۱۵۸،

Marfat.com

ایک واقف کار شخص کے پاس آئے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ستر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے جن کے پاس کوئی سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی "یا رسول اللہ! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی" ارشاد ہوا کہ "ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو، تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ خرید لو" چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لیے[1]

جنگ یرموک یرموک کی عظیم الشان جنگ میں نہایت جانبازی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس جنگ میں اپنا علم قیادت ان کے ہاتھ میں دیدیا تھا[2]

واقعہ صفین حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے، اس لیے جب واقعہ صفین پیش آیا تو انھوں نے حضرت عبد اللہؓ کو امیر معاویہؓ کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کیا، لیکن درحقیقت وہ اس خانہ جنگی سے سخت متنفر تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جنگ میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیا اور بار بار اپنے والد کو اس سے کنارہ کش ہونے کا مشورہ دیا[3]

حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت علیؓ کی طرف سے سرگرم پیکار تھے، وہ شہید ہوئے تو حضرت عبد اللہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یاد آگئی اور اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا "کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ افسوس! ابن سمیہ کو گروہ باغی قتل کرے گا؟" حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر معاویہؓ کی طرف دیکھ کر کہا، آپ نہیں سنتے عبد اللہ کیا کہہ رہے ہیں، امیر معاویہؓ نے تاویل کرتے ہوئے کہا، یہ ہمیشہ ایک نیا طرفہ لے کر آتے ہیں، کیا عمار کے

---

[1] دار قطنی، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۴۳، [3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

Marfat.com

کو ہم نے قتل کیا ہے؟ درحقیقت ان کے قتل کی ذمہ داری اس پر ہے جو ان کو اپنے ساتھ لایا"[1]

حضرت عمار بن یاسرؓ پر دو آدمیوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، وہ دونوں جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کے دربار میں آئے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس کارنامہ کو تنہا اپنی طرف منسوب کرتا تھا حضرت عبد اللہ بن عمروؓ حاضر دربار تھے، انھوں نے کہا، "تم میں سے کسی کو بخوشی اپنے فریق کا دعویٰ تسلیم کر لینا چاہئے، کیونکہ میں نے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عمار کو گروہ باغی قتل کرے گا" امیر معاویہؓ نے برہم ہو کر ان کے والد سے کہا، "عمرو! تم اپنے اس مجنون کو مجھ سے الگ نہیں کر دگے؟" اور خود ان سے کہا، "اگر ایسا ہے تو تم کیوں میرے ساتھ ہو؟" حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے جواب دیا، "میں صرف اس لئے آپ کے ساتھ ہوں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک زندہ رہنا اپنے باپ کے مطیع و فرمان بردار رہنا"[2]

گو اس خانہ جنگی میں حضرت عبد اللہؓ کا دامن قتل و خون ریزی سے ملوث نہیں ہوا تاہم وہ اس نام نہاد شرکت پر بھی سخت نادم و پشیمان تھے، نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے "میں اور صفین میں، اور مسلمانوں کی خونریزی، کاش! اس سے بیس سال پہلے میں دنیا سے اٹھ گیا ہوتا"[3]

اعتذار حضرت رجاؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبویؐ میں ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، عبد اللہ بن عمروؓ اور ابو سعید خدریؓ بھی موجود تھے، عبد اللہ بن عمروؓ نے (حضرت امام) حسین بن علیؓ کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا، "کیا تمھیں اس شخص سے آگاہ نہ کروں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟" لوگوں نے کہا "کیوں نہیں؟" فرمایا "وہ یہ ہے

---

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۶۱ [2] ایضاً ص ۲۰۶ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴

Marfat.com

جو تمہارے سامنے نقل رہا ہے، واقعۂ صفین کے بعد سے اس سے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، حالانکہ اس کی خوشنودی میرے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے، ابو سعید خدریؓ نے کہا وہ کیا آپ ان سے مل کر عذر خواہی نہ کریں گے؟، بولے کیوں نہیں؟، دوسرے روز ابو سعید خدریؓ کو ساتھ لیکر عذر خواہی کے لئے تشریف لے گئے، حضرت امام حسینؓ کو ان سے ملنے میں پس و پیش تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اصرار کے بعد اندر آنے کی اجازت حاصل کی اور واقعۂ صفین میں اپنی شرکت کی عذر خواہی کرتے ہوئے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق میں اپنے والد کی اطاعت پر مجبور تھا، لیکن خدا کی قسم! میں نے اس جنگ میں نہ تو اپنی تلوار برہنہ کی، نہ نیزہ سے کسی کو زخمی کیا اور نہ کوئی تیر چلایا۔[1]

وفات | ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھر ہی میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا،[2]

حلیہ | یہ تھا قد بلند بالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے،

علم و فضل | حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے طبقۂ صحابہؓ میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انھوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت و انجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ تک کو اعتراف تھا کہ عبداللہ ابن عمروؓ کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے لکھتے

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶،

Marfat.com

لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔[۱]

مجموعۂ حدیث کے پہلے مدون انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و ملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا، جس کا نام صادقہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے متعلق انھین زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو وہ اس مین دیکھکر جواب دیتے تھے، ابو قبیل فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مین نے پوچھا کہ "قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟" ان کو زبانی یاد نہ تھا، انھون نے صندوق منگا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ کسی نے یہی سوال کیا، ارشاد ہوا کہ ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا۔[۲]

حضرت عبد اللہ رضی اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، مجاہد بیان کرتے ہین کہ ایک مرتبہ مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا، انھون نے منع کیا، مین نے کہا، آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ صحیفۂ صادقہ ہے جس کو مین نے تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنکر جمع کیا تھا، پھر فرمایا اگر یہ صحیفہ اور قرآن اور وہط کی جاگیر مجھکو دیدیجائے تو پھر مجھکو دنیا کی کچھ پروا نہ ہو۔[۳]

مرویات کی تعداد حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے جس مین ۱۷ بخاری اور مسلم دونون مین ہین، ان متفق علیہ حدیثون کے علاوہ ۸ بخاری مین ہین اور ۲۰ مسلم مین ہین۔[۴]

حلقۂ درس حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے تحصیلِ حدیث کے لئے ان کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، اور وہ جہان پہنچ جاتے

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [۲] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۷۶، [۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۳۴ [۴] تہذیب ص ۲۰۸،

تھے شایقینِ علم کا ایک مجمع ان کے گرد وپیش ہو جاتا تھا، ایک نخعی شیخ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ایلیا کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص میرے پہلو میں آکر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ یہی ہیں۔[1]

وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے روکا تو فرمایا، اس کو آنے دو، غرض وہ ان کے پاس آکر بیٹھا اور بولا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے خرمنِ علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی کیونکہ ان کے حلقۂ درس میں نسبتہً بصرہ والوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔[3]

اربابِ علم کی قدر شناسی وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے، تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔[4]

اخلاق حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے زہد و تقویٰ اور کثرتِ عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے، طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے بلا کر فرمایا، عبداللہ

[1] مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۸، [2] ایضاً ص ۱۹۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳، [4] مسلم باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ،

Marfat.com

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے اور رات عبادت مین بسر کرو گے،، بولے "ہان! یا رسول اللہ (بابی انت وامی) فرمایا کہ "تم اس کی طاقت نہین رکھتے روزہ رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، مہینہ مین صرف تین روزے رکھا کرو کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے،، عرض کی "یا رسول اللہ! مین اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہون،، ارشاد ہوا کہ "ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو،، بولے "مین اس سے بھی زیادہ رہ سکتا ہون،، حکم ہوا کہ "ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزون کی بہترین صورت ہے،، عرض کی "مین اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہون،، ارشاد ہوا کہ "اس سے بہتر کوئی روزہ نہین[1]،،

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہین، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی کے پاس تشریف لیجاتے اور ان کو تاکید فرماتے کہ شوقِ عبادت مین حقوقِ عباد کو بھول نہ جائین، فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر پر تشریف لاکر فرمایا کہ "روزے رکھو اور افطار کرو، نمازین پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمھارے جسم کا، تمھاری آنکھون کا، تمھارے اہل وعیال کا اور تمھارے دوستون کا تم پر حق ہے"، مین نے عرض کی "داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟، ارشاد ہوا کہ "نصف عمر[2]"

غرض انھون نے تمام عمر روزون مین حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی، اور رات کا اکثر حصہ عبادت مین بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے

---

[1] بخاری باب صوم الدہر [2] ایضاً باب حق الجسم فی الصوم،

Marfat.com

تھے لیکن اخیر عمر میں جب کہ قویٰ مضمحل ہوگئے تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی، فرمایا کرتے تھے "کاش! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت قبول کرلیتا"[1]

ذریعہ معاش | حضرت عبد اللہ بن عمرو کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت سے خدم وحشم ملے تھے، طائف میں وہنط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا[2]، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی[3]، ایک مرتبہ عنبسہ بن ابی سفیان سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہوگیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت وخون کی تیاریاں ہوگئی تھیں، خالد بن العاصؓ حضرت عبد اللہؓ کو سمجھانے کے لئے آئے تو انھوں نے جواب دیا، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے"[4]

حضرت صہیب بن سنانؓ

نام ونسب | صہیب نام، ابو یحییٰ کنیت، والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سلمیٰ بنت قعید تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، صہیب بن سنان بن مالک بن عبد عمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن جذیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس مناۃ بن النمر بن قاسط بن ہنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار الربعی النمری،[5]

ابتدائی حالات | حضرت صہیبؓ کا اصلی وطن ایک قریہ تھا جو باختلاف روایات موصل کے قریب لب دجلہ یا الجزیرہ میں واقع تھا، ان کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے عامل تھے،

[1] بخاری باب حق الجسم فی الصوم [2] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۴۳ [4] مسند احمد جلد ۲ ص ۲۰۶ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰

Marfat.com

انھون نے ابھی دنیا کی صرف چند بہارین دیکھی تھین کہ رومی نوجوانون نے ابلہ پر چڑھائی کی، اور دوسرے مال و اسباب کے ساتھ اس نونہال کو بھی ساتھ لے گئے، شان کے چمن زار پر اس گل سر سبد کی فرقت ان سے خزان آگئی، ان کی بن امیہ اور چچا لبید نے ان کی تلاش و جستجو مین دنیا کی خاک چھان ڈالی، تمام مجامع، میلون اور موسمی بازارون کا جائزہ لیا لیکن اس یوسف گم گشتہ کا کہین سراغ نہ لگا،[1]

وہ رومیون ہی مین پرورش پاکر جوان ہوئے، بنی کلب نے ان کو خرید کر مکہ پہنچایا، وہان سے عبد اللہ بن جدعان نے کر آزاد کر دیا[2] لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے، اور عبد اللہ سے صرف حلیفانہ تعلق تھا، غرض وہ مکہ مین اس کی زندگی تک اس کے ساتھ رہے،[3]

اسلام | مکہ مین اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو تفتیش و تحقیق کے خیال سے آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے، اتفاق سے حضرت عمارؓ بھی اسی خیال سے آرہے تھے، انھون نے ان کو دیکھ کر پوچھا، تم کس ارادہ سے آئے ہو؟، بولے پہلے تم اپنا مقصد ظاہر کرو، انھون نے کہا، مین محمدؐ سے مل کر ان کی گفتگو سننا چاہتا ہون، بولے "میرا بھی یہی مقصد ہے"، غرض دونون ایک ساتھ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے،[4] حضرت صہیبؓ پہلے رومی تھے جنھون نے صدائے توحید کو لبیک کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ صہیب روم کا پہلا پھل ہے، آپ اس وقت ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین تھے، اور تیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ اس دائرہ مین داخل ہو چکے تھے جن مین اکثرون نے مشرکین کے خوف سے اس کو ظاہر نہین کیا تھا،[5]

---

[1] اصابہ جلد ۳ تذکرہ صہیب بن سنانؓ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۷ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۱ [4] اسد الغابہ جلد ۳ تذکرہ عمار بن یاسرؓ [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۲،

Marfat.com

ابتلاء و استقامت | حضرت صہیبؓ گو غریب الوطن تھے اور اس سرزمینِ کفر میں ان کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، تاہم غیرتِ ایمان نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا، انھوں نے ابتدا ہی میں اپنے تبدیلِ مذہب کا حال ظاہر کر دیا اور راہِ خدا میں گوناگوں مصائب و مظالم برداشت کئے لیکن استقامت، صبر اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔[1]

ہجرت | حضرت صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے، انھوں نے رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد فرمایا، تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِ راہ ہوئے اور بولے "تم ہمارے یہاں مفلس و محتاج آئے تھے، مکہ میں رہ کر دولت و ثروت جمع کی، اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لئے جاتے ہو، خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا" حضرت صہیبؓ نے اپنا ترکش دکھا کر کہا "اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں، خدا کی قسم جب تک اس میں ایک تیر بھی ہے تم میرے قریب نہیں آسکتے، اس کے بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، ہاں اگر مال و دولت چاہتے ہو تو کیا اس کو لے کر میرا راستہ چھوڑ دو گے؟" مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اور حضرت صہیبؓ اپنے مال و منال کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ پہنچے،[2] حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی حاضرِ دربار تھے، کھجوروں کا نقل ہو رہا تھا کہ حضرت صہیبؓ پہنچے اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر اس پر ٹوٹ پڑے، چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا "یا رسول اللہ آپ صہیب کو ملاحظہ نہیں فرماتے کہ آشوبِ چشم کے باوجود کھجوریں کھا رہے ہیں" آپ نے فرمایا "صہیب! تمہاری آنکھ جوش کر آئی ہے اور تم کھجوریں کھاتے ہو؟" مزاج نہایت بذلہ سنج تھا، بولے "میں صرف اپنی ایک تندرست

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۲ [2] ایضاً ص ۱۶۳

Marfat.com

آنکھ سے کھاتا ہوں" اس حاضر جوابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار ہنس پڑے، [1]

جب بھوک کی شدت کسی قدر رفع ہوئی تو شکوہ وشکایت کا دفتر کھلا، حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگے کہ آپنے باوجود وعدہ مجھے شریکِ سفر نہ فرمایا، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! آپنے بھی خیال نہ فرمایا، قریش نے مجھے تنہا دیکھ کر روک رکھا، بالآخر تمام دولت وثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضر ہوا، [2] ارشاد ہوا "ابو یحییٰ! تمھاری تجارت پُر منفعت رہی" اس کے بعد ہی قرآن پاک نے اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی، [3]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ، (بقرہ)	لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کیلئے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں،

حضرت صہیبؓ مدینہ میں حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت حارث بن الصمہ انصاریؓ سے مواخات ہوئی، [4]

غزوات تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے، عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کرکے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی دلچسپ داستان سنایا کرتے تھے،

سہ روزہ خلافت حضرت عمرؓ ان سے نہایت حسن ظن رکھتے تھے اور خاص لطف ومحبت کے ساتھ پیش آتے تھے، انھوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت صہیبؓ ہی ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک مسئلہ خلافت کا فیصلہ نہ کریں وہ امامت کا فرض انجام دیں چنانچہ انھوں نے تین دن تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس فرض کو

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۹، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۱۶۲ [3] ایضاً مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۹۸ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۳،

Marfat.com

انجام دیا،[1]

وفات | ۳۸ھ میں پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا، ۷۰ برس کی عمر میں وفات پائی اور بقیع کے گورِ غریبان میں مدفون ہوئے،[2]

اخلاق | حضرت صہیبؓ سرچشمۂ اخلاق سے بہت زیادہ مستفیض ہوئے تھے، فرماتے ہین کہ نزولِ وحی سے پہلے ہی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا فخر حاصل تھا،[3] اس بناپر ان مین تمام اوصاف حسنہ مجتمع ہوگئے تھے، حسن خلق، فضل وکمال کے ساتھ حاضر جوابی، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے ان کی صحبت کو نہایت پُرلطف بنادیا تھا،[4]

مہمان نوازی، سخاوت وغربا پروری مین نہایت کشادہ دست تھے، یہان تک کہ لوگون کو اسراف کا دھوکا ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا، صہیب! تمھاری باتین مجھے ناپسند ہین، اوّل یہ کہ تم نے ابویحییٰ اپنی کنیت قرار دی، جو ایک پیغمبر کا نام ہے اور اس نام کی تمھاری کوئی اولاد نہین، دوسرے اسراف کرتے ہو اور تیسرے یہ کہ اپنے کو عرب کہتے ہو" بولے "یہ کنیت میری نہین بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز کردہ ہے، رہا اسراف تو اس مین میرا اساسِ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے خیارکم من اطعم الطعام ورد السلام (یعنی تم لوگون مین سب سے بہتر وہ ہے جو لوگون کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے) امر سوم کا جواب یہ ہے کہ مین درحقیقت عرب ہون چونکہ رومیون نے بچپن ہی مین مجھے غلام بناکر اہل عیال سے جدا کر دیا اس لئے مین اپنے خاندان اور قوم کو بھول گیا،[5]

حلیہ | حضرت صہیبؓ کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک کوتاہ، چہرہ نہایت سرخ، سر کے

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۳ [2] ایضاً [3] استیعاب تذکرہ صہیبؓ [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۲، [5] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶،

Marfat.com

بال گھنے، زمانۂ پیری میں مہندی کا خضاب کرتے تھے[1] زبان میں لکنت تھی، ایک دفعہ وہ اپنے ایک باغ میں یحنس غلام کو نیاس، نیاس کہہ کر پکار رہے تھے، حضرت عمرؓ نے سنا تو تعجب سے پوچھا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے جو لوگوں کو پکار رہے ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی وہ لوگوں کو نہیں پکارتے بلکہ اپنے غلام یحنس کو پکار رہے ہیں، لیکن لکنت کی وجہ سے اس نام کو ادا نہیں کر سکتے[2]۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ

نام، نسب مصعب نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام عمیر اور والدہ کا نام خناس بنت مالک تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی القرشی[3]،

ابتدائی حالات حضرت مصعبؓ مکہ کے ایک نہایت حسین و خوشرو نوجوان تھے، ان کے والدین ان سے نہایت شدید محبت رکھتے تھے، خصوصاً ان کی والدہ خناس بنت مالک نے مالدار ہونے کی وجہ سے اپنے لختِ جگر کو نہایت ناز و نعم سے پالا تھا، چنانچہ وہ عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ میں میسر آسکتی تھی استعمال فرماتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کا تذکرہ کرتے تو فرماتے، مکہ میں مصعب سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے[4]،

اسلام خدائے پاک نے حسن ظاہری، سلامتِ ذوق اور طبع لطیف کے ساتھ آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ توحید کے دلربا خط و خال نے شرک سے متنفر کر دیا اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اس کے شیدائیوں میں داخل ہو گئے، یہ وہ زمانہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ۱۶۱ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۲ [3] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیرؓ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ۸۲،

Marfat.com

تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین تھے اور مسلمانوں پر مکہ کی سرزمین تنگ ہو رہی تھی، اس بنا پر حضرت مصعبؓ نے ایک عرصہ تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا اور چھپ چھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، لیکن ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی ماں اور خاندان والوں کو خبر کر دی، انھوں نے سنا تو محبت نفرت سے متبدل ہو گئی اور مجرم توحید کے لئے شرک کی عدالت نے قید تنہائی کا فیصلہ سنایا،[1]

ہجرت حبشہ حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک قید کے مصائب برداشت کرتے رہے، لیکن زندان خانہ کی تلخ زندگی نے بالآخر ترکِ وطن پر مجبور کر دیا، اور متلاشیانِ امن و سکون کے ساتھ سرزمینِ حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم و نازک کپڑوں کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تنعم کی فکر تھی، صرف جلوۂ توحید کے ایک نظارہ نے تمام فانی ساز و سامان سے بے نیاز کر دیا، غرض ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے، ہجرت کے مصائب سے رنگ و روپ باقی نہ رہا تھا، تو خود ان کی ماں کو اپنے نورِ نظر کی پریشان حالی پر رحم آگیا اور مظالم کے اعادہ سے باز آگئی،[2]

تعلیم دین و اشاعت اسلام اس اثنا میں خورشیدِ اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہِ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادیٔ یثرب تک پہنچ چکی تھیں اور مدینہ منورہ کے ایک معزز طبقہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، انھوں نے دربارِ نبوت میں درخواست بھیجی کہ ہماری تعلیم و تلقین پر کسی کو مامور فرمایا جائے، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ جوہر شناس نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا اور چند زرین نصائح کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا،[3]

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیر [2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۲ [3] ایضاً ص ۸۳،

Marfat.com

حضرت مصعبؓ مدینہ پہنچکر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر فروکش ہوئے اور گھر گھر پھر کر تعلیم قرآن و اشاعتِ اسلام کی خدمت انجام دینے لگے، اس طرح رفتہ رفتہ جب کلمہ گویون کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تو نماز و تلاوتِ قرآن کے لئے کبھی حضرت اسعدؓ کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے، ایک روز حضرت مصعبؓ حسب معمول بنی ظفر کے گھر مین چند مسلمانون کو تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلۂ عبد الاشہل کے سردار (حضرت) سعد بن معاذ نے اپنے رفیق (حضرت) اُسید بن حضیرؓ سے کہا، اس داعیٔ اسلام کو اپنے محلہ سے نکال دو جو یہان آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد اشخاص کو گمراہ کرتا ہے، اگر اسعد (میزبانِ حضرت مصعبؓ) سے مجھ کو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو مین تم کو اس کی تکلیف نہ دیتا،" یہ سن کر حضرت اسیدؓ نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعبؓ و اسعدؓ کے پاس آکر خشم آلود لہجہ مین کہا، "تمھین یہان کس نے بلایا ہے کہ ضعیف رائے والون کو گمراہ کرو؟ اگر تم کو اپنی جانین عزیز مین تو بہتر یہ ہے کہ ابھی یہان سے چلے جاؤ" حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا، "بیٹھ کر ہماری باتین سنو، اگر پسند آئے، قبول کرو ورنہ ہم خود چلے جائین گے، حضرت اُسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے سننے لگے، حضرت مصعبؓ نے چند آیاتِ کریمہ تلاوت کر کے اس خوبی کے ساتھ عقائد و محاسنِ اسلام بیان فرمائے کہ تھوڑی ہی دیر مین حضرت اسیدؓ کا دل نور ایمان سے چمک اٹھا اور بیتاب ہو کر بولے "کیسا اچھا مذہب ہے! کیسی بہتر ہدایت ہے!! اس مذہب مین داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟" حضرت مصعبؓ نے فرمایا پہلے نہا دھو کر پاک کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو، انھون نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی اور کلمہ پڑھ کر کہا، "میرے بعد ایک اور شخص ہے جس کو ایمان پر لانا ہو گا، اگر وہ اس دائرہ مین داخل ہو گیا تو تمام قبیلۂ عبد الاشہل اس کی پیروی کرے گا، مین ابھی اس کو آپ کے پاس بھیجتا ہون"

Marfat.com

حضرت اسیدؓ غیظ وغضب کے عوض عشق ومحبت کا سودا خرید کر اپنے قبیلہ میں واپس آئے
تو حضرت سعد بن معاذؓ نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا "خدا کی قسم اس شخص کی حالت میں ضرور
کچھ انقلاب ہو گیا ہے" اور جب قریب آئے تو پوچھا "کہو کیا کر آئے؟" بولے "خدا کی قسم وہ دونوں
ذرا بھی تو خوفزدہ نہ ہوئے، میں نے ان کو منع کیا تو وہ بولے کہ ہم وہی کریں گے جو تم پسند کروگے،
لیکن مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ بنی حارثہ اس وجہ سے اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں کہ وہ
تمہارا خالہ زاد بھائی ہے تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو" چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل میں دیرینہ
عداوت تھی اس لئے حضرت اسیدؓ کا افسون کارگر ہو گیا، حضرت سعد بن معاذؓ جوشِ غضب سے اٹھ
کھڑے ہوئے اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لئے دوڑے، لیکن جب یہاں پہنچکر
بالکل سکون واطمینان دیکھا تو سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونوں سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے
محض اشتعال دلایا ہے، غرض نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے مبدل ہو گیا اور خشمگین لہجہ میں بولے
"ابوامامہ خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہ ہوتا تو میں تمہارے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ
پیش آتا، محض کیونکر ہمارے محلہ میں علانیہ ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی جس کو ہم
سخت ناپسند کرتے ہیں، حضرت مصعبؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ پہلے ہماری باتیں سنو، اگر
پسند آئیں تو قبول کرو ورنہ ہم خود تم سے کنارہ کش ہو جائیں گے، حضرت سعدؓ نے اس کو منظور
کر لیا، تو انھوں نے ان کے سامنے بھی اس خوبی سے اسلام کا نقشہ پیش کیا کہ حضرت سعدؓ کا چہرہ
نورِ ایمان سے چمک اٹھا، اسی وقت مسلمان ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے اپنے قبیلہ والوں
کے پاس آئے اور بآواز بلند سوال کیا، "اے بنی اشہل! بتاؤ میں تمہارا کون ہوں؟" انھوں
نے کہا "تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو" بولے "خدا کی قسم تمہارے
مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا اور اس کے رسول

Marfat.com

پر ایمان نہ لاؤ، اس طرح عبد الاشہل کا تمام قبیلہ حضرت سعد بن معاذؓ کے اثر سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا۔[1]

حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مہمان رہے لیکن جب بنی نجار نے ان پر تشدد شروع کیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے مکان پر اٹھ آئے اور یہیں سے اسلام کی روشنی پھیلاتے رہے، یہاں تک کہ خطمہ، وائل اور واقف کے چند مکانات کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر روشن ہو گئے۔[2]

مدینہ میں جمعہ قائم کرنا مدینہ منورہ میں جب کلمہ گویوں کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہو گئی تو حضرت مصعبؓ نے دربارِ نبوت سے اجازت حاصل کر کے حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مکان میں جماعت کے ساتھ نمازِ جمعہ کی بنا ڈالی، پہلے کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا، پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی اور بعد نماز حاضرین کی ضیافت کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ میں ایک دفعہ برادرانِ اسلام کو باہم بغلگیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تحریک سے قائم کیا گیا۔[3]

بیعت عقبۂ ثانیہ عقبہ کی پہلی بیعت میں صرف بارہ انصار شریک تھے، لیکن حضرت مصعبؓ نے ایک ہی سال میں تمام اہلِ یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال تہتر ۷۳ کا بر ذائعیا کی پر عظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں مدعو کرنے کے لئے روانہ ہوئی، ان کے معلم دین حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی ساتھ تھے، انھوں نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے آستانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹ و خلاصۃ الوفا ص ۱۹۰ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳۹ و خلاصۃ الوفا ص ۱۹۱

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۸۳

Marfat.com

عرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت دلچسپی کے ساتھ تمام واقعات سنے اور ان کی محنت وجانفشانی سے بیحد محظوظ ہوئے،[۱]

حضرت مصعبؓ کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند کیا تو ایسے شہر میں آئے گا جس میں میں موجود ہوں اور تو پہلے مجھ سے ملنے نہ آئے؟"، انھوں نے جواب دیا "میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی سے ملنے نہیں جاؤں گا، حضرت مصعبؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے، اس نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے"، بولے "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین برحق اور اس اسلام کا پیرو ہوں جس کو خدا نے خود اپنے لئے اور اپنے رسول کے لئے پسند کیا ہے"۔ ماں نے کہا "کیا تم اس مصیبت کو بھول گئے جو تم کو ایک دفعہ سرزمین حبش میں برداشت کرنا پڑی اور اب یثرب میں سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونوں دفعہ تم نے غمخواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا"، حضرت مصعبؓ سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھ کو قید کرنے کی فکر میں ہے، چلا کر بولے "کیا تو جبراً کسی کو اس کے مذہب سے پھیر سکتی ہے؟ اگر تیرا منشاء ہے کہ پھر مجھ کو قید کر دے تو پہلا شخص جو میری طرف بڑھے گا اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا"، ماں نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس تو میرے سامنے سے چلا جا" اور یہ کہہ کر رونے لگی،

حضرت مصعبؓ اس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری ماں! میں تجھے خیر خواہی ومحبت سے مشورہ دیتا ہوں کہ تو گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول برحق ہیں"، اس نے کہا "چمکتے ہوئے تاروں کی قسم! میں اس مذہب میں داخل ہوکر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤں گی، جا میں تجھ سے اور تیری باتوں سے ہاتھ دھوتی ہوں اور اپنے مذہب سے وابستہ رہوں گی"[۲]

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ۸۳ [۲] ایضاً،

Marfat.com

ہجرتِ مدینہ حضرت مصعبؓ نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم اور صفر کے مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں بسر کئے، اور پہلی ربیع الاوّل کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کر کے مدینہ کی راہ لی،[1]

غزوات ۲ھ سے حق و باطل میں خونریز معرکوں کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت مصعب بن عمیرؓ میدانِ فصاحت کی طرح عرصۂ وغا میں بھی نمایاں رہے، غزوۂ بدر میں جماعتِ مہاجرین کا سب سے بڑا علم ان کے ہاتھ میں تھا، غزوۂ احد میں بھی علمبرداری کا تمغائے شرف ان ہی کو ملا،

شہادت اس جنگ میں ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے تو اس وقت بھی یہ علمبردارِ اسلام یکہ و تنہا مشرکین کے نرغہ میں ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کی طرف جنبش دینا اس فدائی ملت کے لئے سخت عار تھا، غرض اسی حالت میں مشرکین کے شہسوار ابن قمئہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہو گیا، لیکن بائیں ہاتھ نے فوراً علم کو پکڑ لیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ آیت جاری تھی،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران ع ۱۵)	اور محمد صرف رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں،

ابن قمئہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اس دفعہ دونوں بازؤں نے حلقہ کر کے علم کو سینہ سے چمٹا لیا، اس نے جھنجھلا کر تلوار پھینک دی اور اس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ اس کی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور اسلام کا سچا فدائی اسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرشِ خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا تھا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگوں ہونے کے لئے نہیں آیا

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۸۲،

Marfat.com

تھا، ان کے بھائی ابوالروم بن عمیرؓ نے بڑھ کر اس کو سنبھالا اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے،[1]

تجہیز و تکفین لڑائی کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی،

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الآيہ

مومنین میں سے چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اس کو سچا کر دکھایا،

پھر لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا، "میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا جہاں تمہارے جیسا حسین و خوش پوشاک کوئی نہ تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال الجھے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے،" پھر ارشاد ہوا "بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں حاضر رہو گے،" اس کے بعد غازیانِ دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کرکے سلام بھیجیں اور فرمایا، "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزِ قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجیگا وہ اس کا جواب دیں گے،"[2]

اس زمانہ میں غربت و افلاس کے باعث شہیدانِ ملت کو کفن تک نصیب نہ ہوا حضرت مصعب بن عمیرؓ کی لاش پر صرف ایک چادر تھی کہ جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں برہنہ ہو جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، بالآخر چادر سے چہرہ چھپایا گیا، پاؤں پر اذخر کی گھانس ڈالی گئی[3]، اور ان کے بھائی حضرت ابوالروم بن عمیرؓ نے حضرت عامر بن ربیعہؓ اور حضرت سویط بن سعدؓ کی مدد سے سپردِ خاک کیا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،[4]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۵ [2] ایضاً [3] بخاری باب غزوۂ احد ص ۵۸۰ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۶،

Marfat.com

فضل وکمال | حضرت مصعبؓ نہایت ذہین الطبع اور خوش بیان تھے، یثرب میں جس سرعت کے ساتھ اسلام پھیلا اس سے ان کے ان اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے، قرآن شریف جس قدر نازل ہو چکا تھا اس کے حافظ تھے، مدینہ میں نماز جمعہ کی ابتدا ان ہی کی تحریک سے ہوئی اور یہی سب سے پہلے امام مقرر ہوئے۔[1]

اخلاق | اخلاقی پایہ نہایت بلند تھا، ظلم کے مکتب نے مزاج میں صرف متانت ہی پیدا نہ کی تھی بلکہ مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، خصوصاً ملک حبش کی صحرا نوردیوں نے جفاکشی، استقلال و استقامت کے نہایت زرین اسباق دیئے تھے اور اچھی طرح سکھا دیا تھا کہ دشمنوں میں رہ کر کس طرح اپنا مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور اشاعت اسلام جیسے اہم خدمات پر ان کو مامور فرمایا تھا،

مزاج قدرۃً نہایت لطافت پسند تھا، اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ میں صرف امراء کے لئے مخصوص تھا وہ ان کے روزمرہ کے کام میں آتا، غرض ان کے وقت کا اکثر حصہ آرائش و زیبائش اور زلف مشکین کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربار نبوت میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا سے پیوند لگے ہوئے تھے صحابہ کرام نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکالیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الحمد للہ اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہئے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی نازپروردہ نہ تھا لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اس کو تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیا۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۸۸ [2] ایضاً ص ۸۲

Marfat.com

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد میانہ، چہرہ حسین نرم و نازک، اور زلفین نہایت خوبصورت تھین [1]

اہل وعیال | حضرت مصعبؓ کی بیوی کا نام حمنہ بنت جحش تھا جس سے زینب نام ایک لڑکی یادگار چھوڑی [2]

حضرت عثمان بن مظعون رض

نام ونسب | عثمان نام، ابو السائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام سخیلہ بنت العنبس تھا پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص ابن کعب بن لوئی بن غالب القرشی الجمحی [3]

قبل اسلام | حضرت عثمانؓ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے، ایام جاہلیت مین عرب کا ہر بچہ مست خرابات تھا، لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے ناآشنا تھی، اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل مین فتور آجائے، ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کو مضحکہ بنائین اور نشہ کی حالت مین ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے [4]

اسلام | اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوحِ دل بالکل صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ وتلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کردیا، اربابِ سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ صحابہؓ ایمان لائے تھے [5] ابن سعد کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت عبیدہ بن الحارثؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۸۰ [2] ایضاً ص ۸۱ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۲۸۶ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵

Marfat.com

ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے،[1]

ہجرت حبشہ ومعاودت ۵ سنہ نبوی میں بلاکشانِ اسلام کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی، حضرت عثمان بن مظعونؓ اسی خانماں گروہ کے امیر تھے،[2] ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بناپر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے پھر واپس تشریف لائے، لیکن جب مکہ کے قریب پہنچکر خبر بے بنیاد نکلی تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا، اور دوسری طرف مکہ میں داخل ہونے سے مشرکین کا خوف دامنگیر ہوتا تھا، غرض اسی حیص بیص میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کرکے اپنے مشرک اعزہ واحباب کی پناہ میں مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کرکے مکہ میں داخل ہوئے۔[3]

ولید بن مغیرہ کے اثر نے گو حضرت عثمانؓ کو اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا تاہم وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور دوسرے صحابہ کرامؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت واطمینان کو گوارا نہ کرسکے اور ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت فرمائی،" افسوس! میرے احباب اور خاندان والے راہِ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں امن چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں! خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے" اس خیال نے بیتاب کر دیا، اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا،" اے ابوعبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی، اس وقت تک میں تمہاری پناہ میں تھا لیکن اب خدا اور اس کے رسول کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں، میرے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے،" ولید نے کہا، شاید تمہیں کسی نے اذیت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۸۶، [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ باب الہجرۃ الی الحبشۃ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵،

پہنچائی، بولے نہین اصل یہ ہے کہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت درکار نہین، تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت کا اعلان کیا تھا اسی طرح اس کو واپس لینے کا اعلان کردو، غرض ولید نے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی خواہش کو مجمع عام مین بیان کیا، حضرت عثمان بن مظعونؓ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی، اور فرمایا، صاحبو! مین نے ولید کو نہایت ہی با وفا اور مہربان پایا، لیکن چونکہ اب مجھے خدا کے سوا اور کسی کی حمایت پسند نہین ہے، اس لئے مین خود ہی اس بار احسان سے سبکدوش ہوتا ہون،

حضرت عثمان بن مظعونؓ اس اعلان کے بعد لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس مین تشریف لائے، لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، اس لئے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری شروع ہو گئی، اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا "الا کل شیء ما خلا اللہ باطل" (یعنی خدا کے سوا تمام چیزین باطل ہین) تو حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد دی کہ "تم نے سچ کہا"، لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا "و کل نعیم لا محالۃ زائل" (یعنی تمام نعمتین یقیناً زائل ہو جائین گی)، تو بول اٹھے "جھوٹ کہتے ہو"، اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے ان کی طرف نگاہ غضب آلود ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمایش کی، اس نے اعادہ کیا، تو حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا، تم جھوٹ کہتے ہو جنت کی نعمتین کبھی زائل نہ ہون گی، لبید نے خفیف ہو کر کہا، اے گروہ قریش! خدا کی قسم تمھاری مجلسون کا یہ حال نہ تھا، اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع مین برہمی پھیل گئی اور ایک بدکردار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی، لوگون نے کہا، عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت مین نہایت معزز تھے اور تمھاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی، بولے خدا کی حمایت سب سے زیادہ پرامن و ذی عزت ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ مین شریک

Marfat.com

ہونے کی متمنی ہے"، ولید نے کہا، "کیا اب بھی تم میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو؟" فرمایا میرے لئے صرف خدا کی پناہ بس ہے[1]۔

ہجرت مدینہ حضرت عثمانؓ ایک عرصہ تک مکہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عموماً تمام صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جس میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت عبداللہ ابن مظعونؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت سائب بن عثمانؓ شامل تھے، اس سرزمینِ امن میں پہنچکر حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مکان پر فروکش ہوئے، حضرت عثمانؓ نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ کو خالی کردیا تھا کہ ان کے خاندان کا ایک ممبر بھی وہاں رہنے نہ پایا اور تمام مکانات بند کر دیئے گئے[2]۔

مواخات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچکر حضرت عثمانؓ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لئے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے اور حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ سے بھائی چارہ کرادیا[3]۔

غزوۂ بدر اور وفات حق و باطل کی اوّل کشمکش یعنی معرکۂ بدر میں شریک تھے، میدانِ جنگ سے واپس آکر اسی سال بیمار ہوئے، انصاری بھائی اور ان کی بیوی بچوں نے دلسوزی کے ساتھ تیمارداری کی لیکن موت کا ازالہ ممکن نہ تھا، ہجرت کے ۳۰ ماہ بعد یعنی ۳ھ کے اخیر میں وفات پائی[4]۔

حضرت ام العلاء انصاریہؓ جن کے گھر میں انہوں نے وفات پائی، فرماتی ہیں کہ جب تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ تیار ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے کہا، "ابوالسائب! تم پر خدا کی رحمت ہو میں گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تم کو معزز کیا"، ارشاد ہوا، "تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ خدا

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵ و ۳۸۶ [2] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸ [3] ایضاً ص ۲۸۹

[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸

خدانے معزز کیا؟ مین نے عرض کی میرا باپ آپ پر فدا ہو یا رسول اللہ پھر خدا کس کو معزز کرے گا؟" فرمایا "عثمان کو درجۂ یقین حاصل تھا اور مین اس کے لئے بہتری کی امید رکھتا ہون، لیکن خدا کی قسم مین رسولِ خدا ہو کر بھی نہین جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن وملال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان بن مظعون رضی کی مفارقت کا شدید غم تھا، آپ نے تین دفعہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پر نم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمان رض کے رخسارے تر ہوگئے[۲]، پھر سر مبارک اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز مین فرمایا "ابو السائب! مین تم سے جدا ہوتا ہون، تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمھارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث نہ ہوا"[۳]

قبر اس وقت تک مدینہ مین مسلمانون کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا، حضرت عثمان رض کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بقیع کو اس کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گورِ غریبان مین مدفون ہوئے، آپ نے خود جنازہ کی نماز پڑھائی، قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے اہتمام سے دفن کرایا، اور قبر کے سرے پر کوئی چیز بطور علامت نصب کر کے فرمایا "اب جو مرے گا وہ اسی کے آس پاس مدفون ہوگا"[۴]

اخلاق حضرت عثمان رض کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع تھا، شراب سے ایام جاہلیت ہی مین متنفر تھے، صبر، تحمل اور اسلامی حمیت کے نمونے پہلے گذر چکے ہین، مزاج مین شرم وحیا کا عنصر غالب تھا، ایک روز بارگاہِ نبوت مین عرض کی "یا رسول اللہ مین اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر عورت دکھانا پسند نہین کرتا" ارشاد ہوا "کیون؟" عرض کی حیا دامنگیر ہوتی ہے، فرمایا "خدانے اس کو تمھارے لئے اور تم کو اس کے

---

[۱] بخاری کتاب الجنائز جلد ا ص ۱۶۶ [۲] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۸ [۳] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۶ [۴] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثالث ص ۲۸۹ [۵] ایضاً ص ۲۸۷

لئے بے پردہ بنایا ہے" وہ جب کچھ دیر کے بعد دربار سے چلے گئے تو آپ نے فرمایا "عثمان بن مظعون نہایت ہی باحیا و پردہ پوش ہے"[1]

رہبانیت کی طرف میلانِ طبع

تبتل و رہبانیت کی طرف شدید میلان تھا، ایک دفعہ انھوں نے چاہا کہ قوائے شہوانیہ کو فنا کرکے صحرا نوردی اختیار کریں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رکھا اور فرمایا "کیا میری ذات تمھارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ میں اپنی بیویوں سے ملتا ہوں، گوشت کھاتا ہوں، روزے رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، بیشک میری امت کا خصی ہونا صرف روزے رکھنا ہے، اس لئے جو شخص خصی کرے گا یا خصی بنے گا وہ میری امت سے نہیں ہے"[2]

عبادت

عبادت و شب زندہ داری حضرت عثمانؓ کا نہایت ہی پر لطف مشغلہ تھا، رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو عموماً روزے رکھتے، انھوں نے اپنے گھر میں عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا جس میں رات دن معتکف رہتے تھے، ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حجرہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی چوکھٹ پکڑ کر دو یا تین مرتبہ فرمایا "عثمان! خدا نے مجھے رہبانیت کے لئے مبعوث نہیں کیا ہے، سہل اور آسان دینِ حنیفی خدا کے نزدیک تمام ادیان سے بہتر ہے"[3]

شوقِ عبادت نے بیوی بچوں سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا، ایک روز ان کی زوجۂ محترمہ حرم نبوی میں آئیں، امہات المومنینؓ نے ان کو خراب حالت میں دیکھ کر پوچھا "تم نے ایسی ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمھارے شوہر سے زیادہ تو قریش میں کوئی دولت مند نہیں" بولیں "مجھے ان سے کیا سروکار وہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں" امہات المومنینؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ اسی وقت حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "عثمان بن مظعون! کیا میری ذات تمھارے لئے نمونہ نہیں ہے؟" بولے "میرے باپ ماں آپ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۰ [2] ایضاً و صحیح بخاری کتاب الصوم و کتاب النکاح [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۸۶

Marfat.com

پر فدا ہوں کیا بات ہوئی؟ ارشاد ہوا، تم رات بھر عبادت کرتے ہو، دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو، عرض کی "ہاں" ایسا کرتا ہوں، حکم ہوا، ایسا نہ کرو، تمھاری آنکھ کا، تمھارے جسم کا اور تمھارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، غرض اس فہمائش کے بعد ان کی بیوی پھر امہات المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں۔[1]

اہل وعیال — حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اپنی زوجۂ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے دو لڑکے عبدالرحمن اور سائب یادگار چھوڑے تھے۔[2]

حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ

نام، نسب — ارقم نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام عبد مناف، ابو الارقم کنیت اور والدہ کا نام امیمہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:۔ ارقم بن ابی الارقم بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم،

حضرت ارقمؓ کا خاندان ایامِ جاہلیت میں مخصوص عزت و اقتدار کا مالک تھا، ان کے دادا ابو جندب اسد بن عبداللہ اپنے زمانہ میں مکہ کے ایک نہایت سربرآوردہ رئیس تھے،

اسلام — حضرت ارقمؓ گیارہ یا بارہ اصحاب کے بعد ایمان لائے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام کلمہ گویوں کی زندگی نہایت خطرہ میں تھی، مشرکین قریش چاہتے تھے کہ اس تحریک کو بار آور ہونے سے پہلے معدوم کردیں، لیکن اسلام فنا ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، حضرت ارقمؓ نے مہبط وحی الہام اور تمام مسلمانوں کو اپنے مکان میں چھپایا، حضرت عمر فاروقؓ اسی گھر میں اسلام لے آئے، ان کے اسلام لانے کے وقت کم وبیش چالیس آدمی شرفِ اسلام سے مشرف ہوچکے تھے، آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں قوت پیدا ہوگئی، اس وقت اس حظیرۂ قدس کو چھوڑا۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ۳ ص ۲۸۷ [2] ایضاً ق ۱ ص ۲۸۶ [3] اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ و اصابہ تذکرۂ ارقم

Marfat.com

ہجرت | بعثت کے تیرہویں سال ہجرت کا حکم ہوا، تو حضرت ارقمؓ بھی دوسرے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے یہاں حضرت ابوطلحہؓ زید بن سہل سے مواخات ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل سکونت کے لئے بنی زریق کے محلہ میں ایک قطعۂ زمین عطا فرمایا۔[1]

غزوات | حق و باطل کی اول کشمکش یعنی غزوۂ بدر میں شریکِ کارزار تھے، اس جنگ میں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی، احد، خندق، خیبر اور تمام دوسرے اہم معرکوں میں بھی پامردی و شجاعت سے لڑے۔[2]

عہدہ | زمانۂ رسالت میں تحصیلِ زکوٰۃ کی خدمت پر مامور تھے۔[3]

وفات | ۸۳ برس کی عمر پاکر ۵۳ھ میں رحلت گزینِ عالمِ جاودان ہوئے، انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ کی نماز پڑھائیں، لیکن وہ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام عقیق میں تھے، ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مروان بن حکم والیِ مدینہ نے کہا کہ ایک شخص کے انتظار میں جنازہ کب تک پڑا رہے گا؟ اور چاہا کہ خود بڑھ کر امامت کرے، لیکن عبید اللہ بن ارقمؓ نے اجازت نہ دی اور قبیلۂ بنی مخزوم ان کی حمایت پر تیار ہوگیا، غرض بات بڑھ چلی تھی کہ اسی اثناء میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تشریف لے آئے اور انھوں نے نماز پڑھا کر بقیع کے گورستان میں دفن کیا۔[4] انا للہ وانا الیہ راجعون

اخلاق | تقویٰ، تدین، زہد و راستبازی حضرت ارقمؓ کے نمایاں اوصاف تھے، عبادت و شب زندہ داری سے بیحد شوق تھا، ایک دفعہ انھوں نے بیت المقدس کا قصد کیا اور رختِ سفر درست کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے آئے، آپ نے پوچھا کہ تجارت کے خیال سے جا رہے ہو یا کوئی خاص ضرورت ہے؟ بولے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! کوئی

۱؎ طبقات ابن سعد ق ۱ جزء ۳ ص ۱۷۴، ۲؎ اسد الغابہ جلد ۱ ص ۶۰ ۳؎ ایضاً ۴؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ۳ ص ۱۷۴،

Marfat.com

ضرورت نہیں ہے، صرف بیت المقدس میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں، ارشاد ہوا کہ میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، حضرت ارقمؓ یہ سنتے ہی بیٹھ گئے اور ارادہ فسخ ہو گیا[1]

ذریعۂ معاش مختلف جاگیروں کے علاوہ اصلی ذریعۂ معاش تجارت تھی،

مکہ کا تاریخی مکان ہجرت کے بعد مدینہ وطن ہو گیا تھا، اس لئے انہوں نے مکہ کے مکان کو جو اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے مرجع زائرین تھا، وقف علی الاولاد کر دیا، تاکہ بیع و وراثت کے جھگڑوں سے محفوظ رہے[2]،

یہ مکان کوہ صفا کے نیچے ایسے موقع پر تھا کہ جو لوگ حج میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، وہ ٹھیک اس کے دروازے پر سے ہو کر گذرتے تھے، سنہ ۱۴۰ھ میں خلیفہ منصور عباسی کے عہد تک وہ بجنسہ اپنی حالت پر موجود تھا، لیکن اسی سال محمد بن عبداللہ بن حسن نے مدینہ میں خروج کیا، چونکہ حضرت ارقمؓ کے پوتے عبداللہ بن عثمان ان کے معاونین میں تھے، اس لئے منصور نے والیِ مدینہ کو لکھ کر ان کو گرفتار کرایا اور اپنے ایک معتمد خاص شہاب بن عبدرب کو بھیجکر اس مکان کو فروخت کرنے کی ترغیب دی، عبداللہ بن عثمان نے پہلے انکار کیا، لیکن پھر قید سے مخلصی پانے کی بشارت اور گرانقدر معاوضہ کے طمع نے بیچنے پر راضی کر دیا، غرض منصور نے سترہ ہزار دینار پر ان کا حصہ خرید لیا، رفتہ رفتہ دوسرے شرکا بھی راضی ہو گئے، لیکن ان کا زر معاوضہ اس کے علاوہ تھا،

ابوجعفر منصور کے بعد خلیفہ مہدی نے اپنی جاریہ خیزران کو دیدیا جس نے منہدم کر کے نئے سرے سے ایک محل تعمیر کرایا، پھر گردش ایام نے اس میں گوناگوں تغیرات پیدا کئے، اور

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۴، [2] ایضاً

Marfat.com

اس طرح آغازِ اسلام کی وہ پر عظمت یادگار جو عرصہ تک مطلعِ انوارِ الٰہی و مہبطِ ملائکۂ آسمانی رہی تھی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئی،[۱]

اولاد | حضرت ارقمؓ نے دو لڑکے عبید اللہ، عثمان اور تین لڑکیاں امیہ، مریم اور صفیہ یادگار چھوڑیں۔

حضرت مقداد بن عمروؓ

نام، نسب | مقداد نام، ابو الاسود کنیت، عمرو کندی کے لختِ جگر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے،

مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ بن ثمامہ بن مطرود النہرانی،

حضرت مقدادؓ دراصل بہرا کے رہنے والے تھے، چونکہ ان کے خاندان کے ایک ممبر نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی، اس لئے انتقام کے خوف سے کندہ چلے آئے تھے، لیکن یہاں بھی یہی مصیبت پیش آئی، بالآخر مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کر لیا جس نے محبت سے ان کو اپنا متبنی کر لیا تھا، چنانچہ عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے[۲]

اسلام | وہ مکہ میں ابھی اچھی طرح توطن گزین بھی نہ ہونے پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں آئی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ نے ان کو اسلام کا شیدائی بنا دیا، یہ وہ پر آشوب زمانہ تھا کہ علانیہ ایک کو ایک کہنا قلمرو شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا، لیکن حضرت مقدادؓ نے اپنی بے بسی و غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا، چنانچہ وہ ان سات بزرگوں کی صف میں نظر آتے ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں اپنے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا تھا[۳]

---

[۱] طبقات ابن سعد ق ۱ جزو ۳ ص ۱۷۳، و تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۲۰، [۲] اسد الغابہ تذکرۂ مقداد بن عمرو [۳] ایضاً

Marfat.com

ہجرت

اس حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوناگون مظالم کا نشانہ بنائے گئے، یہان تک کہ پیمانۂ صبر و تحمل لبریز ہو گیا اور مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے،[1]

کچھ دنون کے بعد سرزمین حبش سے واپس آئے تو مدینہ کی طرف ہجرت کی تیاریان ہو رہی تھین، لیکن وہ ایک عرصہ تک اپنی بعض دشواریون کے باعث مدینہ جانے سے مجبور رہے، یہان تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے اور کفر و اسلام مین فوجی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ ایک قریشی تجسس دستۂ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ مین مجاہدینِ اسلام کی ایک جماعت سے مڈبھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونون موقع پاکر مسلمانون سے مل گئے، اور مدینہ پہنچکر حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان ہوئے،[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنی جدیلہ کے محلہ مین مستقل سکونت کے لئے زمین مرحمت فرمائی، کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ کی دعوت پر انھون نے اسی حصہ مین رہنا پسند کیا تھا،[3]

غزوات

۲ھ سے شرک و توحید مین باقاعدہ معرکہ آرائیون کا سلسلہ شروع ہوا، اور مشرکین قریش کا ایک خوفناک سیلاب میدانِ بدر کی طرف امنڈ آیا، چونکہ جان نثارانِ رسول کے لئے یہ اولین آزمائش تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مشورہ طلب کرکے اس قلیل لیکن اولوالعزم جماعت کا امتحان لینا چاہا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی صداقت شعاری کا جوہر دکھایا، پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک تقریر مین اپنے خلوص و وفا شعاری کا اظہار کیا، لیکن حضرت مقدادؓ نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکایک تمام فدائیون کے جذبۂ سرفروشی مین ہیجان پیدا کر دیا، انھون نے عرض کی،

---

[1] طبقات ابن سعد ق اجز ۳ ص ۱۱۴ [2] اسد الغابہ تذکرہ مقداد بن عمرو [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۱۴،

Marfat.com

"ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تو اور تیرا خدا جاکر لڑے" بلکہ ہم آپ کے داہنے، بائیں، آگے اور پیچھے اپنی جانبازی کے جوہر دکھائیں گے [۱] قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ ہم کو برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ جاکر لڑیں گے [۲] اس سادہ لیکن پرجوش اظہار فدویت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خوش ہوئے کہ فرطِ انبساط سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا [۳]

حضرت مقدادؓ تیراندازی، نیزہ بازی اور شہسواری میں کمال رکھتے تھے، جنگِ بدر میں صرف یہی یکہ و تنہا شہسوار تھے جو اپنے سبحہ صبار فتار کو مہمیز کر رہے تھے، محدثین و اصحابِ سیر کا عام طور پر اتفاق ہے کہ اس جنگ میں ان کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، غزوۂ بدر کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسرے مشہور معرکوں میں پامردی و جانبازی کے ساتھ شریکِ کارزار تھے [۴]

فتح مصر | سنہ ۲۰ھ میں جب مصر پر فوج کشی ہوئی اور حضرت عمرو بن العاصؓ امیر عسکر نے دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار سپاہی اور چار افسر جن میں سے ایک حضرت مقدادؓ بھی تھے ان کی مدد کے لئے روانہ فرمایا اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر ایک دشمن کے ایک ہزار سپاہیوں کے برابر ہے، چنانچہ درحقیقت اس کمک کے پہنچتے ہی جنگ کی حالت بدل گئی اور نہایت قلیل عرصہ میں تمام سرزمین فراعنہ فرزندانِ توحید کا ورثہ بن گئی [۵]

وفات | حضرت مقدادؓ عظیم البطن تھے ایام پیری میں یہ مرض زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تو ان کے ایک رومی غلام نے اس پر عمل جراحی کیا، جو غلطی سے ناکام رہا، بالآخر وہ خوف و ندامت کے باعث روپوش ہوگیا اور انھوں نے اسی حالت میں مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں داعی

---

[۱] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر [۲] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۴۵۳ [۳] بخاری باب غزوۂ بدر
[۴] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳۴۹ [۵] مقریزی جلد ۱ ص ۱۶۵

Marfat.com

جنت کو لبیک کہا، یہ ۳۳ھ میں خلیفہ ثالث کا عہد تھا، خود امیر المومنین ؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور لاش مدینہ لاکر بقیع کے گورِ غریبان میں دفن کی گئی، انھوں نے کم و بیش ستر برس کی عمر پائی۔[1]

اخلاق حضرت مقداد ؓ گوناگون محاسنِ اخلاق کے مظہر اتم تھے، انھوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر جس جوشِ فدویت کا اظہار کیا وہ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے لئے باعثِ رشک تھا، حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ فرمایا کرتے تھے "کاش! میں اس وقت جنگ میں شریک ہونے کے لائق ہوتا، اور یہ جملے میری زبان سے ادا ہوتے!" حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگِ بدر میں مقداد بن اسود ؓ کے ساتھ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس جنگ میں ان کے ساتھ ہونا اس قدر محبوب ہے کہ تمام دنیا اس کے آگے ہیچ ہے۔[2]

سپاہیانہ سادگی، صاف گوئی اور ملنساری کے ساتھ زندہ دلی اور حاضر جوابی نے ان کی صحبت کو نہایت دلچسپ بنا دیا تھا، ایک دفعہ وہ کسی صراف کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے ان کے بلغمی تن و توش پر طعنہ زن ہو کر کہا "ابو الاسود! خدا نے تم کو جہاد میں شریک ہونے سے معاف کر دیا ہے"، برجستہ بولے "نہیں! انفروا خفافا و ثقالا کا حکم اس سے منکر ہے"۔[3]

وہ نہایت صاف گو اور سادہ مزاج تھے، ایک دفعہ حضرت عبد الرحمن بن عوف ؓ نے ان سے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے؟ سادگی کے ساتھ بولے "تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو"، حضرت عبد الرحمن اس بیباکی و صاف گوئی پر سخت برہم ہوئے اور برا بھلا کہنے لگے، حضرت مقداد ؓ نے ان کی اس برہمی کی شکایت دربارِ نبوت میں پیش کی تو ارشاد ہوا، اگر کسی کو انکار ہے تو ہونے دو میں تم کو اپنی بنتِ عم سے بیاہ دوں گا، چنانچہ اس کے بعد ہی حضرت ضباعہ بنت زبیر بن

---

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۵۵۴ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ بدر،

[3] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۱۱۵،

Marfat.com

عبدالمطلب ان کے عقد نکاح میں آئیں[1]

آغاز اسلام کی عسرت و ناداری نے ان کو صد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ آیا، تو یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا، بھوک سے حالت تباہ تھی، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اور میرے دونوں ساتھیوں کو اپنے میزبان کلثوم بن ہدم کے گھر میں جگہ دی، آپکے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں جن کے دودھ پر ہم لوگوں کا گذارا تھا، ایک دفعہ رات کے وقت آپ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک تشریف نہ لائے، میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری نے دعوت دی ہوگی، اور آپ آسودہ ہو کر تشریف لائیں گے، اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی لیا، لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی، غرض میں اسی شش و پنج میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے، دیکھا تو پیالہ خالی تھا، مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی، خصوصاً جب کہ آپنے کچھ کہنے کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میرے خوف و ہراس کی کوئی انتہا نہ تھی اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی، لیکن آپنے فرمایا "اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی" یعنی "خدایا جو مجھے کھلائے اس کو کھلا اور جو مجھے سیراب کرے اس کو سیراب کر"، اس دعا سے کچھ ہمت بڑھی، اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شاید کچھ دودھ نکل آئے، لیکن خدا کی قدرت جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا، غرض کافی مقدار میں دودھ کو خدمت بابرکت میں پیش کیا، آپنے پوچھا، "کیا تم لوگ پی چکے ہو" عرض کی "یا رسول اللہ! آپ پہلے نوش فرمالیں تو پھر مفصل واقعہ عرض کروں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب سیر ہو کر نوش

[1] اصابہ جلد ۳ ص ۴۳۵

فرمایا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی وندامت پر بے اختیار ہنسی آگئی، آپ نے پوچھا، ابوالاسود! یہ کیا ہے؟ مین نے تمام واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا "یہ خدا کی رحمت تھی تم نے اپنے دونون ساتھیون کو کیون بیدار نہ کردیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے"[۱]

خوشامدانہ مداحی سے سخت متنفر تھے، ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے دربار مین چند آدمیون نے ان کے روبرو تعریف وتوصیف شروع کی حضرت مقدادؓ اس تملق اور چاپلوسی پر اس قدر برہم ہوئے کہ ان کے منہ پر خاک ڈالنے لگے حضرت عثمانؓ نے فرمایا، مقداد! یہ کیا ہے؟ بولے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ خوشامدیون کے منہ مین خاک بھردو"[۲]

ایک دفعہ ایک تابعی نے ان کے پاس آکر کہا، مبارک ہین آپ کی آنکھین جنھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، کاش! مین بھی اس زمانہ مین ہوتا! حضرت مقدادؓ ان پر سخت برہم ہوئے، لوگون نے تعجب سے پوچھا کہ یہ برہمی کی کیا بات تھی؟ بولے "حاضر کو چھوڑ کر غائب کی تمنا عبث ہے، جن لوگون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے ان مین بہت سے ایسے ہین جن کو ایمان نہ لانے کے باعث خدا نے جہنم واصل کردیا، اس کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت کس گروہ مین ہوتا؟ تم لوگون کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ بغیر امتحان وآزمایش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے مستفیض ہوئے"[۳]

کسی شخص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے مین نہایت محتاط تھے، فرمایا کرتے تھے کہ مین صرف نتائج پر نظر رکھتا ہون خصوصاً جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ انسان کا دل نہایت تغیر پذیر ہے"[۴]

جاگیر وذریعۂ معاش تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیبر مین جاگیر

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴ [۲] ایضاً جلد ۶ ص ۵ [۳] ایضاً [۴] ایضاً

Marfat.com

بھی مرحمت فرمائی تھی، جس کو حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں ان کے ورثہ سے ایک لاکھ درہم میں خرید لیا تھا[1]

حلیہ | حضرت مقدادؓ طویل القامت، عظیم البطن و فربہ اندام تھے، سر کے بال گھنے، ابرو پیوستہ اور ڈاڑھی نہایت موزون و خوبصورت تھی[2]

اولاد | حضرت ضباعہ بنت زبیرؓ سے ایک لڑکی کریمہ نام یادگار چھوڑی[3]

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیقؓ

نام و نسب | عبدالرحمن نام، ابو عبداللہ کنیت، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ تھے، والدہ کا نام ام رمان تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور یہ دونوں حقیقی بھائی بہن تھے،

ابتدائی حالات | حضرت ابوبکر صدیقؓ کا تمام خاندان ابتدا ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، لیکن حضرت عبدالرحمنؓ اس سے مستثنیٰ تھے، وہ عرصہ تک اپنے قدیم مذہب کے حامی رہے، غزوۂ بدر میں مشرکین قریش کے ساتھ تھے، اثنائے جنگ میں انھوں نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انھوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی[4]

غزوۂ احد میں بھی وہ مشرکین مکہ کے ساتھ تھے،

اسلام | حضرت عبدالرحمنؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے اور مدینہ پہنچکر اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نجی کے تمام کام اور ذاتی کاروبار زیادہ تر یہی انجام دیتے تھے، اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ ان کے غیظ و غضب کو برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۱۱۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۷۴،

شب کے وقت چند اصحابِ صفہ حضرت ابوبکرؓ کے یہاں مہمان تھے، انھوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ہدایت فرمائی کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہوجانا" حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حسبِ ہدایت وقت پر مہمانوں کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انھوں نے صاحبِ خانہ کی غیرموجودگی میں کھانے سے انکار کردیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کرکے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ پر نہایت برہم ہوئے اور گالی دے کر کہا، خدا کی قسم! اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا"، حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کرکے سامنے آئے اور بولے "آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لئے اصرار کیا تھا"، انھوں نے تصدیق کی اور کہا، واللہ جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے، غرض اس طرح ان کا غصہ فرو ہوا اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے، لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ میں اس میں سے کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی لے کر حاضر ہوا جس کو آپ اور ان کے بہت سے اصحاب نے تناول فرمایا[1]

غزوات حضرت عبدالرحمٰنؓ فطرۃً نہایت شجاع وبہادر تھے خصوصاً تیراندازی میں کمال رکھتے تھے، واقعۂ حدیبیہ کے بعد عہدِ نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے وہ ان میں سے اکثر میں جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے،

جنگ یمامہ یمامہ کی خونریز جنگ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنی قادراندازی کا غیرمعمولی کمال

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۹۰۶،

Marfat.com

دکھایا، انھون نے اس جنگ مین غنیم کے سات بڑے بڑے جانباز افسرون کو نشانہ بنا کر داصل جہنم کیا،

قلعہ یمامہ کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوگئی تھی، مسلمان اس راستہ سے اندر گھسنا چاہتے تھے، لیکن دشمن کا ایک سردار محکم بن طفیل نہایت جانبازی کے ساتھ اس جگہ اڑا ہوا تھا، حضرت عبد الرحمن نے تاک کر اس کے سینہ پر ایک ایسا تیر مارا کہ وہین تڑپ کر ڈھیر ہوگیا، اور مسلمان اس کے ساتھیون کو ریلتے ہوئے اندر گھس گئے،[۱]

یزید کی بیعت سے انکار | امیر معاویہ نے یزید کی جانشینی کے لئے اپنی زندگی ہی مین کوشش شروع کر دی تھی، ایک دفعہ ان کی ایماء سے مروان بن حکم والی مدینہ نے مسجد نبوی مین لوگون کو جمع کرکے یزید کے لئے بیعت لینا چاہا، اس وقت جن لوگون نے اس کی مخالفت مین صدا بلند کی ان مین ایک حضرت عبد الرحمن بھی تھے، انھون نے مروان سے غضب آلود لہجہ مین کہا، کیا تم لوگ خلافت کو موروثی بادشاہت بنا دینا چاہتے ہو، مروان نے برہم ہو کر کہا، صاحبو! یہ وہی ہے جس کی نسبت قرآن مین آیا ہے "والذی قال لوالدیہ اف لکما" (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خدا نے قرآن مین ان کی مذمت کی ہے) ام المومنین حضرت عائشہ اپنے حجرہ سے یہ گفتگو سن رہی تھین، وہ غضبناک ہو کر بے اختیار بول اٹھین نہین! واللہ نہین!! عبد الرحمن کے متعلق نہین ہے، اگر چاہو تو مین اس کا نام لے سکتی ہون جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی،[۲]

امیر معاویہ کو حضرت عبد الرحمن کی مخالفت کا حال معلوم ہوا تو انھون نے ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے پاس ایک لاکھ درہم کے توڑے بھیجدیئے، لیکن حضرت عبد الرحمن نے غایت بے نیازی کے ساتھ واپس کر دیا اور فرمایا، واللہ! مین دین کو دنیا کے عوض فروخت

[۱] اصابہ جلد ۴ ص ۱۷۰ [۲] اسد الغابہ جلد ۳ یہ واقعہ بخاری مین بھی مذکور ہے،

Marfat.com

نہین کرسکتا[1]

وفات | حضرت عبدالرحمن اس واقعہ کے بعد مدینہ چھوڑکر مکہ چلے آئے، اور شہر سے تقریباً ۶ میل کے فاصلہ پر "حبشی" نام ایک مکان مین اقامت پذیر ہوئے، یہان تک کہ ۵۳ھ مین ایک روز ناگہانی طور پر اسی گوشۂ عزلت مین واصل بحق ہوئے، بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے سے ان کو اپنی صحت کے متعلق کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی، وفات کے دن حسب معمول سوئے مگر ایسی نیند سوئے کہ پھر نہ اٹھے، حضرت عائشہؓ کے دل مین اس ناگہانی حادثہ کے باعث شبہ ہوا کہ کسی نے زہر وغیرہ دیکر مار ڈالا، لیکن کچھ دنون کے بعد ایک عورت حضرت عائشہؓ کے گھر آئی، بظاہر توانا و تندرست تھی، ایک مرتبہ سجدہ کیا اور ایسا سجدہ کہ پھر اس سے سر نہ اٹھایا، اس واقعہ کے بعد سے ان کا شک جاتا رہا[2]

ام المومنین حضرت عائشہؓ کو ان کے انتقال کی خبر ملی تو وہ حج کی نیت سے مکہ آئین اور بھائی کی قبر پر کھڑی ہو کر بے اختیار روئین، اس وقت ان کی زبان پر یہ اشعار تھے،

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ | من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا | لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

پھر مرحوم بھائی کی روح سے مخاطب ہو کر بولین "بخدا! اگر مین تمھاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اس قدر نہ روتی اور تم کو اسی جگہ دفن کرتی جہان تم نے وفات پائی تھی[3]"

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ

نام، نسب | حاطب نام، ابو محمد یا ابو عبداللہ کنیت اور والدہ کا نام ابو بلتعہ تھا، سلسلۂ نسب مین

[1] استیعاب جلد ۲ ص ۴۰۵ [2] مستدرک جلد ۳ ص ۴۷۶ [3] ایضاً،

Marfat.com

اختلاف ہے، بعض قحطانی النسل قرار دیتے ہیں اور بعض بنو لخم بن عدی کا ایک ممبر بتاتے ہیں جو ایام جاہلیت میں قبیلۂ بنو اسد کے حلیف تھے، تاہم اصحاب سیر کا عام رجحان یہ ہے کہ ان کا آبائی وطن ملک یمن تھا، مکہ میں غلامی یا حلیفانہ تعلق کے باعث سکونت پذیر تھے[1]

قبل از اسلام | ایام جاہلیت میں شاعری و شہسواری کے لحاظ سے مخصوص شہرت کے مالک تھے[2]

اسلام | قبل از ہجرت ایمان لائے اور جب مدینہ اسلام کا مرکز قرار پایا تو وہ بھی اپنے غلام حضرت سعدؓ کے ساتھ وارد یثرب ہوئے، یہاں حضرت منذر بن محمد انصاریؓ نے ان کو اپنا مہمان بنایا، اور حضرت خالد بن رخیلہؓ سے مواخات ہوئی[3]

غزوات | غزوۂ بدر، احد، خندق اور تمام مشہور معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے[4]

دربارِ مصر میں تبلیغ اسلام | غزوۂ حدیبیہ سے واپس آکر ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقوقس والی مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا، رقعۂ دعوت کا مضمون یہ تھا،

اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام	میں تم کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں،
اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک	اسلام قبول کرو گے تم محفوظ رہو گے اور خدا
مرتین فان تولیت فان علیک اثم	تم کو دونا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر روگردانی
اھل القبط یا اھل الکتاب تعالوا	کرو گے تو تمام قبطیوں کا گناہ تم پر ہوگا،
الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا	اے اہل کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو
نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا	ہم میں اور تم میں یکساں ہے، یعنی ہم لوگ
ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من	صرف ایک خدا کی پرستش کریں، کسی چیز کو
دون اللہ[5]	اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے بعض

[1] اسد الغابہ تذکرۂ حاطب بن ابی بلتعہ [2] اصابہ جلد اول [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو سوم [4] ایضاً [5] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵

یا اپنے بعض کو خدا کے آگے پروردگار نہ بنائے،

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مصر پہنچکر مقوقس کے دربار مین نامۂ مبارک پیش فرمایا اور حسب ذیل مکالمہ سے اس کو اسلام کی ترغیب دی،

حضرت حاطبؓ۔ تم سے پہلے یہان ایک ایسا فرمان روا گذرا ہے جو بزعم خود اپنے آپ کو خدا سے برتر سمجھتا تھا، لیکن حق سبحانہ نے اس کو دنیا و آخرت کے عذاب مین گرفتار کر کے عبرتناک انتقام لیا، تم کو غیرون سے عبرت حاصل کرنا چاہئیے، ایسا نہ ہو کہ تم خود مرقعِ عبرت بنو۔

مقوقس:۔ ہم ایک مذہب کے پابند ہین جس کو اس وقت تک نہین چھوڑ سکتے جب تک کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر ثابت نہ ہو جائے،

حضرت حاطبؓ:۔ ہم تم کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہین جو تمام مذاہب مین سب سے زیادہ مکمل ہے، اس نبی نے جب لوگون کو اس کی دعوت دی تو قریش نے سخت مخالفت کی، اس طرح یہودیون نے سب سے زیادہ عداوت ظاہر کی، لیکن نصاریٰ نسبتہً قریب تر تھے، قسم ہے کہ موسیٰ نے جس طرح عیسیٰ کی بشارت دی، اسی طرح عیسیٰ نے محمدؐ کی بشارت دی ہے، اور جس طرح تم یہودیون کو انجیل کی طرف بلاتے ہو، اسی طرح ہم تم کو قرآن کی دعوت دیتے ہین، انبیاؑ کے زمانۂ بعثت مین جو قوم موجود ہوتی ہے وہ ان کی امت ہوتی ہے اور اُس پر ان کی اطاعت فرض ہے، چونکہ تم نے ایک نبی کا زمانہ پایا ہے، اس لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہے، ہم تم کو دینِ مسیحؑ سے پھیرتے نہین، بلکہ اسی راہ پر لے جانا چاہتے ہین،[۵]

مقوقس:۔ کیا درحقیقت محمدؐ نبی ہین؟

حضرت حاطبؓ:۔ کیون نہین!

---

[۵] زاد المعاد جلد ۲ ص ۷۵،

Marfat.com

مقوقس: قریش نے جب ان کو اپنے شہر سے نکال دیا، تو انھوں نے بددعا کیون نہ کی؟

حضرت حاطب رض: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم رسولِ خدا ہین؟ اگر ایسا ہے تو انھون نے صلیب پر کیون نہین اپنی قوم کے لئے بددعا فرمائی؟

اس دلنشین جواب پر مقوقس نے بے اختیار صدائے تحسین وآفرین بلند کی اور بولا بیشک تم حکیم ہو اور ایک حکیم کی طرف سے آئے ہو یقین نے جہان تک غور کیا ہے، یہ نبی کسی لغو کام کا حکم نہین دیتا اور نہ پسندیدہ امور سے باز رکھتا ہے، مین اس کو نہ تو گمراہ جادوگر کہہ سکتا ہون، اور نہ جھوٹا کاہن، اس مین نبوت کی بہت سی نشانیان ہین، مین عنقریب اس پر غور کرون گا، اس کے بعد اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر ہاتھی دانت کے ایک ڈبہ مین بند کیا، اور مہر لگا کر اپنی پیش خدمت کنیز کی حفاظت مین دیا،

مقوقس نے حضرت حاطب رض کو نہایت عزت واحترام سے رخصت کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گرانقدر تحائف ساتھ کر دیئے جن مین ماریہ وسیرین دو لونڈیان، دلدل نام ایک خچر، اور بہت سے قیمتی کپڑے تھے[1]

غزوۂ فتح | ۸ھ مین فتحِ مکہ کی تیاریان ہوئین اور غنیم کو بے خبر رکھنے کے لئے تمام احتیاطی تدبیرین عمل مین لائی گئین، حضرت حاطب رض گو مکہ کے رہنے والے نہ تھے، تاہم ایام جاہلیت مین قریش سے جو تعلقات پیدا ہو گئے تھے اس نے ان کو احباب قدیم کی مواسات پر برانگیختہ کیا، انھون نے ان تیاریون کے متعلق خط لکھ کر ایک عورت کی معرفت مکہ کی طرف روانہ فرمایا لیکن کاشفِ غیب نے قبل از وقت اس راز کو طشت ازبام کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض حضرت زبیر رض اور حضرت مقداد رض کو حکم دیا کہ روضۂ خاخ کے پاس جا کر اس عورت سے خط چھین لائین

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حاطب بن ابی بلتعہ رض [2] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۷

غرض خط گرفتار ہو کر آیا اور پڑھا گیا تو آپ نے تعجب سے فرمایا "حاطب! یہ کیا ہے؟" عرض کی یا رسول اللہ میرے معاملہ مین عجلت نہ فرمائیے، مین قریشی نہین ہون تاہم ایام جاہلیت مین اُن سے تعلقات پیدا ہوگئے تھے، چونکہ تمام مہاجرین اپنے کی اعزہ و اقارب کی حمایت و مساعدت کرتے رہتے ہین، اس لئے مین نے بھی چاہا کہ اگر نسبی تعلق نہین ہے تو کم سے کم اس احسان کا معاوضہ ادا کردون جو قریش میرے رشتہ دارون کے ساتھ مرعی رکھتے ہین، مین نے یہ کام مذہب سے مرتد ہو کر یا کفر کو اسلام پر ترجیح دے کر نہین کیا ہے"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کچھ سچی بات تھی، اس نے ظاہر کردی، اس لئے اس کو کوئی برا نہ کہے، حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ خدا اور رسول اور مسلمانون کی خیانت کا مرتکب ہوا ہے، اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون" ارشاد ہوا "کیا وہ معرکۂ بدر مین شریک نہ تھا؟ خدا نے تمام اہل بدر کو اجازت دیدی ہے کہ تم جو چاہو کرو، تمھارے لئے جنت واجب ہوچکی ہے،" رحمۃ للعالمینؐ کی اس شانِ درگذر پر حضرت عمرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے[2]

اس واقعہ کے بعد اعدائے اسلام سے الفت و مودت کی ممانعت کی گئی اور قرآن پاک مین یہ آیت نازل ہوئی[3]

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ	اے وہ لوگ جو کہ ایمان لائے ہو میرے دشمن
وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ	اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی
وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ	طرف محبت سے پیش آتے ہو حالانکہ تمھارے
(ممتحنہ ع ۱)	پاس جو (مذہب) حق آیا ہے اس کا منکون

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [2] بخاری باب فضل من شہد بدراً [3] بخاری کتاب تفسیر باب تفسیر سورۃ الممتحنہ

نے انکار کیا ہے،

مصر کی سفارت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اوّل نے ان کو دوبارہ مقوقس کے دربار مین بھیجکر ان کی وساطت سے ایک معاہدہ ترتیب دیا جو حضرت عمرو بن العاصؓ کے حملہ مصر تک طرفین کا معمول بہ تھا۔[1]

وفات | ۶۵ برس کی عمر پاکر ۳۰ھ مین رہ گزین عالم جاودان ہوئے، حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور مسلمانون کے ایک بڑے مجمع نے سپرد خاک کیا۔[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

اخلاق | وفا شعاری، احسان پذیری اور صاف گوئی ان کے مخصوص اوصاف ہین، احباب اور رشتہ دارون کا بیحد خیال رکھتے تھے، فتح مکہ کے موقع مین انھون نے مشرکین کو جو خط لکھا وہ درحقیقت ان ہی جذبات پر مبنی تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی نیت خیر و عاقبت کو ملحوظ رکھکر ان سے درگذر فرمایا،

مزاج مین ذرا سختی تھی، چنانچہ وہ اپنے غلامون کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے وقت ان کی اصلاح کرکے دباتے تھے، ایک دفعہ ان کے ایک غلام نے دربار نبوت مین تشدد کی شکایت پیش کرکے کہا "یا رسول اللہ! حاطب یقیناً جہنم مین جائے گا" ارشاد ہوا "تو جھوٹ کہتا ہے، جو شخص بدر و حدیبیہ مین شریک ہوا ہے، وہ جہنم مین نہین جا سکتا"[3]

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت مین بھی بارہا غلامون کے ساتھ ان کے تشدد کی شکایتین سنی گئین، ایک دفعہ ان کے غلام نے قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ ذبح کر دیا تو انھون نے

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

اس کی پاداش میں نہایت سخت سزا مقرر کی، یہاں تک کہ خود خلیفۂ وقت نے ان کو بلا کر کہا معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو! اور تنبیہ و تادیب کے خیال سے ان کے معاوضہ میں دو چند قیمت پیش کی۔[1]

ذریعۂ معاش | تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، انھوں نے کھانے کی ایک دکان (رسٹورانٹ) سے نہایت کثیر نفع حاصل کیا چنانچہ وفات کے وقت چار ہزار دینار نقد اور بہت سے مکانات چھوڑے۔[2]

حلیہ | یہ تھا، موزون اندام، چہرہ خوبصورت، انگلیاں موٹی اور قد کسی قدر چھوٹا۔[3]

حضرت عبداللہ بن سہیل رضؓ

نام، نسب | عبداللہ نام، ابوسہیل کنیت، والد کا نام سہیل اور والدہ کا نام فاختہ بنت عامر تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:- عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل ابن عامر بن لوی،

اسلام | مکہ میں ایمان لائے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے۔[4]

حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر مقید کر دیا اور سخت اذیت پہنچائی، بالآخر حضرت عبداللہؓ ان جفا کاریوں سے تنگ آکر جمالِ توحید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے والدین اور مشرکین قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگانِ توحید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آگئے اور غزوۂ بدر میں شرک کی حمایت پر اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ جو دل نورِ ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا، غرض میدانِ بدر میں جب حق و باطل کے فدائی

[1] استیعاب جلد ۱ ص ۱۳۵ [2] طبقات ابن سعد قسم اجزء ۳ ص ۸۰ [3] ایضاً [4] استیعاب جلد ۱ ص ۳۶۹،

Marfat.com

ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ شرک کا ظاہری جامہ چاک کرکے آغاز جنگ سے پہلے لوائے توحید کے نیچے آکھڑے ہوئے،

غزوات | اس واقعہ پر ان کے والد کو سخت غصہ آیا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ وغضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے، لیکن اب وہ آزاد تھے، اخوانِ ملت کی پشت پناہی اور ہادیٔ دین کے سایۂ عاطفت نے دل بڑھادیا تھا، نہایت بہادری وشجاعت سے لڑے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح پر جنگ کا خاتمہ ہوا[1]

غزوۂ بدر کے علاوہ تمام مشہور معرکوں میں جانبازی وپامردی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، مکہ فتح ہوا تو انھوں نے دربارِ نبوت میں اپنے والد کے لئے امان طلب کی، آپ نے امان دی اور حاضرین سے فرمایا، "سہیل بن عمرو کو کوئی نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے، قسم ہے کہ وہ نہایت ذی عزت ودانشمند ہے، ایسا شخص محاسنِ اسلام سے ناواقف نہیں ہوسکتا، اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہیں"، حضرت عبداللہؓ نے اپنے والد کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے صاحبزادہ کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہوگیا، بولے "خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند ونیکوکار ہے"[2]

شہادت | حضرت عبداللہؓ تقریباً ۳۸ برس کی عمر پاکر ۱۲ھ میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے[3] اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

حضرت ابوبکرؓ حج کے لئے مکہ آئے تو ان کے والد سہیل کے پاس تعزیت کے لئے گئے، صابر وشاکر باپ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شہید اپنے ۷۰ اہل خاندان کی شفاعت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۹۵ [2] استیعاب جلد ا ص ۳۸۵ [3] ایضاً،

کرے گا، مجھ کو امید ہے کہ میرا لڑکا اس وقت مجھ کو فراموش نہ کرے گا۔[1]

حضرت عتبہ بن غزوان رضؓ

نام و نسب عتبہ نام، ابو عبد اللہ کنیت، غزوان بن جابر کے لخت جگر تھے، پورا سلسلہ نسب یہ ہے،

عتبہ بن غزوان بن جابر بن وہیب بن نسیب بن زید بن مالک بن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر، ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنی نوفل بن عبد مناف کا حلیف تھا۔[2]

اسلام حضرت عتبہؓ ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتدا ہی میں داعیٔ توحید کو لبیک کہا تھا،[3] چنانچہ ایک دفعہ انھوں نے تحدیث تقریر میں دعویٰ کیا تھا کہ سابقین اسلام میں ان کا ساتواں نمبر ہے۔[4] لیکن صحیح یہ ہے کہ اس وقت تک صحابۂ کرامؓ کا حلقہ اس سے زیادہ وسیع ہو چکا تھا،

ہجرت کفار مکہ کی ستم آرائیوں سے تنگ آکر ملک حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس چلے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک مکہ میں موجود تھے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور کفر و اسلام میں باہم نوک جھونک چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوا تو یہ اور حضرت مقدادؓ ایک قریشی مجس دستہ فوج کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، عکرمہ بن ابی جہل اس کا امیر عسکر تھا، راہ میں مجاہدین اسلام کی ایک جماعت سے مڈ بھیڑ ہوئی، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ اس کے افسر تھے، یہ دونوں موقع پا کر مسلمانوں

لہ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹ ۲ہ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ ۳ہ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۱ ۴ہ اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳ ۵ہ ایضاً

Marfat.com

سے مل گئے،[1] اور مدینہ پہنچکر حضرت عبد اللہ بن سلمہ عجلانیؓ کے مہمان ہوئے، یہان حضرت عتبہؓ اور حضرت ابو دجانہ انصاریؓ مین باہم مواخات ہوئی[2]

غزوات | تیراندازی کے لحاظ سے ان کا شمار کاملینِ فن مین تھا،[3] بدر، احد اور ان تمام معرکون مین جنمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس حصہ لیا، شجاعت و پامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے،[4]

سنہ ۱۴ھ مین خلیفۂ دومؓ نے ان کو بندرگاہ ابلہ میسان اور اس کے ملحقہ مقامات کی فتح پر مامور فرمایا، فرمان کے الفاظ یہ تھے،

"خدا کی نوازش و برکت پر اعتماد کرکے عرب کے انتہائی حدود اور مملکتِ عجم کے قریب ترین حصہ کی طرف اپنے ساتھیون کو لے کر روانہ ہوجاؤ، جہان تک ممکن ہو تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ، اور خیال رکھو کہ تم دشمن کی سرزمین مین جارہے ہو، مجھے امید ہے کہ خدا تمھاری مدد فرمائے گا، مین نے علاء بن الحضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کو بھیجکر تمھاری مدد کرین، وہ دشمن کے مقابلہ مین ایک نہایت سرگرم مجاہد اور صاحبِ تدبیر شخص ہین، تم ان کو اپنا مشیر بناؤ اور اہل عجم کو خدا کی دعوت دو، جو قبول کرے اس کو پناہ دو اور جو اس سے انکار کرے وہ محکومانہ عاجزی کے ساتھ جزیہ دے، ورنہ تلوار سے فیصلہ کرو، راہ مین جن عربی قبائل سے گذرو ان کو جہاد اور دشمن سے لڑنے پر برانگیختہ کرو اور ہرحال مین خدا سے ڈرتے رہو،[5]

حضرت عتبہؓ نے حسبِ فرمان اس مہم کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا، یعنی دریائے دجلہ کا تمام ساحلی علاقہ جو ابلہ، ابرقباذ اور میسان وغیرہ جیسے اہم مقامات پر مشتمل تھا، اسلام کا

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۹ [3] مستدرک جلد ۳ ص ۲۶۰، [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۳، [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴

Marfat.com

زیرنگین کردیا۔[1]

تعمیر بصرہ | اسی سال ان کو بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں خلیج فارس کے ذریعہ سے ہندوستان وفارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسانے کا حکم دیا گیا، حضرت عتبہؓ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ اس کفدست میدان میں تشریف لائے اور شہر کی داغ بیل ڈالی، ہر قبیلہ کے لئے ایک ایک محلہ مخصوص کردیا،[2] اور حضرت محجن بن الادرعؓ کو جامع مسجد کی تعمیر پر مامور فرمایا، عمارتیں اولاً گھانس پھوس سے چھائی گئی تھیں، چنانچہ جامع مسجد کی عمارت بھی بانس اور پھوس سے بنائی گئی تھی،[3]

ولایت | حضرت عتبہؓ اس نئے شہر کے سب سے پہلے والی مقرر ہوئے اور چھ مہینے تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی انجام دیتے رہے،[4] لیکن زہد و بے نیازی نے اس سے کنارہ کش ہونے پر آمادہ کردیا، ۱۵ھ میں حضرت مجاشع بن مسعودؓ کو جانشین بنا کر فرات کی طرف جنگجوئی کا حکم دیدیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو امامت کی خدمت سپرد کرکے حج کے خیال سے مکہ معظمہ تشریف لائے، یہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ موجود تھے، ان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا، لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، اور بصرہ واپس جانے کی ہدایت کی،[5]

وفات | حضرت عتبہؓ دل سے کنارہ کشی کے متمنی تھے، خلیفۂ وقت کے حکم سے مجبور ہو کر بصرہ کی طرف رہ نورد ہوئے، تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی "خدایا تو مجھے بصرہ نہ پہنچا"، دعا مقبول ہوئی، اتفاقاً راہ میں اونٹ سے گر کر واصل بحق ہوئے اور ۵۷ برس کی مفارقت کے بعد خاک کا پتلا خاک سے مل گیا۔[6] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اخلاق | ان کا چمن اخلاق گلہائے رنگا رنگ سے آراستہ ہے، تقویٰ، زہد، جفاکشی اور خاکساری

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۳ [2] فتوح البلدان بلاذری ذکر تعمیر البصرہ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۹ [5] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۶۴ [6] ایضاً،

Marfat.com

اس باغ کے سب سے خوش آیند پھول ہین، فرماتے ہین کہ مین نے اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک کہا تھا جب کہ صرف چھ آدمیون کو اس کی توفیق عطا ہوئی تھی، اور عسرت ونا داری کے باعث درخت کے پتون پر گذارہ کرنا پڑتا تھا جس سے آنتون مین زخم پڑ جاتے تھے[1]

زہد و بے نیازی نے منصبِ امارت جیسے پر فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، تکبر وغرور سے قطعی نفرت تھی، فرمایا کرتے تھے "مین خدا سے پناہ مانگتا ہون کہ لوگون کی نظرون مین حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھون"[2] انھون نے بصرہ کی جامع مسجد مین ایک خطبہ دیا تھا، یہان اس کے چند فقرے نقل کئے جاتے ہین، ان سے ان کے خوفِ قیامت، زہد اور خاکساری کا اندازہ ہوگا،

"اما بعد! دنیا رفتنی وگذشتنی ہے، اس کا بڑا حصہ گذر چکا ہے، اور اب صرف ریزش باقی ہے، جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینک دینے کے بعد آخر مین کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے، ہان! تم یقیناً اس دنیا سے ایک جگہ منتقل ہونے والے ہو جس کو کبھی زوال نہین، تو پھر کیون نہین بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے ہو؟ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر پتھر کا کوئی ٹکڑا جہنم کے کنارہ سے لڑھکا یا جائے تو ستر برس مین بھی وہ اس کی گہرائی کو طے نہین کر سکتا، لیکن خدا کی قسم تم اس کو بھر دوگے، کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے اس قدر وسیع ہون گے کہ چالیس سال مین اس کی مسافت طے ہو سکتی ہے، لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا، جب کہ ان پر سخت اژدحام ہوگا،

مین جب ایمان لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے، عسرت ونا داری کی یہ حالت تھی کہ درخت کے پتون پر گذارہ تھا جس سے آنتون مین زخم پڑ جاتے تھے مجھے ایک دفعہ ایک چادر مل گئی جس کو چاک کر کے مین نے اور سعد نے تہبند بنایا لیکن آج ہم

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۴، [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۰۷،

وہ بھی آیا جب ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ خدا کے نزدیک حقیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں نبوت ختم ہو چکی ہے، انجام کار بادشاہت قائم ہوگی اور تم عنقریب ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے[1]

حلیہ | یہ تھا قد طویل، مجموعی حیثیت سے حسین و خوبرو تھے[2]

حضرت عامر بن فہیرہؓ

نام و نسب | عامر نام، ابو عمرو کنیت، والد کا نام فہیرہ تھا، یہ طفیل بن عبد اللہ کے غلام تھے جو حضرت عائشہؓ کے اخیافی بھائی اور قبیلہ ازد کے ایک ممبر تھے،

اسلام | حضرت عامرؓ نے ابتدا ہی میں دعوتِ توحید کو آویزۂ گوش و ہوش بنایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے، غلاما نہ بے بسی کے ساتھ اس حق پسندی نے قدرۃً ان کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کیا، طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں، لیکن آخر وقت تک استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دستِ کرم نے قید غلامی سے نجات دلائی[3]،

ہجرت | ہجرت کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ غارِ ثور میں پوشیدہ ہوئے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ کے متعلق یہ خدمت تھی کہ وہ دن بھر مکہ کی چراگاہ میں حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتے، شام کو غار کے پاس لے آتے، یہاں ان کا دودھ دوھ کر استعمال کیا جاتا، صبح کے وقت حضرت عبد اللہ بن ابی بکرؓ جو عموماً شب کے وقت حاضر ہو کر مکہ کی سرگذشت سنایا کرتے تھے،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۴۰، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۹ [3] کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع الخ، [4] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۹۱

Marfat.com

واپس جاتے تو بکریوں کو ان کے نشانِ قدم پر سے چلتے کہ مشرکین کو کچھ شبہ نہ ہو[1] غرض جب یہ قافلہ غارِ ثور سے آگے بڑھا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا، مدینہ پہنچکر وہ حضرت سعد بن خیثمہؓ کے مہمان ہوئے، اور حضرت حارث بن اوسؓ ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے،[2]

ابتداءً مدینہ کی آب و ہوا جن لوگوں کو راس نہ آئی ان میں سے ایک حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی تھے، یہ اس قدر سخت بیمار ہوئے کہ زندگی سے یاس ہو گئی، شدتِ بحران کے وقت یہ اشعار ورد زبان ہوتے تھے،[3]

انی وجدت الموت قبل ذوقہ	ان الجبان حتفہ من فوقہ
میں نے موت سے پہلے اس کا مزہ چکھ لیا	بیشک بزدل کی موت اوپر ہی سے ہے
کل امرء مجاھد بطوقہ	کالثور یحمی انفہ بروقہ
ہر شخص اپنی طاقت سے کوشش کرتا ہے	جس طرح بیل اپنی ناک کو سینگ سے محفوظ رکھتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مہاجرین کرامؓ کی علالت کی خبر ملی تو آپ نے دعا فرمائی کہ اے خدا تو مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ہمارے لئے پسندیدہ بنا اور اس کو بیماریوں سے پاک کر دعا مقبول ہوئی اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے،[4]

غزوات

غزوۂ بدر و احد میں شریک تھے، ۴ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر قاریوں کی ایک جماعت کو مشرکین بیر معونہ کی تبلیغ و تلقین پر مامور فرمایا، حضرت عامر بن فہیرہؓ بھی اس میں شامل تھے، قبائل رعل و ذکوان وغیرہ نے غداری کے ساتھ اس تمام جماعت کو شہید کر دیا، صرف حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ زندہ گرفتار ہوئے، عامر بن طفیل نے ان سے ایک لاش کی طرف اشارہ

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۶۷، [3] اصابہ تذکرہ عامر بن فہیرہ [4] بخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ،

کرکے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بولے "عامر بن فہیرہؓ"، اس نے کہا کہ مین نے ان کو مقتول ہونے کے بعد دیکھا کہ آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے، یہان تک کہ آسمان وزمین کے درمیان بالکل معلق نظر آئے پھر زمین پر رکھدیئے گئے۔[1]

تعجب انگیز شہادت حضرت عامر بن فہیرہؓ کے سینہ سے جس وقت جبار بن سلمی کا نیزہ پار ہوا تو بیساختہ ان کی زبان سے نکلا، "خدا کی قسم مین کامیاب ہوگیا" لاش تڑپ کر آسمان کی طرف بلند ہوئی، ملائکہ نے تجہیز وتکفین کی، اور روح اقدس کے لئے اعلیٰ علیین کے دروازے کھولدیئے گئے، جبار بن سلمی کو اس کرشمۂ قدرت نے سخت متعجب کیا اور وہ متاثر ہو کر شرف بہ اسلام ہوئے۔[2]

اخلاق حضرت عامر بن فہیرہؓ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو سیاہ فام حبشی تھے، ذاتی وجاہت کا یہ حال تھا کہ ۴۰ سالہ زندگی کا بڑا حصہ ستم پیشہ آقاؤن کی غلامی مین بسر ہوا، لیکن فطری جوہر اخلاق ان ظاہر فریب آرائشون کا محتاج نہین، وہ حلۂ شہی وخرقۂ گدائی مین یکسان اپنی چمک دکھاتا ہے انھون نے گوناگون مصائب ومظالم کے مقابلہ مین جس طرح استقلال واستقامت کا اظہار فرمایا وہ یقیناً ان کے دستار فضل کا ایک نہایت خوشنما طرہ ہے،

رازداری کا یہ حال ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نازک سے نازک موقع پر ان کو اپنا معتمد علیہ بنایا، شوق شہادت نے ان کو دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا، چنانچہ غزوۂ بیر معونہ مین جب برچھا جگر سے پار ہوگئی تو یہ کلمہ زبان پر تھا، فزت واللہ، یعنی خدا کی قسم مین کامیاب ہوگیا۔[3]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع،

[2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۷،

[3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۳۷،

Marfat.com

حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد

نام ونسب عبد اللہ نام، ابو سلمہ کنیت، والد کا نام عبد الاسد اور والدہ کا نام برہ بنت عبد المطلب تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:- عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم القرشی المخزومی[۱]

ان کی والدہ حضرت برہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس لحاظ سے وہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی نیز بروایت صحیحین رضاعی بھائی تھے،

اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقمؓ بن ابی ارقم کے مکان میں پناہ گزین ہونے سے پہلے حلقہ مومنین میں داخل ہوئے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے[۲]

ہجرت حضرت ابو سلمہؓ سرزمین حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ بھی رفیق سفر تھیں، پھر حبش سے واپس آکر عازم مدینہ ہوئے، بخاری کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے مہاجر تھے جو وارد یثرب ہوئے، لیکن دوسری روایت میں اولیت کا سہرا حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سر باندھا گیا ہے، علامہ ابن حجر ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(حضرت) ابو سلمہؓ جب حبش سے مکہ واپس آئے تو مشرکین نے پھر ان کو ہدف اذیت بنایا، اس بنا پر ان کا مدینہ آنا مشرکین کے خوف سے تھا، مستقل ہجرت کا ارادہ نہ تھا، برخلاف اس کے (حضرت) مصعب بن عمیرؓ اس وقت پہنچے جب کہ مستقل ہجرت کا حکم ہو چکا تھا، اس لئے ان دونوں روایتوں

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۸۱ [۲] ایضاً

Marfat.com

مین باہم تخالف نہین ہے[1] بہرحال حضرت ابو سلمہؓ سب سے پہلے مدینہ پہنچے، یہ محرم کی دسوین تاریخ تھی، خاندان عمرو بن عوف نے ان کو کامل دو ماہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک اپنا مہمان رکھا[2]

مواخات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خیثمہؓ انصاریؓ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا[3]

غزوات غزوۂ بدر و احد مین سرگرم پیکار تھے، معرکۂ احد مین ابو اسامہ جشمی کے ایک تیر نے ان کا بازو زخمی کر دیا جو کامل ایک ماہ تک زیر علاج رہنے کے بعد بظاہر مندمل ہوگیا، لیکن غیر محسوس طریقہ پر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا رہا[4] اسی اثنا مین وہ سریۂ قطن پر مامور ہوئے جس کی تفصیل یہ ہے،

سریۂ قطن نجد کے اطراف مین قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا دامن بنو اسد بن خزیمہ کا مسکن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ طلیحہ اور اسد بن خویلد یہان اپنی قوم اور دوسرے زیر اثر قبائل کو جنگ کے لئے ابھار رہے ہین، اس بنا پر اوائل محرم سنہ ۴ھ مین حضرت ابو سلمہؓ کے زیر سیادت تقریباً ڈیڑھ سو مجاہدین کی ایک جماعت جس مین مہاجرین و انصار دونون شریک تھے قبل از وقت اس فتنہ انگیز تحریک کو دبانے پر مامور ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سلمہؓ کو علم دے کر فرمایا، "روانہ ہو جاؤ یہان تک کہ بنو اسد کی سرزمین مین پہنچ کر ان کی جمعیت کے فراہم ہونے سے پہلے ان کا شیرازہ منتشر کر دو"

حضرت ابو سلمہؓ غیر معروف راستہ سے یلغار کرتے ہوئے یکایک بنو اسد پر جا پڑے، وہ اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تو انھون نے اپنی جماعت کو تین دستون پر منقسم کر کے ان کے تعاقب پر مامور فرمایا چنانچہ وہ دشمن کو دور تک بھگا کر نہایت کثرت کے ساتھ اونٹ اور

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۲۰۰، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۱، [3] ایضاً، [4] ایضاً،

Marfat.com

بھیڑ بکریاں چھین لائے جن کو حضرت ابو سلمہؓ نے مدینہ پہنچکر بطور مالِ غنیمت دربار نبوت میں پیش کیا[1]

وفات حضرت ابو سلمہؓ اس مہم سے واپس آئے تو زخم پھر عود کر آیا اور ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳ر جمادی الآخر سنہ ۴ھ میں واصل بحق ہوئے، اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عین حالتِ نزع میں عیادت کے لئے تشریف لائے تھے، روح دیدارِ جمال کی منتظر تھی، ادھر آپ تشریف لائے اور اُدھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا، آپ نے دست مبارک سے ان کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا، انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی آنکھیں اس کے دیکھنے کے لئے کھلی رہجاتی ہیں[2]

ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں مصروفِ ماتم تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روک کر فرمایا کہ یہ دعاے خیر کا وقت ہے کیونکہ ملائکۂ آسمانی جو میت کے پاس موجود ہوتے ہیں وہ دعا گویوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں، پھر خود اس طرح دست بدعا ہوئے "خدایا! اس کی قبر کو کشادہ و روشن کر، اس کو پُرنور بنا، اس کے گناہوں کو بخشدے اور ہدایت یاب جماعت میں اُس کا درجہ بلند فرما"[3]

تجہیز و تکفین حضرت ابو سلمہؓ نے مدینہ کے قریب مقام عالیہ میں وفات پائی کیونکہ وہ قبا سے منتقل ہوئے تو یہیں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے، بنی امیہ بن زید کے کنوئیں یسیرہ[4] کے پانی نے غسل دیا اور مدینہ کی خاک پاک نے اپنے دامن میں چھپایا[5] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،

فضائل و محاسن حضرت ابو سلمہؓ کا پایۂ فضل و کمال نہایت بلند ہے، وہ بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کی عیادت فرمایا کرتے تھے[6]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز ابو سلمہ دربار نبوت سے خوش خوش گھر واپس آئے

---

[1] طبقات ابن سعد حصۂ مغازی سریۂ ابو سلمہ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۰ [3] ایضاً [4] ایام جاہلیت میں یہ کنواں برعبیر کے نام سے مشہور تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بدل کر یسیرہ نام رکھا، (ایضاً ص ۱۷۱) [5] ایضاً ص ۱۷۱ [6] اصابہ تذکرۂ ابو سلمہ

Marfat.com

اور کہنے لگے کہ آج مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد نے بیحد محظوظ کیا، آپ نے فرمایا ہے کہ جو مصیبت زدہ مسلمان اپنی مصیبت میں خدا کی طرف رجوع کرکے کہتا ہے، "اے خدا! اس مصیبت میں میری مدد کر اور بہتر نعم البدل عطا فرما"، تو خدا اس کی دعا قبول فرماتا ہے، چنانچہ ابو سلمہؓ کی وفات نے جب مجھے صدمہ پہنچایا تو میں نے خدا کی طرف رجوع کرکے کہا، اے خدا! میری مدد کر اور تلافی بالخیر فرما، لیکن پھر یہ خیال گذرا کہ میرے لئے ابو سلمہ کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟ عدت گذرنے کے بعد جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیام بھیجا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا نے تلافی بالخیر کی صورت پیدا کر دی،[1]

اولاد حضرت ابو سلمہؓ نے دو لڑکے سلمہ و عمر اور دو لڑکیاں زینب اور درہ یادگار چھوڑیں، ان کی تمام اولاد حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ سے ہوئی تھی جو ان کے بعد امہات المومنین رضہ میں داخل کی گئیں،[2]

حضرت عبداللہ بن جحشؓ

نام و نسب عبداللہ نام، ابو محمد کنیت، والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- عبداللہ بن جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی،

حضرت عبداللہؓ کی والدہ امیمہ عبدالمطلب کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، ایام جاہلیت میں وہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، بعضوں نے قبیلۂ بنی عبدشمس کو ان کا حلیف لکھا ہے، لیکن ان دونوں روایتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ حرب بن امیہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۷، [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۷۰،

Marfat.com

اسی قبیلہ کا ایک ممبر تھا[1]

اسلام | حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ابتدا ہی مین داعیِ اسلام کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان مین پناہ گزین نہین ہوئے تھے[2]

ہجرت | مشرکینِ قریش کے دستِ تظلم سے یہ خاندان بھی محفوظ نہ تھا، انھون نے دو دفعہ سرزمینِ حبش کی طرف ہجرت فرمائی، آخری سفر مین تمام خاندان یعنی دو بھائی ابو احمد، عبید اللہ اور ہمشیرین زینب، ام حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبید اللہ کی بیوی ام حبیبہ بنت ابی سفیان ساتھ تھین،

عبید اللہ نے حبش مین نصرانیت اختیار کر لی اور وہین پیوندِ خاک ہوا، حضرت عبداللہ ابن جحشؓ اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے، اور یہان سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبرون کو جو سب کے سب دائرۂ اسلام مین داخل ہو گئے تھے ساتھ لے کر مدینہ پہنچے، انھون نے اپنے رشتہ دارون سے اس طرح مکہ کو خالی کر دیا تھا کہ محلہ کا محلہ بے رونق ہو گیا، اور بہت سے مکانات مقفل ہو گئے[3]

مدینہ مین حضرت عاصم بن ثابت بن ابی الافلح انصاریؓ نے ان کے تمام قبیلہ کو اپنا مہمان بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونون مین بھائی چارہ کرا دیا تھا[4]

غزوات | ماہ رجب ۲ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک جمعیت کی امارت سپرد کی اور سربمہر فرمان دے کر حکم دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھین اور اس کی ہدایتون کو اپنا طرزِ عمل بنائین، حضرت عبداللہؓ نے حسب ارشاد دو منزلون کے بعد کھول کر پڑھا، اس مین حکم دیا گیا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہان پہنچکر قریش کی نقل و حرکت اور دوسرے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲ و ۶۳ [4] ایضاً ص ۶۲

Marfat.com

ضروری حالات کا پتہ چلائیں، انھوں نے نہایت ادب کے ساتھ اس حکم پر سمعاً و طاعۃً کہا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولے دوستو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو پورا کرکے رہوں گا، تم لوگوں میں سے جو شہادت کا آرزومند ہو ساتھ چلے اور جو اس کو ناپسند کرتا ہو وہ لوٹ جائے میں کسی کو مجبور نہیں کرتا، اس تقریر پر سب نے جوش کے ساتھ رفاقت و جاں نثاری کی حامی بھری اور نخلستان پہنچکر قریش کے تجسس میں مصروف ہوئے، اتفاقاً اس طرف سے ایک تجارتی قافلہ گذرا، گو ماہِ رجب میں مراسمِ جاہلیت کے مطابق قتل و خونریزی ناجائز تھی، تاہم مسلمانوں نے اس پر حملہ آور ہونے کی رائے قائم کرلی، اور یکایک ٹوٹ پڑے عمرو بن حضرمی جو اس قافلہ کا سرگروہ تھا مارا گیا، عثمان بن عبداللہ اور حکیم بن کیسان گرفتار ہوئے بہت سامالِ غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبداللہ بن جحش نے اس میں سے ایک خمس نکال کر باقی بہ حصۂ مساوی تمام شرکائے جنگ میں تقسیم فرمادیا، اس وقت تک تقسیمِ غنیمت کے متعلق کوئی قانون وضع نہیں ہوا تھا، لیکن حضرت عبداللہ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا، اور قرآن میں اسی کے مطابق خمس کی آیت نازل ہوئی،

حضرت عبداللہ بن جحش مالِ غنیمت کا خمس لے کر دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس کے لینے میں پس و پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے تم کو ماہ حرام میں خونریزی کا حکم نہیں دیا تھا، مسلمانوں نے بھی اس جسارت پر ملامت کی، قریش نے اس واقعہ کو زیادہ شہرت دی اور کہنے لگے کہ محمد اور ان کے اصحاب نے ماہِ محرم کو حلال کرلیا، اور قتل و خونریزی کرکے اس کی بے حرمتی کی لیکن وحیِ الٰہی نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ان جگردوز طعنوں سے بری کردیا،[1]

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ — لوگ تم سے ماہِ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۴

Marfat.com

فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ	کہ اس میں لڑنا (جائز) ہے، کہدو کہ اس
سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا
وَاِخْرَاجُ اَهْلِهِ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ	اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے (باز رکھنا)
وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ،	اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا خدا کے
(بقرہ ع ۲۷)	نزدیک اس سے (بھی) بڑھ کر ہے اور فساد
	کشت وخون سے زیادہ برا ہے،

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوۂ بدر واحد میں شریک تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے ایک روز پہلے میں نے اور عبداللہ نے ایک ساتھ دعا مانگی تھی، میرے الفاظ یہ تھے، "اے خدا! کل جو دشمن میرے مقابلہ میں آئے، وہ نہایت بہادر اور غضبناک ہو تاکہ میں تیری راہ میں اس کو قتل کروں"، عبداللہ نے آمین کہا، پھر دست بدعا ہوئے "خدایا! مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو، میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کرکے ناک کان کاٹ ڈالے، جب میں تجھ سے ملوں گا اور تو فرمائے گا اے عبداللہ تیرے کان، ناک کیوں کاٹے گئے؟ تو عرض کروں گا تیرے لئے اور تیرے رسول کے لئے" ان کو اپنی یہ تمنا اس قدر متوقع الحصول نظر آتی تھی کہ قسم کھا کھا کر کہتے تھے "خدایا! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ میں دشمن سے لڑوں گا، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کرکے میرا مثلہ کرے گا۔"[1]

شہادت غرض ۷ شوال ۳ھ سنیچر کے روز معرکۂ کارزار گرم ہوا، حضرت عبداللہ بن جحشؓ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی چھڑی مرحمت فرمائی جس نے ان کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیا، دیر تک لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں ابوالحکم

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱،

Marfat.com

ابن اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کردی، مشرکین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک کان کاٹ کر دھاگے میں پروئے، حضرت سعدؓ نے دیکھا تو بولے "خدا کی قسم عبد اللہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی"[۱]

چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پائی، اپنے ماموں سید الشہدا حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ ایک ہی قبر میں مدفون ہوئے[۲] اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اخلاق | گذشتہ واقعات سے ان کے مذہبی جوش و وارفتگی کا اندازہ ہوا ہوگا، جفاکشی اُن کی فطرت میں داخل تھی، چنانچہ نخلستان کی مہم پر مامور کئے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھیوں سے فرمایا تھا، "گو عبد اللہ بن جحش تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہے، تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کرسکتا ہے"[۳] خدا اور رسول کی محبت نے ان کو تمام دنیا سے بے نیاز کردیا تھا، انھیں اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جانِ عزیز کسی طرح راہ خدا میں نثار ہوجائے چنانچہ یہ آرزو پوری ہوئی، اور المجدع فی اللہ یعنی گوش بریدۂ راہِ خدا ان کے نام کا نفس امتیازی ہوگیا،[۴]

حلیہ | حلیہ یہ تھا قد میانہ، سر کے بال نہایت گھنے،[۵]

اولاد | حضرت عبد اللہؓ کے ازواج و اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، غالباً ایک لڑکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ولی تھے، اور آپ نے اس کے لئے خیبر میں جائداد بھی خرید فرمائی تھی،[۶]

حضرت عکاشہ بن محصنؓ

نام، نسب | عکاشہ نام، ابو محصن کنیت، محصن بن حرثان کے نورِ نظر تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے،

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۱۔ [۲] ایضاً ص ۱۳۲۔ [۳] اصابہ تذکرۂ عبد اللہ بن جحش [۴] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۳۲ [۵] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۲ [۶] ایضاً،

Marfat.com

عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی،
ایام جاہلیت میں بنی عبد شمس کے حلیف تھے[1]

اسلام و ہجرت | مکہ میں قبل ہجرت بادۂ ایمان سے مخمور ہوئے، ساقیِ اسلام نے جب یثرب کا رخ کیا تو یہ بھی قدح خوارانِ توحید کے ساتھ مدینہ پہنچے[2]

غزوات | غزوۂ بدر میں غیر معمولی جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے، ان کی تیغ و دم ریزے ریزے ہو کر اڑ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھجور کی ایک چھڑی مرحمت فرمائی جس نے خنجر خار اشگاف بنکر دشمن کا صفایا کر دیا، وہ آخر وقت تک اس سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ حق نے فتح پائی اور باطل مغلوب ہوا[3]

اس معرکہ کے علاوہ احد، خندق اور تمام دوسری مشہور جنگوں میں جوش و پامردی کے ساتھ نبرد آزما تھے، ماہ ربیع الاول سنہ ہجری میں چالیس آدمیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ بنو اسد کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ کی راہ میں چشمہ غمر پر خیمہ افگن تھے، حضرت عکاشہؓ نہایت تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے موقع پر جا پہنچے لیکن وہ خائف ہو کر پہلے ہی بھاگ گئے تھے، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی، صرف دوسو اونٹ اور بھیڑ بکریاں گرفتار کر کے لے آئے[4]

شہادت | سنہ ۱۲ھ میں خلیفۂ اولؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو طلیحہ کی بیخ کنی پر مامور فرمایا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علمِ نبوت بلند کیا تھا، حضرت عکاشہؓ اپنے رہوار زرام اور حضرت ثابت بن اقرمؓ اپنے گھوڑے محبر پر سوار ہو کر اس فوج کے آگے آگے طلیعہ کی خدمت انجام دے رہے تھے، اتفاقاً راہ میں غنیم کے سواروں سے مڈبھیڑ ہو گئی جس میں خود طلیحہ اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھا، طلیحہ نے حضرت عکاشہ پر حملہ کیا اور سلمہ حضرت ثابت بن اقرمؓ پر جا پڑا، وہ شہید

---

[1] اسد الغابہ جلد ۴ص ۲ [2] ایضاً ص ۳ [3] استیعاب تذکرۂ عکاشہ [4] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۱

ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا، سلمہ! جلدی میری مدد کو آؤ، یہ مجھے قتل کئے ڈالتا ہے،" وہ فارغ ہوچکا تھا اس لئے یکایک ٹوٹ پڑا اور دونوں نے اس شیر کو نرغہ میں لے کر شہید کر دیا۔[1]

تجہیز و تکفین اسلامی فوج ظفر موج جب ان دونوں شہیدانِ ملت کے قریب پہنچی تو ایسے جواہر پاروں کے فقدان کا سب کو نہایت شدید قلق ہوا حضرت عکاشہؓ کے جسم پر نہایت خوفناک زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہوگیا تھا حضرت خالد بن ولیدؓ امیر عسکر گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلودہ پیراہن کے ساتھ زیر زمین نہاں کیا۔[2] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

فضل و کمال فضل و منقبت کے لحاظ سے اکابر و ساداتِ صحابہؓ میں شمار تھا، صاحبِ اسد الغابہ لکھتے ہیں، کان من سادات الصحابۃ وفضلاھم[3] ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب بخشدیئے جائیں گے، انھوں نے معصومانہ سادگی کے ساتھ عرض کی "یا رسول اللہ! میں،" فرمایا "تم بھی ان ہی میں ہو،" اس پر ایک دوسرے شخص نے اپنی نسبت پوچھا تو ارشاد ہوا، "عکاشہ تم پر سبقت لے گیا،" اس واقعہ کے بعد سے یہ جملہ ضرب المثل ہوگیا، اور جب کوئی کسی پر سبقت لے جاتا تو کہتے "فلاں عکاشہ کی طرح سبقت لے گیا"[4]

حضرت ابوحذیفہؓ

نام، نسب ہشیم نام، ابوحذیفہ کنیت، والد کا نام عتبہ اور والدہ کا نام ام صفوان تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی[5]

اسلام حضرت ابوحذیفہؓ کے والد عتبہ ان ذی اثر رؤسائے قریش میں تھے جنھوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی لیکن ارادۂ خداوندی میں کون مانع ہوسکتا

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۱ [2] ایضاً [3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳ [4] بخاری [5] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۰

Marfat.com

ہے؟ خود عتبہ کے لختِ جگر حضرت ابوحذیفہؓ نے اس وقت داعیٔ اسلام کو لبیک کہا جب کہ بظاہر اس دعوت کے کامیاب ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور فرزندانِ توحید کی ایک نہایت مختصر جماعت کسمپرسی کے ساتھ اسیرِ پنجۂ ظلم وجفا تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے،[1]

ہجرت حضرت ابوحذیفہؓ سرزمینِ حبش کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے، ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ بھی رفیقِ سفر تھیں، چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ حبش ہی میں پیدا ہوئے تھے،[2]

حبش سے مکہ واپس آئے، یہاں ہجرت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس بنا پر اپنے غلام حضرت سالمؓ کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے،[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں باہم مواخات کرادی،[4]

غزوات عہدِ نبوی کے تمام اہم مشہور معرکوں میں جوش وپامردی کے ساتھ سرگرمِ کارزار تھے، خصوصاً غزوۂ بدر میں کیسا عبرت انگیز منظر تھا جب کہ ایک طرف سے ان کے والد اور دوسری طرف سے یہ جوہرِ شجاعت دکھا رہے تھے، حقانیت کے جوش نے خویش وبیگانہ کی تمیز اٹھادی تھی، انہوں نے اپنے والد کو مقابلہ کے لئے للکارا، اس پر ان کی بہن ہند بنت عتبہ نے اشعارِ ذیل میں ملامت کی،[5]

الاحول الاثعل المشئوم طائرہ	ابوحذیفۃ شر الناس فی الدین
احول بڑے دانت والا جس کا طائرِ بخت شوم ہے	یعنی ابوحذیفہ جو مذہب میں نہایت برا ہے۔
اما شکرت ابا ربّاک من صغر	حتی شببت شبابا غیر محجون
کیا تو اپنے باپ کا شکرگزار نہیں ہے جس نے بچپن سے تیری پرورش کی	یہاں تک کہ تو نے بے داغ جوانی پائی،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹ [2] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۰، [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹، [4] استیعاب تذکرۂ ابوحذیفہؓ [5] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۹،

Marfat.com

معرکۂ بدر میں عتبہ بن ربیعہ اور اکثر رؤسائے قریش تہ تیغ ہوئے اور ایک غار میں ڈالدیئے گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرداً فرداً نام لے کر فرمایا، اے عتبہ! اے شیبہ! اے امیہ بن خلف! اے ابو جہل!! کیا تم نے وعدۂ الٰہی کو حق پایا؟ مجھ سے تو جو کچھ وعدہ ہوا تھا وہ سچ ثابت ہوا[1]، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس وقت حضرت ابو حذیفہؓ کا چہرہ نہایت اداس تھا، آپ نے غمگین دیکھکر پوچھا، ابو حذیفہ! شاید تم کو اپنے باپ کا کچھ افسوس ہے، عرض کی "خدا کی قسم نہیں! مجھے اس کے مقتول ہونے کا صدمہ نہیں ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ایک ذی عقل، پختہ کار و صاحب رائے شخص تھا، اس بنا پر امید تھی کہ وہ دولتِ ایمان سے متمتع ہوگا، لیکن جب کہ حضور نے حالتِ کفر پر اس کے مرنے کا یقین دلادیا تو مجھے اپنے غلط توقع پر افسوس ہوا[2]،

شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں علم نبوت بلند کیا، دار الخلافت سے جو فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی اس میں شریک ہوئے اور دادِ شجاعت دیکر ۵۴ برس کی عمر میں داصل بحق ہوئے[3]، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

اخلاق حضرت ابو حذیفہؓ اپنی اخلاقی بلندی کے لحاظ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی صف میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، حق پسندی، جفاکشی و جوشِ ایمان کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہوا ہوگا، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت سالمؓ ان کی بیوی حضرت ثبیتہ انصاریہؓ کے غلام تھے، انھوں نے ان کو آزاد کردیا تو حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنا متبنٰی بنالیا چنانچہ وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے[4]،

حضرت ابو حذیفہؓ نہایت غیور تھے، قرآن پاک نے جب اس کی تصریح کردی کہ منہ بولا بیٹا محرم نہیں ہوتا تو ان کو حضرت سالمؓ کا زنانخانہ میں آنا جانا ناگوار گذرنے لگا چنانچہ ان کی زوجۂ محترمہ

[1] بخاری جلد ۲ ص ۵۶۶ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۶۹ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ق ۱ [4] ایضاً،

Marfat.com

حضرت سہلہ بنت سہیل رضؓ نے دربارِ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کی "یارسول اللہ! سالم اپنے لڑکے کی طرح گھر میں آتا جاتا تھا، لیکن ابوحذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے" ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلادو تو تمہارا محرم ہوجائے گا، غرض اس طرح متبنیٰ ہونے کے ساتھ وہ رضاعی فرزند بھی ہوگئے۔[1]

حلیہ | یہ تھا قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت چشم احول سامنے کی طرف ایک دانت زیادہ،

ازواج | حضرت ابوحذیفہ رضؓ نے متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں، سہلہ رضؓ بنت سہیل، آمنہ بنت عمرو، ثبیتہ بنت یعار انصاریہ[2]

اولاد | محمد بن ابی حذیفہ رضؓ حضرت سہلہ کے بطن سے حبش میں پیدا ہوئے، حضرت عثمان رضؓ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، طرفدارانِ امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ سے مصر میں مقتول ہوے، عاصم بن ابی حذیفہ رضؓ حضرت آمنہ بنت عمرو رضؓ سے پیدا ہوئے، چونکہ یہ دونوں لاولد فوت ہوئے، اس لئے حضرت ابو حذیفہ رضؓ کا سلسلۂ نسل منقطع ہوگیا۔[3]

حضرت سالم رضؓ مولیٰ ابی حذیفہ رضؓ

نام ونسب | سالم نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کے نام میں اختلاف ہے، بعض عبید بن ربیعہ اور بعض معقل لکھتے ہیں، یہ ایرانی الاصل ہیں، اصطخر ان کا آبائی مسکن تھا، حضرت ثبیتہ رضؓ بنت یعار انصاریہ رضؓ کی غلامی میں مدینہ پہنچے، انہوں نے آزاد کردیا، تو حضرت ابوحذیفہ رضؓ نے ان کو اپنا متبنیٰ کرلیا، اس لحاظ سے ان میں انصار و مہاجر کی دونوں حیثیتیں مجتمع ہیں،[4]

وہ عموماً سالم بن ابی حذیفہ کے نام سے مشہور تھے، حضرت ابوحذیفہ رضؓ بھی ان کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتے تھے اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے بیاہ دیا تھا، لیکن جب قرآن میں یہ آیت نازل

[1] بخاری [2] طبقات ابن سعد ص ۵۹، [3] ایضاً [4] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۵

ہوئی "ادعوھم لاٰبائھم" یعنی لوگون کو اپنے نسبی آبار کے انتساب سے پکار اکرو، تو حضرت سالمؓ بھی ابن کے بجائے مولیٰ ابی حذیفہ کے لقب سے مشہور ہوئے،[1]

حضرت سالمؓ جوان ہوئے اور قرآن نے خود ساختہ ابوت و بنوت کے تعلق کو کالعدم کردیا تو حضرت ابوحذیفہؓ کو ان کا زنان خانہ مین آنا جانا ناگوار گذرنے لگا، چنانچہ ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوکر عرض کی "یارسول اللہ! سالم کو ہم اپنا لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمیشہ گھر مین آیا جاتا تھا، لیکن اب ابوحذیفہ کو ناگوار گذرتا ہے" ارشاد ہوا کہ اس کو دودھ پلا دو تو وہ تمھارا محرم ہوجائے گا، غرض اس طرح وہ حضرت ابوحذیفہؓ کے رضاعی فرزند ہوگئے، لیکن ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہین کہ یہ سالم کے لئے مخصوص اجازت تھی، ورنہ جوانی کی حالت مین رضاعت ثابت نہین ہوتی،[2]

اسلام وہجرت | حضرت سالمؓ غالباً مکہ مین حضرت ابوحذیفہؓ کے ساتھ مسکن گزین تھے، دعوتِ اسلام کا غلغلہ بلند ہوا تو انھون نے ابتدا ہی مین لبیک کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے مواخات کرادی،[3]

ہجرت کے موقع مین حضرت ابوحذیفہؓ کے ہمراہ تھے، مدینہ پہنچکر حضرت عباد بن بشرؓ کے مہمان ہوئے اور حضرت معاذ بن ماعص انصاریؓ سے مواخات ہوئی،[4]

غزوات | غزوۂ بدر، احد، خندق اور عہد نبویؐ کی تمام جنگون مین معرکہ آرا تھے، عہد صدیقی مین یمامہ کی مہم پر بھیجے گئے، مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ مین تھا، ایک شخص نے اس پر نکتہ چینی کی اور کہا "ہم کو تمھاری طرف سے اندیشہ ہے اس لئے ہم کسی دوسرے کو علمبردار بنائین گے" بولے "اگر مین بزدلی دکھاؤن تو مین سب سے زیادہ بدبخت حاملِ قرآن ہون" یہ کہکر نہایت جوش کے ساتھ حملہ آور

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی من حرم [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۶۱ [4] ایضاً،

Marfat.com

ہوئے اور درحقیقت انھون نے اپنے کو بہترین حاملِ قرآن ثابت کیا، اثنائے جنگ مین داہنا ہاتھ قلم ہوا تو بائین ہاتھ نے قائم مقامی کی، وہ بھی شہید ہوا تو دونون بازوؤن سے حلقہ مین لیکر لوائے توحید کو سینہ سے چمٹا دیا، زبان پر یہ فقرہ جاری تھا،[1]

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ وَكَاَيِّنْ مِّنْ	محمد صرف ایک رسول ہین اور کتنے انبیاء
نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ	ایسے ہین جن کے ساتھ بہت سے اللہ
(اٰل عمران ع ۱۵)	والون نے جہاد کیا ہے،

شہادت زخمون سے چور ہو کر گرے تو پوچھا، ابو حذیفہ نے کیا کیا؟ لوگون نے کہا، شہید ہوئے۔ بولے "اس شخص نے کیا کیا جس نے مجھ سے اندیشہ ظاہر کیا تھا؟" جواب دیا گیا کہ وہ بھی شہید ہوئے فرمایا "مجھے ان دونون کے درمیان دفن کرنا"[2]

ابن سعد کی روایت ہے کہ جنگِ یمامہ کے موقع پر جب مسلمانون کے پاؤن پیچھے پڑنے لگے تو حضرت سالمؓ نے کہا، "افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہمارا یہ حال نہ تھا" وہ اپنے لئے ایک گڑھا کھود کر اس مین کھڑے ہوگئے اور علم سنبھالے ہوئے آخری لمحۂ حیات تک جانبازانہ شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، اختتامِ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو اس شہیدِ ملت کا سر اپنے منھ بولے باپ (حضرت) ابوحذیفہؓ کے پاؤن پر تھا،[3] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ،

فضل وکمال حضرت سالمؓ ان بزرگون مین تھے جو طبقۂ صحابہؓ مین فنِ قرأت کے امام سمجھے جاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ قرآن چار آدمیون سے حاصل کرو یعنی ابن مسعودؓ سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے،[4] خدائے پاک نے خوش گلو اس قدر بنایا تھا کہ جب آیاتِ قرآنی تلاوت فرماتے تو لوگون پر ایک عالم محویت طاری ہوجاتی اور

[1] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶ [2] ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۶۰ [4] بخاری،

Marfat.com

رہ گیر ٹھٹک کر سننے لگتے، ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے میں دیر ہوئی، آپ نے توقف کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ ایک قاری تلاوت کر رہا تھا اس کے سننے میں دیر ہوگئی اور خوش الحانی کی اس قدر تعریف کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود چادر سنبھالے ہوئے باہر تشریف لے آئے، دیکھا تو سالم مولی ابی حذیفہ ہیں، آپ نے خوش ہو کر فرمایا "خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے جیسے شخص کو میری امت میں بنایا"[۱]

حضرت سالمؓ اپنی خوش الحانی و حفظِ قرآن کے باعث صحابۂ کرامؓ میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جس قدر مہاجرین مدینہ پہنچے تھے، (حضرت) سالمؓ مسجد قبا میں ان کی امامت کرتے تھے[۲]

وہ مسجد قبا کے امام تھے، مہاجرین اولین جن میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، اکثر ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے[۳]، غرض قرآنِ کریم کی برکت اور علم و فضل نے ان کو غیر معمولی عظمت و شرف کا مالک بنا دیا تھا،

حضرت عمر فاروقؓ ان کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب دم واپسین کے وقت انھوں نے منصبِ خلافت کے متعلق وصیت فرمائی تو کہا "اگر سالم موجود ہوتے تو میں اس مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں پیش ہونے نہ دیتا" یعنی وہ ان کو اپنا جانشین بناتے[۴]

اخلاق حضرت سالمؓ کے قبائے فضل پر محاسنِ اخلاق کا طغرا نہایت خوشنما ہے، گذشتہ واقعات سے ان کی استقامت، وفا شعاری و پارسائی کا اندازہ ہوا ہوگا، اہل حاجت کے لیے دستِ کرم کشادہ تھا، چونکہ کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے انھوں نے اپنے متروکہ مال و اسباب میں سے ایک

---

[۱] اصابہ تذکرۂ سالم [۲] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ العبد والمولی [۳] بخاری کتاب الاحکام [۴] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۴۶

Marfat.com

ایک ثلث مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کی گلوخلاصی کے لئے اور ایک ثلث اپنے سابق آقاؤں کے لئے وصیت فرمائی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے ان کی سابق مالکہ حضرت ثبیتہ بنت یعارؓ کے پاس ان کا حصہ بھیجا تو انہوں نے لینے سے انکار کیا اور بولیں کہ میں نے بغیر طمع صلہ آزاد کیا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس حصہ کو بیت المال میں داخل فرما دیا،[1]

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ

نام ونسب عبیدہ نام، ابوالحارث یا ابومعاویہ کنیت، والد کا نام حارث، اور والدہ کا نام سخیلہ تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے:- عبیدہ بن الحارث بن المطلب بن عبد مناف بن قصی القرشی،[2]

اسلام حضرت عبیدہؓ، حضرت ابوسلمہ بن اسدؓ، حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک ارقم بن ابی الارقمؓ کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے تھے،[3] مکہ میں حضرت بلالؓ ان کے اسلامی بھائی قرار پائے،[4]

ہجرت مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عبیدہؓ اور ان کے دونوں بھائی حضرت طفیلؓ، حضرت حصینؓ اور حضرت مسطح بن اثاثہؓ ایک ساتھ روانہ ہوئے، اتفاقاً راہ میں حضرت مسطحؓ کو بچھو نے ڈنک مارا، اس لئے وہ پیچھے چھوٹ گئے، لیکن دوسرے روز خبر ملی کہ وہ نقل وحرکت سے بالکل مجبور ہیں تو پھر واپس آئے اور ان کو اٹھا کر مدینہ لائے، یہاں حضرت عبد الرحمٰن بن سلمہ عجلانی نے خوش آمدید کہا اور لطف ومحبت کے ساتھ میزبانی کا حق ادا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ

[1] استیعاب تذکرہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۶ [3] ایضاً ص ۳۵۵ [4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۳۳،

Marfat.com

وسلم نے تشریف لانے کے بعد حضرت عمیر بن حمام انصاریؓ سے مواخات کرادی اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا جس مین ان کا تمام خاندان آباد ہوا[۱]

غزوات | ہجرت کے آٹھ مہینے بعد شوال مین ساٹھ مہاجرین کے ایک دستہ پر افسر مقرر ہو کر مشرکین قریش کی دیدبانی کے لئے وادی رابغ کی طرف بھیجے گئے، تاریخ اسلام مین یہ دوسرا لواے امارت تھا جو حضرت عبیدہؓ کو عطا ہوا،

وہ رابغ کے قریب پہنچے تو ابوسفیان کی زیر امارت دوسو مشرکین کی ایک جمعیت سے مٹ بھیڑ ہوئی لیکن جنگ وخونریزی کی نوبت نہ آئی صرف معمولی طور سے چند تیرون کا تبادلہ ہوا[۲]

غزوۂ بدر | اس مہم کے بعد حق وباطل کی پہلی کشمکش یعنی غزوۂ بدر مین شریک ہوئے، صف آرائی کے بعد مشرکین کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نے نکلکر "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند کیا، لشکر اسلام سے چند انصاری نوجوان مقابلہ کے لئے بڑھے تو انھون نے پکار کر کہا کہ "محمد! ہم ناجنسون سے نہین لڑ سکتے، ہمارے مقابل والون کو بھیجو،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جنبشِ لب کی دیر تھی کہ یہ تینون نبرد آزما بہادر نیزے ہلاتے ہوئے اپنے اپنے حریف کے سامنے جا کھڑے ہوئے، حضرت عبیدہؓ اور ولید مین دیر تک کشمکش جاری رہی، یہان تک کہ دونون زخمی ہوگئے، چونکہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اپنے دشمنون سے فارغ ہو چکے تھے، اس لئے وہ ایک ساتھ ولید پر ٹوٹ پڑے اور اس کو تہ تیغ کر کے حضرت عبیدہؓ کو میدانِ جنگ سے اٹھالائے،[۳]

حضرت عبیدہؓ کا ایک پاؤن شہید ہوگیا تھا اور تمام بدن زخمون سے چور تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسکینِ خاطر کے لئے ان کے زانو پر سر مبارک رکھدیا، انھون نے عرض

---

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۵۰ [۲] ایضاً [۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب المبارزہ،

Marfat.com

کی "یا رسول اللہ! اگر ابو طالب مجھے دیکھتے تو انھیں یقین ہو جاتا کہ میں ان سے زیادہ ان کے اس قول کا مستحق ہوں،[1]

ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

ہم محمدؐ کی حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے اردگرد مارے جائیں گے اور اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے،

اختتام جنگ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر سے واپس آئے لیکن زخم ایسے کاری تھے کہ جانبر نہ ہو سکے، ترسٹھ برس کی عمر میں داعی جنت کو لبیک کہا اور مقام صفرا کی خاک پاک نے ان کو اپنے دامن میں چھپا لیا،[2] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ،

فضل وکمال ان کو دربار نبوت میں غیر معمولی رفعت حاصل تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نہایت قدر فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ مقام صفراء میں خیمہ افگن ہوئے، صحابہ کرامؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ یہاں مشک کی بو آتی ہے" فرمایا، یہاں ابو معاویہ کی قبر موجود ہوتے ہوئے تمھیں اس پر تعجب کیوں ہے؟[3]

حلیہ یہ تھا قد میانہ، رنگ گندم گوں اور چہرہ خوبصورت،[4]

اولاد حضرت عبیدہؓ نے متعدد بیویوں سے حسب ذیل لڑکے اور لڑکیاں یادگار چھوڑیں،[5] معاویہ، عون، منقذ، حارث، محمد، ابراہیم، ریطہ، خدیجہ، سخیلہ، صفیہ،

حضرت شماس بن عثمانؓ

نام ونسب شماس نام، والد کا نام عثمان، اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے،

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۶ [2] ایضاً [3] استیعاب تذکرۂ عبیدہ بن الحارث [4] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۳۵ [5] ایضاً،

Marfat.com

شماس بن عثمان بن الشرید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم القرشی المخزومی،

ہشام کلبی کی روایت ہے کہ ان کا اصلی نام عثمان تھا، شماس اس لئے نام پڑا کہ ایک دفعہ ایامِ جاہلیت میں ایک نہایت حسین وجمیل نصرانی جس کا چہرہ آفتاب کی طرح چمکتا تھا مکہ آیا، لوگ اس کے غیر معمولی حسن وجمال پر سخت متعجب تھے، عتبہ بن ربیعہ نے (جو حضرت شماسؓ کا ماموں تھا) دعویٰ کیا کہ اس کے پاس اس سے زیادہ بہتر شماس یعنی رخ تاباں موجود ہے، اور مقابلہ میں حضرت ابن عثمانؓ کو پیش کیا، چنانچہ اس دن سے ان کا نام ہی شماس ہو گیا[۱]

اسلام | حضرت شماسؓ اور ان کی والدہ حضرت صفیہ بنت ربیعہؓ نے بھی ابتدا ہی میں دعوتِ توحید پر صدائے لبیک بلند کیا تھا[۲]

ہجرت | مشرکین کے ظلم سے مجبور ہو کر راہی حبش ہوئے، حضرت صفیہؓ بھی ہمراہ تھیں، وہاں سے واپس آکر پھر مدینہ کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ کے مہمان ہوئے، یہاں حضرت حنظلہ ابن ابی عامر انصاریؓ سے مواخات ہوئی[۳]

غزوات | غزوۂ بدر واحد میں جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، معرکۂ احد میں جب کہ اتفاقاً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، غازیانِ اسلام کی فتح شکست سے مبدل ہو گئی اور صرف چند جاں نثار صدا ان میں رہ گئے تو حضرت شماسؓ بھی ان ہی پروانوں میں تھے جو شمع نبوت کے ارد گرد فداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں شماس کے لئے "سپر" کے سوا کوئی تشبیہ نہیں پاتا، آپ چپ وراست جس طرف دیکھتے حضرت شماسؓ ہی سر بکف نظر آتے، غرض انہوں نے اپنے آپ کو مہبطِ وحی والہام کے لئے سپر بنا دیا، یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر گئے، اختتام جنگ کے بعد دیکھا گیا تو دمِ واپسیں کے چند انفاس باقی تھے،

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۷۵ [۲] استیعاب تذکرۂ شماس [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۰

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ اٹھا کر لائے گئے، حضرت ام سلمہؓ ان کی تیمارداری پر مامور ہوئیں لیکن اس فدائے ملت کا فرض پورا ہو چکا تھا، دربارِ خداوندی سے حصولِ انعام کی دعوت آچکی تھی، ایک شبانہ روز توقف کے بعد انہوں نے داعیِ حق کو لبیک کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی خونین پیرہن کے ساتھ بغیر نماز جنازہ احد کے گورِ شہیداں میں دفن کرنے کا حکم دیا،[1] غرض چونتیس برس کی عمر میں سپردِ خاک ہوئے،[2] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حلیہ حضرت شماسؓ نہایت حسین و خوبرو تھے، چنانچہ اسی تابانی رخ نے ان کو شماس کے نام سے مشہور کیا،[3]

اولاد ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی ام حبیب یادگار چھوڑی، لیکن یہ دونوں لاولد فوت ہوئے اس لئے سلسلۂ نسل منقطع ہو گیا،[4]

حضرت شجاع بن وہبؓ

نام، نسب شجاع نام، ابو وہب کنیت، والد کا نام وہب تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: شجاع بن وہب بن ربیعہ بن اسد بن صہیب بن مالک بن کبیر بن غنم بن دودان بن خزیمہ، ایام جاہلیت میں ان کا خاندان بنو عبد شمس کا حلیف تھا،[5]

اسلام و ہجرت حضرت شجاعؓ ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا، اور مشرکین کے دستِ تظلم سے مجبور ہو کر سرزمینِ حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے تھے،[6]

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۴ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۷۶ [3] ایضاً ۱۷۵ [4] ایضاً [5] اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۷ [6] اصابہ جلد ۳ ص ۱۳۸،

حبش میں جب یہ افواہ پھیلی کہ تمام قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گردن اطاعت خم کر دی ہے تو وطن کی محبت ان کو پھر مکہ کھینچ لائی، لیکن یہاں پہونچکر افواہ غلط ثابت ہوئی، اس لئے چند روز قیام کے بعد متلاشیانِ امن کے ساتھ مدینہ پہنچے، یہاں حضرت اوس بن خولی سے مواخات ہوئی[1]

غزوات بدر، احد اور تمام دوسرے مشہور غزوات میں شریک تھے[2]، ماہ ربیع الاول سنہ ۸ھ میں بنو ہوازن کی ایک جماعت کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر مقام ربی میں خیمہ افگن تھی، حضرت شجاعؓ اپنے ساتھ چوبیس جانباز مجاہدین کی ایک جمعیت لیکر دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو یلغار کرتے ہوئے یکایک ان پر جا پڑے اور شکست دے کر بہت سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چھین لائے، مالِ غنیمت کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر ایک سپاہی کو پندرہ پندرہ اونٹ ملے تھے دیگر اسباب و سامان اس کے علاوہ تھا[3]

سفارت غزوۂ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر سلاطینِ عالم کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے، اسی سلسلہ میں حضرت شجاع بن وہبؓ بھی حارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس (جو دمشق کے قریب مقام غوطہ کا رئیس تھا) سفیر بنا کر بھیجے گئے خط کے ابتدائی فقرے یہ تھے[4]

بسم اللہ الرحمن الرحیم،	نام خدا کیساتھ جو بڑا مہربان اور رحیم
من محمد رسول اللہ الی الحارث	محمد رسولِ خدا کی طرف سے حارث ابن
ابن ابی شمر سلام علی من اتبع	ابی شمر کو سلام ہے اس پر جو ہدایت کی

[1] استیعاب تذکرہ شجاعؓ [2] اصابہ تذکرہ شجاعؓ [3] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲

[4] زاد المعاد جلد ۲ ص ۵۹

Marfat.com

الهدى وآمن به وصدق وانى	پیروی کرے، ایمان لائے اور تصدیق کرے
ادعوك الى ان تومن بالله وحده	بیشک میں تم کو اس خدا پر ایمان لانے کی
لاشريك له يبقى لك ملكك،	دعوت دیتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا کوئی
	شریک نہیں (اسی صورت میں) تمہاری
	سلطنت باقی رکھی جائے گی،

حارث کو خدا نے اس دعوت پر لبیک کہنے کی توفیق نہ دی لیکن اس کے وزیر (مُرّی) نے اسلام قبول کیا اور حضرت شجاعؓ کی معرفت بارگاہِ نبوت میں پیام و سلام بھیجکر پوشیدہ طور سے دینِ حنیف پر قائم رہنے کی خبر دی،[۱]

شہادت | چالیس برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون[۲]

حلیہ | یہ تھا طویل القامت، لاغر اندام اور بال نہایت گھنے تھے[۳]

حضرت محرز بن نضلہؓ

نام و نسب | محرز نام اور ابو نضلہ کنیت ہے لیکن عموماً اخرم اسدی کے لقب سے مشہور تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:- محرز بن نضلہ بن عبد اللہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی، یہ ایامِ جاہلیت میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے[۴]

اسلام و ہجرت | قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں تاہم مومنینِ سابقین (میں) ہیں، مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو انصار کے قبیلۂ عبد الاشہل نے ان کو اپنا حلیف بنا لیا اور حضرت عمارہ بن حزم سے اسلامی بھائی چارہ ہوا[۵]

۱؎ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۲۰ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ۴؎ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۴ ۵؎ طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ ص ۶۰

Marfat.com

غزوات | غزوۂ بدر، احد اور خندق میں جانبازی و شجاعت کے ساتھ سرگرم کارزار تھے، غزوۂ ذی قرد کی معرکہ آرائی ان کا سب سے شاندار اور آخری کارنامہ ہے[1]، اس کی تفصیل یہ ہے،

شہادت | سنہ ۶ھ میں بنو فزارہ نے مدینہ کی چراگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر چھاپا مارا، نگہبان کو قتل کر کے اونٹوں کو اپنے ساتھ لے چلے، حضرت سلمہ بن الاکوعؓ موقع واردات کے قریب موجود تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت رباحؓ کو گھوڑے پر سوار کر کے اطلاع کے لئے مدینہ بھیجا اور خود پہاڑ پر چڑھ کر یا صباحاہ کا نعرہ بلند کیا اور دیر تک تنہا تیروں اور پتھروں سے ان غارت گروں کا مقابلہ کرتے رہے، اسی اثناء میں درختوں کے جھنڈ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار نکلتے ہوئے نظر آئے، سب سے آگے حضرت اخرم اسدیؓ یعنی محرز بن نضلہ اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاریؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ تھے، حضرت سلمہؓ نے حضرت اخرمؓ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا، اخرم: آگے نہ بڑھو، مجھے ڈر ہے کہ غنیم تم کو گھیر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے ملنے نہ دے گا، بولے سلمہ! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو میری شہادت میں حائل نہ ہو، یہ جملہ کچھ ایسے جوش میں ادا ہوا تھا کہ حضرت سلمہؓ نے باگ چھوڑ دی اور وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے عبد الرحمٰن فزاری کے سامنے جا کھڑے ہوئے، انھوں نے ایک ایسا وار کیا کہ عبد الرحمٰن کا گھوڑا کٹ کر ڈھیر ہو گیا، لیکن اس کا نیزہ بھی خالی نہ گیا، حضرت محرزؓ شہید ہو کر فرش خاک پر آئے، اور وہ اچھل کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا، تاہم حضرت ابو قتادہؓ پیچھے موجود تھے، انھوں نے اس کو واصل جہنم کر کے ان کا انتقام لیا،[2]

شہادت کے وقت حضرت محرز بن نضلہؓ کی عمر تقریباً ۳۷ یا ۳۸ سال تھی،[3]

فضل وکمال | گذشتہ واقعہ سے ان کے غیر متزلزل ایمان و شوق شہادت کا اندازہ ہوا ہوگا، شہادت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ۳ ص ۶۰، [2] مسلم جلد ۲ باب غزوۂ ذی قرد [3] اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۰۰،

Marfat.com

سے چند دن پہلے انھون نے خواب مین دیکھا تھا کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے کھولدیئے گئے اور وہ عالمِ بالا کی سیر کرتے ہوئے ساتوین آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے ہین، یہان ان سے کہا گیا کہ یہی تمھارا مسکن ہے،

دوسرے روز انھون نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جو تعبیر رویا مین کمال رکھتے تھے اس خواب کو بیان کیا، انھون نے فرمایا، اخرم تمھین شہادت کی بشارت ہو، چنانچہ چند ہی دنون کے بعد اس بشارت نے واقعہ کی صورت اختیار کی، اور غزوۂ ذی قرد کی شہادت نے ان کو سدرۃ المنتہیٰ کے دائمی مسکن مین پہنچا دیا،[1]

حلیہ رنگ سپید اور مجموعی حیثیت سے حسین وخوبصورت تھے،[2]

حضرت شقران صالحؓ

نام ونسب صالح نام، شقران لقب، اور والد کا نام عدی تھا، یہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے حبشی نژاد غلام تھے، لیکن اس غلامی مین بھی سیادت مقدر تھی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی خدمتگذاری کے لئے پسند فرمایا اور حضرت عبدالرحمنؓ کو قیمت دے کر خرید لیا، بعض روایتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھون نے بلا معاوضہ نذر کیا تھا،[3]

غزوات مین عموماً مالِ غنیمت اور قیدیون کی حفاظت پر مامور ہوتے تھے، اور غنیمت مین حصہ پانے کے بجائے جن کے قیدیون کی نگرانی کرتے تھے وہ بطور خود معاوضہ دیتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین ان کو اس قدر معاوضہ ملا کہ مالِ غنیمت مین حصہ پانے والون سے بھی زیادہ نفع مین رہے،[4]

غزوۂ بدر مین انھون نے اس احتیاط ومستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے کہ آنحضرت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم جلد ۳ ص ۶۹، [2] ایضاً، [3] اصابہ جلد ۲ ص ۱۵۳، [4] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۳۴،

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر آزاد فرما دیا،

غزوۂ مریسیع میں شکست خوردہ غنیم کے مال و اسباب، سامانِ جنگ، بھیڑ بکریاں اور ان کے ذریات کو جمع کرنے پر مامور ہوئے[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وفات کے وقت اپنے مخصوص طور سے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی، حضرت شقران حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں اہل بیت کے ساتھ شریک تھے[2] غرض یہ آخری خدمت تھی جو اس غلام جان نثار نے اپنے شفیق آقا کے [illegible] انجام دی،

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت شقران نے مدینہ میں سکونت اختیار کی یا بصرہ میں توطن گزیں ہوئے کیونکہ ان کا ایک مکان بصرہ میں بھی تھا،[3] اسی طرح جائے وفات اور زمانہ بھی متعین نہیں،

حضرت عمیر بن ابی وقاص

نام و نسب عمیر نام، والد کا نام ابو وقاص اور والدہ کا نام حمنہ بنت سفیان تھا، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے حقیقی بھائی تھے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ عمیر بن ابی وقاص بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ ابن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی،[4]

اسلام حضرت عمیر کے برادر اکبر حضرت سعد بن ابی وقاص ان روشن ضمیر بزرگوں میں تھے جنھوں نے ابتدا ہی میں داعی اسلام کو لبیک کہا تھا، اس زمانہ میں حضرت عمیر گو نہایت کمسن تھے تاہم فطری سلامت طبع و خرد حق شناس عمر کی قید و بند سے آزاد ہوتی ہے، انھوں نے اس عہد طفولیت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۴ [2] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۵۳ [3] اصابہ جلد ۳ ص [4] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص

میں بھائی کا ساتھ دیا اور ساقیِ اسلام کے ایک ہی جام نے ان کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا۔[1]

ہجرت ۱۴ برس کا سن تھا کہ بادہ کشانِ اسلام کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وابستگی کیلئے حضرت سعد بن معاذؓ رئیس قبیلہ عبد الاشہل کے چھوٹے بھائی حضرت عمرو بن معاذؓ سے بھائی چارہ کرادیا۔ یہ دونوں تقریباً ہم سن تھے۔[2]

غزوۂ بدر ۲ھ میں مجاہدینِ اسلام غزوۂ بدر کے خیال سے علم نبوی کے نیچے جمع ہوئے تو یہ بھی اس مجمع میں پہنچ گئے۔ ان کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ دیکھ کر کہ وہ مضطرب و بیقرار ادھر ادھر چھپتے پھرتے ہیں، پوچھا "جانِ برادر یہ کیا ہے؟" بولے "بھائی جان! میں بھی اس جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید خدا شہادت نصیب کرے، لیکن خوف ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس فرمادیں گے۔"[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب تمام جان نثار یکے بادیگرے معائنہ کے لئے پیش ہوئے تو حضرت عمیرؓ کا خوف درحقیقت نہایت صحیح ثابت ہوا، کیونکہ آپ نے ان کی صغر سنی کا خیال کر کے فرمایا "تم واپس جاؤ" حضرت عمیرؓ یہ سنکر بے اختیار رونے لگے، اس طفلانہ گریہ و بکا کے ساتھ ان کے وفورِ جوش اور شوقِ شہادت نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر خاص اثر کیا اور جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے تلوار باندھی۔[4]

شہادت حضرت عمیرؓ کی عمر اس وقت صرف ۱۶ سال کی تھی، اچھی طرح اسلحہ سے آراستہ ہونا بھی نہ جانتے تھے، بھائی نے میان میں تلوار باندھ دی، اور وفورِ جوش نے کفار کے نرغہ میں گھسا دیا دیر تک شجاعانہ لڑتے رہے، بالآخر اسی حالت میں خورشیدِ تمنا جلوہ گر ہوا، یعنی عمرو بن عبد ودّ کی تلوار

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عمیر بن ابی وقاص [2] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۰۶ [3] ایضاً [4] مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸

Marfat.com

نے شہادت کی آرزو پوری کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون[۱]

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب عامر نام، ابو عبداللہ کنیت اور والدہ کا نام ربیعہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: عامر بن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ بن عامر بن سعد بن عبداللہ بن الحارث بن رفیدہ بن عنز بن وائل، ان کے سلسلۂ نسب میں بحث اختلاف ہے تاہم ارباب سیر عام طور پر ان کو عنزی لکھتے ہیں، عنز وائل کے لڑکے اور بکر و تغلب کے بھائی تھے جن کی خونریز معرکہ آرائیاں اب تک زبان زد خاص و عام ہیں[۲]،

ان کا خاندان حضرت عمرؓ کے والد خطاب کا حلیف تھا جنہوں نے فرطِ محبت سے حضرت عامرؓ کو متبنی کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے عامر بن الخطاب کے نام سے مشہور تھے لیکن جب قرآن شریف نے ہر ایک کو اپنے اصلی آبار و اجداد کی طرف انتساب کا حکم دیا تو اس زمانہ سے حضرت عامرؓ بھی خطاب کے بجائے اپنے نسبی والد ربیعہ کی نسبت سے زبان زد ہوئے[۳]،

اس حلیفانہ تعلق کے باعث حضرت عامرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ میں بھی آخر وقت تک نہایت دوستانہ تعلقات قائم رہے، حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا سفر کیا تو یہ ہم رکاب تھے اسی طرح جس سال حضرت عثمانؓ کو جانشین کرکے حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس سفر میں بھی ان کو اپنا رفیق بنایا[۴]،

اسلام حضرت عامر بن ربیعہؓ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں داعیٔ توحید کو لبیک کہا تھا، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم بن ابی الارقم کے مکان میں

[۱] مستدرک جلد ۳ ص ۱۸۸، [۲] اسد الغابہ جلد ۳ ص، [۳] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۲۸۱، [۴] اصابہ جلد ۲ ص ۲۴۹

Marfat.com

پناہ گزین ہوئے تھے۔[1]

ہجرت | شرک و توحید کی کشاکش اور کفار کے دستِ تظلم نے ان کو بھی مکہ میں چین سے رہنے نہ دیا، دو دفعہ اپنی زوجۂ محترمہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہؓ کو ساتھ لے کر امن و اطمینان کی تلاش میں ملک حبش تشریف لے گئے، پھر وہاں سے واپس آکر سرزمینِ یثرب کی راہ لی، ان کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مدینہ پہنچے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان سے پہلے چند اور حضرات بھی پہنچ چکے تھے، البتہ ان کی بیوی حضرت لیلیٰ بنت حثمہؓ کو عورتوں میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔[2]

غزوات | بدر، احد، خندق اور تمام دوسرے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مہمات میں بھی شریک ہوئے، اور نہایت جفاکشی و جانکاہی سے اعلاء کلمۃ اللہ کا فرض انجام دیا، اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ سے اکثر فخر و مباہات کے ساتھ ان شاندار کارناموں کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، ایک روز اثنائے گفتگو میں بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے اور عسرت و ناداری کے باعث سامانِ رسد میں صرف تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے تھے جو پہلے ایک ایک مٹھی سب کو ملتی تھیں، اس کے بعد کم ہونے ہوتے صرف ایک ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی، حضرت عبداللہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا، ایک ایک کھجور سے کس طرح کام چلتا ہوگا؟" فرمایا، "جانِ پدر! ایسا نہ کہو بسا اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لئے بھی ترس جاتے تھے۔"[3]

شورش سے کنارہ کشی اور وفات | حضرت عثمانؓ کے آخری عہدِ خلافت میں جب فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوا تو حضرت عامر بن ربیعہؓ نے غایتِ تقویٰ کے باعث عزلت نشینی اختیار کر لی، دن رات

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۸۱ [2] ایضاً ص ۲۸۲ [3] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۶

Marfat.com

روزہ، نماز اور ورد و وظائف میں مشغول رہتے، ایک رات دیر تک مصروف عبادت رہے، یہاں تک کہ اسی حالت میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں بشارت ہوئی، "اٹھو! خدا سے دعا کرو کہ وہ تجھے اس فتنہ سے بچائے جس سے اس نے اپنے دوسرے نیک بندوں کو محفوظ رکھا ہے" حضرت عامرؓ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور دوگانہ ادا کر کے نہایت خشوع و خضوع سے بارگاہ رب الحاجات میں دست بدعا ہوئے، غرض اس بشارت غیبی نے ان کی گوشہ نشینی کو پہلے سے زیادہ سخت کر دیا اور اس کے بعد ان کو کسی نے گھر سے باہر نکلتے بھی نہ دیکھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں بیمار ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے چند دنوں بعد وفات پائی، عزلت نشینی کے باعث لوگوں کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ کب بیمار ہوئے، اور کب وفات پائی، یکایک جنازہ پر نظر پڑی تو سب متحیر رہ گئے،[1]

اخلاق

قدامت ایمان اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت نے ان کو اخلاق کریمانہ سے آراستہ کر دیا تھا، گذشتہ بالا مختصر واقعات سے ان کی جفاکشی، تقویٰ اور زہد کا اندازہ ہوا ہوگا،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ ص ۲۸۲،

ذخیرہ — جمیل احمد شرقپوری نقشبندی — لاہور پاکستان

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل و ترجمہ دار المصنفین کے حق میں محفوظ ہیں [redacted] کی اجازت کے بغیر کوئی اقدام نہ فرمایا جائے

Marfat.com

Marfat.com

دار المصنفین کی نئی کتاب -

تاریخ اندلس

حصہ اوّل

مرتبہ

(مولانا سید ریاست علی ندوی)

اندلس پر اردو میں بکثرت مضامین اور کتابیں لکھی گئیں، اور بکثرت عربی و انگریزی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا گیا لیکن پھر بھی ایک محققانہ اور مستند کتاب کی ضرورت باقی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہی، جو درحقیقت دار المصنفین کے پیش نظر سلسلۂ تاریخ اسلام کی ایک اہم کڑی ہے، اُس کی متعدد جلدیں ہیں جو زمانہ کی مساعدت کے ساتھ بتدریج شائع ہوں گی، اس جلد میں اندلس کے طبعی و تاریخی جغرافیہ کے بعد اس کی قدیم تاریخ کو روشناس کیا گیا ہے پھر اندلس پر مسلمانوں کے حملوں کے اسباب دکھائے گئے ہیں، اس کے بعد فاتح اندلس طارق بن زیاد (۹۲ھ/۷۱۱ء سے ۹۳ھ/۷۱۲ء) سے لیکر عہد بعہد کے اُن ولاۃ کا ذکر آیا ہے، جو مرکزی حکومت کی طرف سے یہاں حکمرانی کرتے رہے، پھر وہ دور آیا ہے، جب اندلس میں امویوں کی آزاد سلطنت قائم ہوئی، اور ملک کے اقتدار اعلیٰ کی زمام اسی ملک میں آگئی، یہ پہلی جلد امویوں کے چوتھے حکمران عبد الرحمن اوسط (تا ۲۳۰ھ/۸۵۲ء) کے دور پر تمام ہوئی ہے، جس میں اندلس کی مفصل سیاسی تاریخ کے ساتھ اسکی علمی و تمدنی تاریخ بھی آگئی ہے، قیمت :- معہ ر

منیجر

(طابع و ناشر صدیق احمد)

Marfat.com